سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا
ماہنامہ
نئی دہلی
منادی
حضرت بابا
فرید نمبر
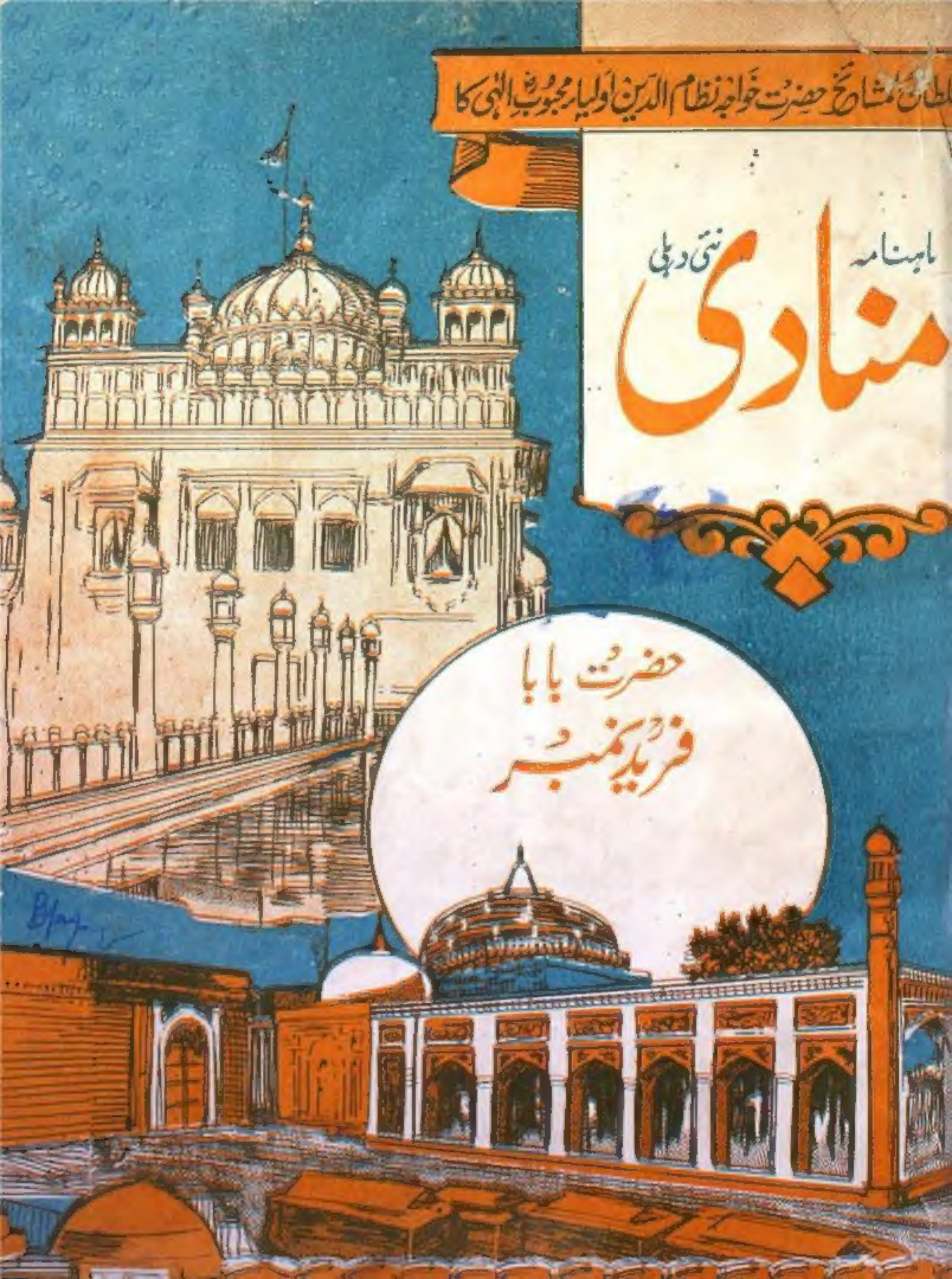
حضرت خواجہ حسن نظامی رح

جنہوں نے سب سے پہلے ۱۹۵۰ میں بمقام پٹیالہ سکھوں اور مسلمانوں کو گورو گرنتھ صاحب اور بابا فرید رح کے کلام کی طرف متوجہ کیا۔

تبرکات
حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رح
امروہہ

خواجہ جمال احمد نظامی فریدی تبرکات کی
زیارت کرا رہے ہیں۔

صدر جمہوریہ ہند

فضیلت مآب جناب فخرالدین علی احمد اور بیگم صاحبہ

جنہوں نے جشن فرید فرید کوٹ کے اجتماع میں بڑے
خلوص اور عقیدت سے حاضری دی۔
بیگم صاحبہ حضرت بابا صاحب کی اولاد میں ہیں۔

فضیلت مآب

نواب مہر اکبر علی خاں صاحب گورنر یوپی

یوپی میں تقریبات جشن فرید کے روح و رواں

یادگار حضرت بابا گورو نانک کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحر

(جشن فرید دہلی)

میر مشتاق احمد صاحب-پروفیسر رے- محترمہ اندرا گاندھی اور ڈاکٹر کملون

جشن فرید دہلی

مہر مشتاق احمد صاحب خطبہ استقبالیہ پڑھ رہے ہیں۔ پروفیسر گوپال سنگھ نارنگ (دائیں طرف)
اور پروفیسر گوربچن سنگھ طالب تشریف فرما ہیں۔

(جشن فرید حیدرآباد) مولانا اسحاق سنبھلی ممبر پارلیمنٹ تقریر کر رہے ہیں۔
مولوی احمد علی صاحب سابق ہوم منسٹر اور مولانا قطب میاں وغیرہ تشریف فرما ہیں۔

ڈاکٹر جلالی نائنی پروفیسر نصر الدین شاہ حسینی اور ایک اور ایرانی ڈیلی گیٹ
ڈاکٹر قدلوں کے ساتھ۔

رجہپور میں جشن فرید (دائیں سے بائیں) حضرت خواجہ راشد فریدی۔ حضرت خواجہ معین فریدی۔
حسن ثانی نظامی۔ جناب بی این رانا۔ جناب محمد شفیع قریشی وزیر ریلوے

حضرت بابا فرید سوسائٹی کے صدر فضیلت مآب ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں دربار خواجہ غریب نواز رح میں حاضری دے رہے ہیں۔ حضرت حلیم میاں چشتی دستار بندی فرما رہے ہیں۔ حضرت فاروق میاں چشتی دائیں طرف نظر آ رہے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ حلیم میاں چشتی جشن حضرت بابا فرید اجمیر شریف میں تقریر کرتے ہوئے۔

اجمیر شریف میں حضرت متولی اسرار احمد صاحب چشتی نے تخت شری حضور صاحب ناندیڑ کے لئے ایک چدور ڈاکٹر تعلاں صاحب کو پیش کیا موصوف اسے ادب سے سر پر رکھ رہے ہیں۔

بارگاہ خواجہ سے دوسرا چدور شری ہرمندر صاحب (گولڈن ٹمپل امرتسر) کے لئے بدست مبارک حضرت صاحبزادہ ظہور احمد زیک چشتی پیش کیا گیا۔

منادیاً ینادی للایمان

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے

ایمان اور امن کی نداد ینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کی یادگار

ماہنامہ منادی نئی دہلی

ز د سنہ ۱۹۲۶ء سے جاری ہے۔ یہ تینتالیسویں جلد (سنہ ۱۹۷۴ء) کا چوتھا پانچواں اور چھٹا شمارہ ہے

حضرت بابا فریدؒ نمبر

مدیر
خواجہ حسن ثانی نظامی

مشیر
نثار احمد فاروقی فریدی

اس شمارے کا ہدیہ : دس روپے

سالانہ قیمت : پانچ روپے

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی مطبوعہ قبال پرنٹنگ پریس دہلی مقام اشاعت درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نئی دہلی

فہرست

تحقیق وتنقید

پیغامات

شروع بنام اللہ قلم کار کل

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

○

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

وہ عقل کہاں جو تیرے کمال تک پہنچے۔ وہ روح کہاں جس کی رسائی تیرے جلال تک ہو۔ یہ مانا کہ تو نے حسن پر سے نقاب اٹھا دی (مگر) وہ آنکھ کہاں جو تیرے جمال کو دیکھ سکے

(فوائد الفواد ۔ جلد چہارم ۔ مجلس بست و دویم)

حضرت بابا فرید نمبر

اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس نے خواجگان کے صدقے میں حضرت بابا فرید نمبر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سچ پوچھیے تو ہم لوگ جو ان کے سلسلے میں مرید ہیں یا ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اور "فرزندانِ جانی" اور "فرزندانِ ثانی" ہونے کے دعوے دار ہیں۔ سب کے سب پڑے سوتے تھے۔ اور اپنے پیر اور اپنے جد کے نام اور کام سے جو فائدے ہمیں اٹھانے چاہیے تھے۔ وہ فائدے کما حقہ ہم نے نہیں اٹھائے تھے۔ اللہ بھلا کرے زندہ دلانِ پنجاب کا کہ انھوں نے "بابا فرید میموریل سوسائٹی" قائم کی۔ اور ہم کو جگایا اور یاد دلایا کہ حضرت بابا صاحب کے پیغام سے غفلت برت کر ہم اپنا بھی نقصان کر رہے ہیں اور کھولی کھٹکی دنیا کے لئے بھی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

"بابا فرید میموریل سوسائٹی" کا حال منادی میں وقتاً فوقتاً چھپتا رہا ہے۔ اور اس شمارے میں بھی کسی جگہ اس کا تعارف کرایا گیا ہے۔ میری رسائی اس سوسائٹی تک محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی فریدی وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذریعے ہوئی۔ خلیق صاحب ایسے نظامی اور ایسے فریدی ہیں جن کو موجودہ دور میں واقعی بابا صاحب کا "فرزند جانی" اور "فرزند ثانی" کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے بلند فرمائے۔ اس نمبر کی اشاعت کے ذریعے اگر کوئی ادنیٰ سی خدمت ہوئی ہے تو اس کا کریڈٹ سب سے پہلے انہی کو جائے گا اس کے ساتھ ہی میں ایک دوسرے فریدی اور اپنے خاص کرم فرما جناب نثار احمد صاحب فاروقی کو فراموش نہیں کر سکتا۔ انھوں نے نہ صرف یہ نمبر شائع کرنے کی تحریک فرمائی بلکہ اس کی تیاری میں اس طرح ہاتھ بٹایا کہ حضرت بابا فرید نمبر کو دراصل تمام تر انہی کی محنت کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ملفوظات اور ماخذ پر ان کے جو مضامین اس نمبر میں شامل ہیں۔ انھوں نے تحقیق اور تنقید کا نیا راستہ کھولا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ بات اور آگے بڑھے گی۔ اور ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ اہل علم اس طرف توجہ کریں گے۔ اور کھرے کھوٹے کو علیحدہ کر کے بابا صاحب اور خواجگان کے پیغام کو اصلی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے گا۔

میرا بہت جی چاہتا تھا کہ اس نمبر کو پاکستانی اہل قلم کے مضامین بھی زینت بخشیں خاص کر برادر روحانی میاں صاحب حسین نظامی ایڈیٹر صدیق جو ہمارے خاندان کے خواجہ مسلم نظامی صاحب سے میں مضمون لکھوانا چاہتا تھا جو آجکل پاک پٹن شریف ہی میں مقیم ہیں اور جنہوں نے بابا صاحبؒ کی ضخیم سوانح حیات شائع کی ہے مگر راستے اور خط و کتابت بند ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ اس نمبر کی تیاری کے وقت اندازہ ہوا کہ ایسے ایسے درجنوں نمبر بھی بابا صاحب کے پیغام کی اشاعت کے لئے کافی نہیں ہوں گے۔ اس وقت

---

(۱) مشہور واقعہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں ان کے روحانی فرزند حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور سگے بیٹے حضرت نظام الدینؒ دونوں حاضر تھے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا تم دونوں میرے فرزند ہو۔ سگے بیٹے نے کہا تو "فرزند ثانی" کے دستان ... روحانی کی طرف اشارہ اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے فرمایا کہ "تو فرزند جانی ہے"!

بھی بہت سے مضامین میرے پاس ایسے ہیں جن کو کاغذ کی قلت کی وجہ سے اس نمبر میں درج نہیں کیا جا سکا۔ انشاء اللہ العزیز جب اس نمبر کے تیسرے چھپیں گے تو اس وقت پاکستانی اہل قلم سے بھی راہ رسم قائم ہو چکی ہو گی اور ان کے مضامین بھی ہمیں میسر آسکیں گے۔

حضرت بابا صاحبؒ کا پنجابی کلام کئی سکھ گورو صاحبان کی عنایت سے میسر آیا ہے۔ ضرورت تھی کہ گورو گرنتھ صاحب اور گورو صاحبان پر بھی متعدد مضامین اس نمبر میں شائع کئے جاتے۔ لیکن کاغذ کی کمی کے باعث یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ صرف حضرت گورو نانک صاحب پر کچھ مضامین درج کئے جا رہے ہیں۔

اہل قلم کے ساتھ اگر "اہل درم" کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یہ بھی بڑی ناسپاسی ہو گی۔ جناب عبداللطیف جلال صاحب جناب عبدالمجید الف خاں نظامی۔ جناب فخر اللہ خاں نظامی، راحت خاں نظامی۔ جیلانی نو... بشر لطیف اللہ خاں نظامی۔ نور اللہ خاں نظامی اور دوسرے بہت سے کرم فرما ہیں۔ جن کی مالی امداد نے اب تک ہر آڑے وقت میں منادی کا ساتھ دیا ہے۔ اور موجودہ ہوشربا گرانی اور کاغذ کی کمیابی کے زمانے میں تو اگر یہ لوگ آگے نہ بڑھتے تو شاید اس نمبر کی اشاعت ممکن ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالٰی انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ناظرین دعا فرمائیں کہ منادی کا "حضرت بابا فرید نمبر" پہلے نمبر کے ساتھ "آخری نمبر" ثابت نہ ہو۔ بلکہ ایسے خاص شمارے شائع کرنے کی توفیق مسلسل میسر کی رہے۔ اور اپنے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے قدموں میں بیٹھ کر قربت فیضان ہمیں ہر لمحے ملتا رہے۔

(خواجہ) حسن ثانی نظامی
(حجرۂ قدیم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

زاں روی کہ بندۂ تو خوانند مرا　　　بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است　　　ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

چونکہ مجھے آپ کا غلام کہا جاتا ہے۔ (اس لئے لوگ) مجھے آنکھوں کی پتلیوں پر بٹھاتے ہیں۔ آپ کے لطف عام نے عنایت فرمائی ہے ورنہ میری کیا ہستی؟ اور مخلوق مجھے کیا جانتی؟ (اور کیا گردانتی)

یہ رباعی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے پیر و مرشد حضرت بابا صاحبؒ کو ایک عریضے میں لکھی تھی جب حضرت خواجہ نظامؒ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اس کا ذکر فرمایا اور کہا کہ میں نے اسے یاد کر لیا ہے!

(فوائد الفواد مجلس سی و ہشتم)

در مدح بابا فرید گنج شکرؒ

(از یادگار حضرت گورو نانک عالی جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

اے فرید الدین بابا اے مرے گنج شکرؒ
عالم الحاد تیرے خوف سے زیر و زبر

تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
زہد کا اخلاص کا تسلیم کا ایماں کا نور

راہِ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تری
اس لئے ہوتی ہے ہر دل میں پذیرائی تری

ٹوٹ سکتا ہے نظامِ انجم و شمس و قمر
اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بر

لیکن اے گنج شکرؒ تو زندہ و پائندہ ہے
کل بھی تابندہ رہے گا آج بھی تابندہ ہے

حق داروں کے حقوق ادا کر دوں گا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا تو جس بزاز کے بیس جیتل دینے تھے اس کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے تمہارے بیس جیتل دینا ہیں مگر میرے پاس بیک وقت اتنی رقم نہیں ہو سکی اس لئے صرف دس جیتل لایا ہوں، یہ تم لے لو اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ باقی دس جیتل بھی جلد ہی ادا کر دوں گا۔ اس بزاز نے میری باتیں سن کر کہا "اچھا — تم شیخ فرید کے پاس سے آ رہے ہو؟" جاؤ باقی رقم میں نے معاف کی۔ اسی طرح جب میں اس شخص کے پاس گیا جس کی ایک کتاب مجھ سے کھو گئی تھی اور میں نے اس سے کہا کہ میں وہ کتاب کہیں سے نقل کرا کر تمہیں دے دوں گا تو اس نے بھی یہی کہا کہ جس مقدس خانقاہ سے تم آ رہے ہو اس کی تاثیر ہی ایسی ہوتی ہے — " وہ کتاب مجھے بخش دی۔

جس نظریہ اثر کا یہ فیضان تھا، وہ کیسی زندگی گزارتا تھا؟ اس سلسلے میں طرح طرح کے نکتے موجود تھے۔ مرید جنگل سے جا کر کریل کے پھول چن لاتے تھے، اور انہیں پانی میں ابال کر سب کھاتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے کہ جس دن کریل کے ابلے ہوئے پھولوں میں نمک کی ایک ڈلی بھی پڑ جاتی تھی وہ گویا عید کا دن ہوتا تھا۔ بستر کا حال حضرت نظام الدین اولیاؒ نے یوں بیان فرمایا۔

"ایک دن شیخ فرید کے سونے کے وقت میں حاضر تھا میں نے دیکھا کہ ایک کھاٹ بچھا دیا گیا۔ وہ کمبل جس کو آپ دن میں اوڑھتے تھے اس کو کھاٹ کے اوپر بچھایا۔ کمبل کھاٹ کے آخر تک نہیں پہنچتا تھا جہاں آپ کے پیر ہوتے تھے ایک پیرہن کا ٹکڑا پائینتی کو بچھا دیا گیا، جو اس ٹکڑے کو آپ اپنے اوپر ڈال لیتے تو پیر کی جگہ خالی رہتی تھی۔ ایک عصا تھا جو آپ کو شیخ قطب الدین نے دیا تھا اس کو لاتے اور کھاٹ پر سرہانے رکھ دیتے۔ شیخ فرید اس عصا پر تکیہ لگا کر آرام کرتے اس پر ہاتھ پھیر پھیر کر چومتے تھے ....

ایک طرف یہ فقر اور بے سروسامانی تھی۔ دوسری طرف خلق خدا کا اتنا ہجوم تھا کہ خانقاہ کے دروازے آدھی رات کے بند نہ ہوتے تھے۔ آنے جانے والوں کو عموماً کھانا کھلایا جاتا تھا۔ نذر اور صدقے کے تحفے دیئے جاتے تھے سلطان ناصر الدین ایک بار ملتان جاتے ہوئے اجودھن سے گذرا تو اپنے سارے لشکر کے ساتھ حضرت بابا فرید کی زیارت کرنے آیا۔ اس کے آنے کی خبر سن کر حضرت کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور لشکر کے راستے پر آپ کا کرتہ لٹکا دیا گیا جسے ہزاروں لشکری بوسہ دے کر گذرتے جاتے تھے حتیٰ کہ وہ کرتہ تار تار ہو کر پھٹ گیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن اس زمانے میں اُلغ خاں کہلاتا تھا اور ملتان کا گورنر تھا وہ حضرت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا تو کچھ نقد روپیہ اور چار گاؤں کی معافی کے کاغذات پیش کئے۔ باباصاحبؒ نے نقدی قبول فرما لی اور اسی وقت اپنی خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم کر دی، مگر جاگیر لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ دستاویزیں اٹھا لو۔ ان کے طلبگار دوسرے بہت سے ہیں۔"

اس اختیاری فقر و فاقہ کے ساتھ غنائے قلبی کا عالم اور دل و دماغ کی کیفیت جو ہمہ وقت عشق خداوندی سے سرشار اور اس نیستی کے درد سے دکھی رہتے تھے ان کا حال حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی زبان مبارک سے سنئے۔ خیر المجالس میں ہے۔

"اجودھن میں دو بھائی تھے۔ دونوں سرکاری ملازم تھے۔ ایک بھائی پر درویشی اور ترک دنیا کا غلبہ ہوا اور اس نے ملازمت ترک کر دی، اس کے بیوی بچوں کی کفالت دوسرے بھائی نے اپنے ذمے لے رکھی تھی قضارا وہ سخت بیمار ہوا اور اس کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اس کا بھائی جو حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں رہ کر یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا ایک دن بہت سراسیمہ و پراگندہ حضرت شیخ فرید کی خدمت میں آیا آپ نے اس سے پوچھا:

محمد سنت ہ — آج تم بہت غمگین و پریشان ہو۔

کیا معاملہ ہے؟

پیر و مرشد۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا بھائی سارے گھر بار کو چلا رہا ہے اور میں گھر سے بے فکر ہو کر یہاں ذکر و عبادت میں مشغول رہتا ہوں، مگر اب وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے میں اسے جاں کنی کے عالم میں چھوڑ کر دعا کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر وہ مر گیا تو شاید میں اتنی دل جمعی سے عبادت بھی نہ کر سکوں گا.....

..... اس وقت جو میرے دل و دماغ کی حالت ہے بس میں ہی جانتا ہوں .....

"اس وقت جو تمہارے دل و دماغ کی حالت ہے میں تو سالہا سال سے اسی کیفیت میں رہتا ہوں مگر اس کا اظہار نہیں ہوتا..... جاؤ تمہارا بھائی صحت یاب ہو چکا ہے۔ اور اس وقت کھانا کھا رہا ہے....."

اور جب حضرت شیخ زیدؒ کی خانقاہ سے اپنے گھر آکر محمد شاہ غوری نے دیکھا تو واقعی ان کا بھائی پلنگ پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا یہ حضرت بابا صاحبؒ کی زبان مبارک کی تاثیر تھی۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ "بندہ عبادت کے ذریعہ میرا قرب تلاش کرتا ہے تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے بولتا ہے۔" اسی مضمون حدیث کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یوں بیان کیا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی خاصان خدا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خدا ہی کے الفاظ ہوتے ہیں بندے کی زبان ہوتی ہے۔ بابا فریدؒ نے ایک دن فرمایا تھا۔

"بیس سال تک بندہ مسعود نے وہی کیا جو خدا چاہتا تھا۔ اب خدا وہ کرتا ہے جو مسعود چاہتا ہے۔"

یہ تو بابا صاحب کی زبانِ حق ترجمان کی کرامت تھی آپ کے ارادت مندوں کے لئے آپ کے نام میں بھی کتنی برکت ہے اس کا اندازہ ان رسموں سے اور اوراد و اعمال سے ہوتا ہے جو آج بھی چشتی سلسلے میں جاری ہیں شمالی ہندوستان میں آج بھی دلہن کے ساز و سامان میں "بابا فرید کا سہاگ پڑا" شامل ہوتا ہے۔ زچہ کو درد زہ سے نجات دینے کے لئے آج بھی کوری ٹھیکری پر بابا فرید کا ٹوٹا لکھ کر پیٹ پر رکھا جاتا ہے۔ رات کے امن اور چوروں سے محفوظ رہنے کے لئے آج بھی یہ شعر تعویذ میں لکھا جاتا ہے"

الٰہی بحق شکر گنج شاہ
نگہدار مارا ز دزد ان راہ

اور یہ حضرت بابا فرید کے نام ہی کی برکت تھی حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ کی داڑھی کا ایک بال لے کر رکھ لیا تھا اور جب کوئی مریض آتا تھا وہ بال تعویذ کے طور پر دیا کرتے تھے اور صحت یاب ہو کر وہ اسے واپس کر جاتا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ اگر کسی مریض کی قسمت میں شفا نہیں ہوتی تھی تو لاکھ تلاش کرنے پر بھی وہ بال نہیں ملتا تھا۔

حضرت نصیرالدین چراغ دہلیؒ جو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے خلیفہ اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے پیر و مرشد ہیں فرماتے ہیں:-

سرساوہ کا ایک شخص کچھ معافی رکھتا تھا۔ ایک بار اس کے گھر میں آگ لگی اور معافی کے کاغذات جل گئے وہ ان دستاویزوں کی مصدقہ نقل حاصل کرنے کے لئے سرساوہ سے دہلی آیا اور یہاں محکمہ والوں کی بڑی خوشامد کر کے سخت جد و جہد کے بعد فرمانِ معافی کی نقل حاصل کی۔ جب اسے مطلوبہ دستاویز مل گئی تو خیال ہوا کہ اب وطن واپس جانے سے پہلے کچھ دہلی کی سیر بھی کر لی جائے وہ کاغذ اس نے پگڑی کے اندر رکھ لیا اور دہلی میں گھومتا رہا۔ رات کو جب سرائے میں واپس

بھی ان لوگوں کی فریادیں سنتے اور [illegible] اور گریہ کرتے تھے۔ ان کے زخموں پر تسلی، شفقت، ہمدردی و دعاؤں سے مرہم رکھتے تھے۔ ان کی ڈوبی ہوئی امید بندھاتے۔ کتنے ہی زندگی گذارنے کا حوصلہ اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ کتنے مختلف مسائل تھے جو صبح سے شام تک ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ کوئی کہتا تھا:

حضور۔ میری کئی لڑکیاں ہیں۔ وہ سیانی ہو گئی ہیں۔ مجھے ان کی شادی کی فکر ہے۔ دعا کیجئے کہ میں ان کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

اور کوئی یوں اپنی مصیبت بیان کرتا تھا۔

حضرت۔ میرا مالک بہت ظالم اور بے رحم ہے مجھے کوئی ایسا تعویذ دے دیجئے کہ اس کے ظلم سے محفوظ رہوں۔

کوئی یوں فریاد کرتا تھا۔

مائی باپ۔ میرے گاؤں پر فوج نے [illegible] کی تھی اور میری بیوی کو قید کر کے لے گئے۔ مجھے میری بیوی نہیں ملے گی تو مر جاؤں گا . . . مر جاؤں گا

اور حضرت بابا فرید ان سب دکھیاروں کی بپتا سنتے تھے۔ اپنی خانقاہ میں آنے والے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے مرحمت فرماتے تھے یا نقدی دیتے تھے۔ پھر اس کی مشکل حل کرنے کے لئے کبھی کسی بادشاہ، امیر یا وزیر کو سفارشی خط لکھتے، کبھی تعویذ دیتے، کبھی خود اس کے لئے دعا کرتے، کبھی کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے حکم دیتے تھے۔

بابا صاحبؒ کے آخری زمانۂ عمر میں سلطان غیاث الدین بلبن حکمراں تھا وہ کیسے جلال و جبروت والا اور کس شان اور دبدبے کی حکومت کرنے والا شہنشاہ تھا اس کا حال تاریخ کے طالب علم ہی جان سکتے ہیں۔ اس کے دربار میں ہزاروں امراء میں سے صرف چند مخصوص امیروں ہی کو شہنشاہ سے ہم کلام ہونے کی اجازت حاصل تھی۔ باقی سب درباری بت بنے کھڑے رہتے تھے [illegible] دربار کا [illegible] یہ تھا کہ [illegible] بیٹھے [illegible] کی خبر سن کر [illegible] کو دربار میں [illegible]

ہوتے نہیں دیکھے۔ مگر اسی بلبن کو ایک شخص کی سفارش کرتے ہوئے حضرت بابا فریدؒ نے خط لکھا تھا:

"شخصے وبل بلبن کے نام۔ میں نے اس شخص کا معاملہ خدا کے حضور میں پیش کیا تھا اور اب خدا کے حکم سے تیرے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تو اسے کچھ دے گا تو درحقیقت دینا خدا ہی کی صفت ہے۔ مگر تیرا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اور اگر تو نے اس شخص کا کام نہ کیا تو دراصل مانع خدا ہی کی ذات ہے۔ تجھے معذور سمجھا جائے گا۔"

جس وقت بابا صاحبؒ کا یہ رقعہ بلبن کو سر دربار دیا گیا اس نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے لیا، پڑھا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھ کر بے ساختہ دربار میں رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ بلبن جانتا تھا کہ میری حکومت سونے اور چاندی کی ٹھیکریوں پر ہے مگر اس بے سروسامان فقیر کی حکومت دلوں پر ہے میری حکومت چند روزہ ہے، مگر اس درویش کی سلطنت دوام آشنا ہے۔

حضرت بابا فریدؒ نے ۶۶۴ ہجری یعنی ۱۲۶۵ عیسوی میں محرم کی پانچویں تاریخ کو انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۳ سال ہو چکی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ان کے آخری وقت کا حال یوں بیان کیا ہے۔

"محرم کی پانچویں تاریخ کو حضرت شیخؒ کی بیماری غالب تھی۔ عشاء کی نماز آپ نے جماعت سے پڑھی اور کچھ دیر کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو دریافت کیا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا ایک بار پھر پڑھ لیں کیا خبر ہے کیا ہو گا؟ دوبارہ نماز پڑھ کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش میں آئے تو یہی سوال کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین نے کہا جی ہاں، دوبار پڑھ لی ہے۔ فرمایا ایک بار اور پڑھ لیں۔ کل خدا جانے کیا ہو۔

باقی صفحہ ۲۷ پر

دادا پیر

(از صاحبزادہ حضرت سید حلیم میاں چشتی نائب صدر انجمن خدام خواجہ اجمیر شریف)

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اس لحاظ سے بھی قسمت کے بڑے دھنی تھے کہ انھیں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اور دادا پیر حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیری سے، بیک وقت فیض حاصل ہوا۔ صوفیا کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ روایت یہ ہے کہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے اپنے مرید و جانشین حضرت خواجہ قطب صاحبؒ سے فرمایا کہ آؤ فریدالدین مسعود کو کچھ نعمت عطا کریں۔ اس کے بعد یہ بزرگ بابا صاحبؒ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور توجہ دی شاید یہ اسی دو آتشہ نعمت ہی کا کرشمہ تھا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے بے شمار فیض یافتگان میں جو مرتبہ اور مقام بابا صاحبؒ کو حاصل ہوا اور ان کے مبارک دم قدم سے تصوف اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی اس کی نظیر دکھائی نہیں دیتی۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیری کی ولادت سجستان ایران میں ہوئی تھی۔ بعض تذکروں میں سنہ ولادت ۵۳۳ھ بیان کیا گیا ہے۔ بعض میں ۵۳۰ھ۔ والد کا اسم گرامی سید غیاث الدین حسن تھا۔ حضرت خواجہ پندرہ برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ایک مجذوب بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی نے کچھ تبرک کھلایا تھا، جس کے زیر اثر حضرت نے اپنا گھر بار سب خیرات کر دیا، اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے سمرقند اور بخارا وغیرہ چلے گئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد نیشاپور کے قریب قصبہ ہرون میں حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ سے بیعت فرمائی اور ان کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت کا کمال حاصل کیا۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ میں بیس برس اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کی خدمت میں اس طرح رہا کہ ایک گھڑی بھی اپنے نفس کو آرام نہیں لینے دیا۔ سفر و حضر میں اپنے حضرت کا بستر اٹھائے ہوتا۔ میری اس راسخ الاعتقادی کو دیکھ کر خواجہؒ نے اپنے کمال کے مطابق مجھے نعمت عطا فرمائی۔

ہندوستان تشریف لانے سے قبل حضرت خواجہ نے بہت سیاحت فرمائی۔ ایک دفعہ وہ مدینہ منورہ میں حاضر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے روحانی اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت کے قدوم میمنت لزوم نے ہندوستان اور اجمیر کو رونق بخشی۔

حضور کی تشریف آوری کے وقت راجہ پرتھوی راج چوہان اجمیر کا راجہ تھا۔ بعد میں قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش نے بھی حضرت کا زمانہ دیکھا۔ ان کے دور میں پائے تخت دہلی تھا مگر حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنی روحانی حکومت کا مرکز اجمیر ہی کو رکھا اور دہلی میں اپنے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو جانشین مقرر فرمایا۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ چونکہ ہندوستان میں نائب رسولؐ تھے اس لیے ان کی ذات پاک نے اس طرح رحمت و بخشش کو عام فرمایا جو پیغمبر اسلام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ ایک طرف بے شمار آدمیوں کو

(باقی صفحہ ۳۰)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

(حضرت ملا واحدی دہلوی)

دلّی کی جامع مسجد سے ساڑھے گیارہ میل جانب جنوب مہرولی ایک قصبہ ہے جو بگڑ کر مہرولی ہوگیا ہے۔ دلّی والے اسے قطب صاحب اور خواجہ صاحب بھی کہتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ ان میں سب سے بڑے قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہیں قطب کی نادر الوجود لاٹھ ہے۔ یہ سلطان قطب الدین ایبک کی مسجد قوت الاسلام کا منبر رہے ہیں۔ درویش منش بادشاہ شمس الدین التمش کا مزار ہے اور دلّی جن بزرگوں کی وجہ سے بائیس خواجہ کی چوکھٹ مشہور ہے ان بائیس میں سے اکثر خواجگان اسی قصبہ میں آرام فرما رہے ہیں۔

مہرولی دلی کی سب سے بلند پایہ زیارت گاہ بھی ہے اور سیرگاہ بھی۔ میرے زمانے تک برسات بھر مہرولی میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ مہرولی کی اولیاء مسجد، مہرولی کا چہل تن چہل من، مہرولی کا شمسی تالاب، مہرولی کا جھرنا، مہرولی کی امریاں۔ مہرولی کی سیر گل فروشاں تاریخی چیزیں ہیں اور ان کے ساتھ ہی دلی کی تاریخ حیات وابستہ ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے جانشین تھے اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے پیر اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے دادا پیر۔

خواجہ قطب الدینؒ کا اصل وطن اوش تھا۔ اوش ماوراء النہر کے قریب کوئی جگہ ہے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدہ نے پرورش اور پرداخت کی۔ مولانا ابوحفصؒ سے قرآن مجید حفظ کیا اور ظاہری علوم سیکھے۔

خواجہ معین الدین سے خواجہ قطب الدینؒ کی پہلی ملاقات اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی کے ہاں ہوئی تھی۔ اس وقت خواجہ قطب الدین بیس سال کے تھے۔ خواجہ معین الدین کی زیر نگرانی آکر خواجہ قطب الدین کے جوہر کھل گئے۔

خواجہ معین الدینؒ سے فیض پانے کے بعد خواجہ قطب الدینؒ نے بغداد کا رخ کیا اور وہاں متعدد عارفین کے ہم نشین رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ سے خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

دوران سیاحت ہی میں شیخ جلال الدین تبریزی سے سنا کہ خواجہ معین الدینؒ ہندوستان تشریف لے گئے۔ خود بھی ہندوستان چل پڑے اور ملتان پہنچ کر شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس ٹھیرے۔ بابا فرید نے ملتان میں پہلی دفعہ انھیں دیکھا اور سلسلہ بیعت میں منسلک ہوگئے۔

ملتان سے دلی آئے۔ سلطان ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان چاہتا تھا کہ ملتان ہی میں قیام رکھیں۔ لیکن انھوں نے کہا کہ اول تو ملتان اللہ تعالیٰ نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے واسطے مقدر فرما دیا ہے۔ دوسرے پیر و مرشد جہاں کا حکم کریں گے میں وہاں رہوں گا۔

دلی پہنچ کر انھوں نے اجمیر شریف خط لکھا اور حاضری کی اجازت چاہی۔ خواجہ معین الدینؒ نے جواب دیا۔ تم دلی میں ٹھیرو۔ ہم تھوڑے دن میں خود وہاں آئیں گے۔

گورو بابا نانک صاحب

(علامہ سر عبدالقادر مرحوم)

دنیا کے ان چیدہ بزرگوں میں جنھوں نے اپنی زندگیاں خلق خدا کی رہنمائی کے لئے وقف کر دیں اور اپنے ذاتی آرام اور آسائش پر خدا کے بندوں کی خدمت کو ترجیح دی۔ گورو بابا نانک جی بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ہمارے پیارے وطن کا وہ گوشہ جو پانچ دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے اور اسی نسبت سے پنجاب کہلاتا ہے اس امتیاز پر جس قدر ناز کرے بجا ہے کہ گورو بابا نانک جی نے اس کے ایک گاؤں میں جنم لیا۔ اس گاؤں کا پرانا نام تلونڈی ہے۔ اور اب وہ ایک خاصہ بڑا قصبہ ہے۔ جسے گورو صاحب کے نام پر ننکانا کہتے ہیں اور زیادہ ادب سے "ننکانا صاحب" پکارتے ہیں۔ گورو نانک جی سکھ مذہب کے بانی ہیں اور ہر چیز جو ان سے یا ان کے جانشین گوروؤں سے منسوب ہے۔ عزت سے "صاحب" کر کے پکاری جاتی ہے ہمارے سکھ بھائیوں کی بڑی مذہبی کتاب جس میں گورو نانک جی کے بھجن اور ان کی مفید تعلیم کے اقوال درج ہیں "گرنتھ صاحب" کہلاتی ہے۔ سکھوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ جو امرتسر میں ہے "دربار صاحب" کے نام سے منسوب ہے ایک کھیت جسے مویشی کھا گئے تھے اور جس کی بابت مشہور ہے کہ وہ گورو صاحب کی دعا سے ویسا ہی ہو گیا تھا جیسا پہلے تھا اب تک ایک یادگاری گوردوارے کی جگہ ہے۔ اور "کیارا صاحب" کہلاتا ہے۔ ایک درخت جس کے سائے میں گورو نانک صاحب اپنی جوانی میں بیٹھے تھے "تنبو صاحب" بن گیا ایک کوٹھری جس میں ایک دفعہ تھوڑی سی دیر کے لئے انھیں بند کیا گیا "کوٹھری صاحب" ہو گئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نیک دل انسان کو یہ بڑائی کس بنا پر ملی۔ کہ ان کی زندگی میں بھی اس زمانے کے بہت سے لوگ ان کے معتقد ہو گئے اور ان کے اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی لاکھوں بندگان خدا ان کی پیروی پر فخر کرتے ہیں اور ان کے نام پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہیں۔

گورو نانک صاحب انگریزی سالوں اور مہینوں کے حساب سے اپریل ۱۴۶۹ء میں تلونڈی کے ایک معزز باشندے کے گھر پیدا ہوئے۔ اس واقعے کو ابھی پورے پانسو برس نہیں ہوئے کہ پنجاب کی مردم خیز سرزمیں اپنے اس سپوت کے قدم چھوتی رہی۔ میں خوش ہوں کہ اپنے وطن کے مشہور شاعر سر محمد اقبال مرحوم کی طرح انھیں کے الفاظ میں یہ کہہ سکتا ہوں ؎

نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اس وحدت کے گیت نے گورو نانک کو وہ لازوال شہرت نصیب ہوئی جس کی بدولت ان کا نام آج تک زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس وحدت کی تعریف کیا ہے؟ لفظ وحدت اس شعر میں دو معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ گورو نانک جی نے خدا کی وحدت کا سبق تازہ کیا اور ایسے زمانے میں جب بت پرستی کا زور تھا اور لوگ مصنوعی خداؤں کو پوجتے تھے۔ انھوں نے بے دھڑک پکار کر کہہ دیا کہ دنیا کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔ اور اس عقیدے کی پختہ بنیاد پر وحدت کا وہ محل تعمیر کیا جس میں خدا کے سب بندے ایک ہو جاتے ہیں اور ہندو اور مسلمان عیسائی اور زرتشتی سب ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہیں غیریت اٹھ جاتی ہے اور یگانگت اس کی جگہ لیتی ہے۔ امیر مینائی لکھنوی نے اس وحدت کی تعریف کیا خوب لکھی ہے ؎

سب دوئی کا ہی یہ پردہ، جو وحدت ہو جائے
گردنِ شیخ میں زنّار برہمن ڈالے

گورونانک نے سب سے بڑا کام یہی کیا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا انھوں نے اپنے اس وطن کو یہ سمجھانے اور سکھانے کی کوشش کی کہ مختلف فرقوں کے امتیازات ظاہری اور عارضی ہیں اور اصل میں سب انسان ایک ہیں اور انھیں آپس میں محبت رکھنی چاہیے۔ انھوں نے شیخ اور برہمن دونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی دونوں سے خود دوستی پیدا کی اور دونوں کو نصیحت کرتے رہے کہ مذہب کی اصلیت حاصل کرو صرف ظاہرداری پر نہ بھولو۔

گورونانک میں یہ خصوصیت ان کے بچپن سے موجود تھی کہ وہ باطن کو ظاہر پر ترجیح دیتے تھے۔ مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ اس ہونہار بروا کا یہ حال تھا کہ پانڈے کے پاس پڑھنے گئے تو تختی لکھتے لکھتے اس گورو جانیت کا سبق پڑھا دیا۔ اس کے بعد سنسکرت سیکھنے کے لیے ایک پنڈت کے شاگرد ہوئے تو اسے بھی علم باطن سے حصہ دے آئے۔ فارسی پڑھنے کے لیے ایک مولوی کی شاگردی کی تو اس کی توجہ بھی صورت سے ہٹا کر اصلیت کی طرف پھیر دی۔ کہا جاتا ہے کہ گورونانک جی کے والدین کو ان کی ابتدائی عمر ہی میں ان سے بار بار مایوسی ہوئی کہ جب پڑھائی میں انھیں لگایا گیا۔ اس پر انھوں نے کافی دل نہ لگایا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کے والدین ان کے کاموں کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھ کر مایوس ہوتے تھے کہ ان کا اکلوتا بیٹا کاروباری آدمی نہیں بنے گا اور دنیاوی معنوں میں کامیاب نہیں ہو سکے گا نہ بہت روپیہ کمائے گا۔ نہ اس کا سنبھالنا سیکھے گا۔ لیکن اور بہت سے مردم شناس لوگ گورونانک کے باپ کے جاننے والوں میں ایسے تھے، جو یہ پہچان رکھتے تھے کہ اس لڑکے میں بڑھنے کی نشانیاں ہیں اور کہتے تھے کہ یہ کسی دن بہت بڑا آدمی ہوگا۔ صرف بڑے آدمی کے معنی سمجھنے میں ان عزیزوں اور گورونانک کے والدین کے خیالات میں فرق تھا۔ والدین اپنے بیٹے کی دولت کی ترقی چاہتے اور دوسرے زیادہ سمجھدار دوست اخلاقی عظمت اور علم باطن کی بڑائی کے آثار ان میں دیکھتے تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گورونانک پڑھائی میں دل نہ لگانے کے سبب تعلیم سے کافی بہرہ حاصل نہ کر سکے مگر ان کے ایک فاضل سوانح نگار کی یہ رائے مجھے درست معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے تینوں استادوں سے تھوڑے عرصے میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ انکی طبیعت ذہین تھی اور حافظہ عمدہ۔ کوئی اور جو کچھ مدت کی محنت کے بعد سیکھتا وہ تھوڑے دنوں میں سیکھ لیتے تھے۔ اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ گرنتھ صاحب میں معرفت الٰہی کے جو باریک نکتے بھرے ہوئے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ گورونانک صاحب کا دائرہ علم خاصہ وسیع تھا اور انھیں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے اصولوں سے گہری واقفیت تھی اسی طرح ان کی زبان گو پنجابی تھی ان کے کلام نظم و نثر میں فارسی اور سنسکرت کے اچھے اور بڑے اور الفاظ بکثرت موجود ہیں۔

مذہبی اصولوں کے سکھانے کے لئے جو طریق گرو صاحب نے شروع سے اختیار کیا اور آخر تک نباہا۔ وہ یہ تھا کہ آسان مثالوں۔ سیدھی سادی کہانیوں اور سہل اشارات سے بڑے بڑے مسئلے لوگوں کو سمجھا دیتے تھے ان کے ایسے سبق آموز واقعات کے متعلق بے شمار روایات مشہور ہیں۔ ان میں سے دو ایک نمونے کے طور پر یہاں پیش کرتا ہوں۔ مثلاً وہ واقعہ لیجیے کہ جب گورونانک کی زنار بندی کی رسم ادا ہونے لگی۔ عزیز رشتہ دار جمع ہوئے اور برہمن کو بلایا گیا کہ وہ دھاگا جسے زنار کہتے ہیں ان کے گلے میں ڈالا جائے۔ تو نوعمر نانک جی نے برہمن سے پوچھا کہ یہ دھاگا کیوں پہنتے ہو۔ اس نے کہا بڑوں سے یہ رسم چلی آئی ہے۔ اس کے پہنے بغیر آدمی شودر شمار ہوتا ہے اور اس کے پہنتے ہی اونچی ذاتوں میں داخل ہو جاتا ہے اور دونوں جہان میں اس کا بھلا ہوتا ہے۔ یہ سنکر نوعمر گرو دانا دل لڑکا بولا۔ پنڈت جی! دھاگا اگلے جہان

کہ کسی کی بہتری کیسے کرتا ہے۔ یہ تو جسم کے ساتھ ہی رہ جاتا ہے۔ اور جو منزل روح کے لئے اس زندگی کے بعد درپیش ہوتی ہے اس میں وہ اس کے ساتھ نہیں جاتا۔ وہاں تو ہر شخص اس دھاگے کے بغیر جاتا ہے۔ مجھے وہ دھاگا دیجئے جو آنے والی زندگی میں میری روح کے ساتھ جائے۔ اس پر برہمن نے سوال کیا "تمھیں بتاؤ کہ جو دھاگا تم چاہتے ہو کیسا ہوتا ہے۔ اور کہاں سے مل سکتا ہے؟" گرو نانک نے جواب دیا "روح کے لئے جو پائدار دھاگا درکار ہے وہ زندگی میں نیک کام کرنے اچھے خیالات رکھنے اور اخلاق کی سچی پابندی سے بن سکتا ہے۔ رحم دلی کی روئی لو اس سے قناعت کا سوت کاتو۔ اس میں پاکیزگی کی گرہ لگاؤ اور سچائی سے اس دھاگے کو بل دو۔ ان نیکیوں سے تمھاری روزمرہ کی زندگی مرکب ہو تب تمھاری روح کے گرد اس دھاگے کا حلقہ ہوگا جو نہ کبھی پرانا ہوتا ہے نہ میلا۔ نہ جلتا ہے نہ کھویا جاتا ہے نہ کبھی ٹوٹتا ہے۔ جس شخص کی گردن ایسے دھاگے سے مزین ہو وہ سچ مچ برکت والا ہے پھر اسے کسی اور دھاگے کی ضرورت نہیں۔ بس مجھے اس دھاگے کی ضرورت نہیں۔ جو بازار میں سستے داموں ملتا ہے اور میلا اور پرانا ہو کر ٹوٹ جاتا ہے۔

ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

اس روایت میں جیسے ایک بڑا سبق ہندوؤں کے لئے ہے اسی طرح ایک اور روایت میں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا سبق موجود ہے۔ گرو نانک جی کے عہد کے بڑے مسلمانوں میں ایک صاحب نواب دولت خاں تھے جو ان کو بہت اچھا جانتے تھے۔ ایک قاضی صاحب نواب صاحب کی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ گرو نانک جی کی قاضی صاحب سے بحث ہوئی۔ گرو جی کہہ رہے تھے کہ ہندو ہندو نہیں رہے اور مسلمان مسلمان نہیں رہے۔ قاضی صاحب نے کہا ہندوؤں کی بابت تو ہم کہہ نہیں سکتے مگر اسلام کے کروڑوں ماننے والے اچھے مسلمان ہیں۔ گرو جی نے اپنے رفیق بھائی مردانہ سے کہا کہ ذرا رباب کو چھیڑو اور خود اس کے ساتھ ایک گیت کا نا شروع کیا جس کا مضمون

یہ ہے سچا مسلمان کہلانے کا استحقاق پیدا کرنا مشکل ہے جو مسلمان ہونے کا دعویدار ہو اسے چاہیے کہ پہلے اسلامی نیکیاں اور صفات حاصل کرے۔ اسے پہلے وہ مذہب سیکھنا چاہیے جس کا وعظ خدا کے سچے ماننے والوں نے کیا ہے۔ غرور اور طمع سے وہ اپنے آپ کو خالی کر دے۔ خدا کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کرکے عجز اور انکسار کی عادت کرے۔ پیدائش اور موت کا خوف دل سے نکال دے جو خدا کی مرضی ہو اسے خوشی سے قبول کرنے اور یہ عقیدہ رکھے کہ خدا ہی سب کچھ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ خود غرضی کے سب خیال دل سے نکال دے۔ سب انسانوں سے رحمدلی اور مہربانی کا برتاؤ کرے۔ جو شخص یہ سب کر سکے وہ درحقیقت مسلمان کہلا سکتا ہے اور بغیر اس کے نہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد گرو نانک نے بھائی مردانہ سے پھر کہا۔ ذرا رباب پھر چھیڑنا۔ اور یوں نغمہ سرا ہوئے۔

"رحم کو مسجد بنا۔ ایمان اور سچائی کی جا نماز لے انصاف کو اپنی مقدس کتاب سمجھ میٹھا چلن تمھارا روزہ ہو۔ تب تم سچے مسلمان بن سکتے ہو۔ اچھے عمل تمہارا کعبہ ہوں۔ سچ تمہارا روحانی مرشد ہو اور دوسرے کی بھلائی تمھاری نماز ہو اور نہ گھبرانے والی طبیعت تمھیں تسبیح کا کام دے۔"

کاش ہمارے ملکی بھائی اپنے وطن کے اس قابل عزت فرزند کی زندگی اور اقوال سے سبق لے کر وہ طریق اختیار کریں جس کی گرو بابا نانک نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مخاطب بنا کر دنیا بھر کو تلقین کی ہے تو جن مشکلات کا آج ہم کو سامنا ہے، وہ سب حل ہو جائیں سب جھگڑے مٹ جائیں۔ ہمارے سکھ بھائی اگر اپنے مذہب کے مقدس بانی کے نقش قدم پر چلیں تو انھیں اسلام اور ہندو دھرم دونوں سے دوستی ہونی چاہیے۔ اپنے گرو صاحب کی طرح صلح کل ان کا مسلک ہونا چاہیے۔ وحدت کی تعلیم کے لحاظ سے ان کے گرو صاحب نے ایسی برادری پیدا کی تھی جو ہندوؤں، ور مسلمانوں میں باہمی محبت کی زنجیر کی ایک کڑی تھی آج جب اس بزرگ ہستی کی پیدائش کا دن منایا جا رہا ہے، چاہیے کہ ان کی یاد کے ساتھ ان کی تعلیم کے یہ زریں الفاظ جو میں آپ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ ہم سب کے دل نشین ہو جائیں اور ہم ان پر عمل پیرا ہوں۔

ست گرو نانک صاحب

(حضرت بابا فرید گنج شکر کے نواسے اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے جانشین شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی کی چند قدیم تحریریں)

سچے خدا کا سچا ولی۔ توحید کا سمندر حقانیت کا طوطی ہزار داستان۔ پانچ دریاؤں کے ملک میں حواس خمسہ کو شیریں گفتار سے درست وحدت دینے والا ست گرو نانک صاحب۔"

سونے چاندی اور ہیرے موتی کی دھوم دھام میں جس نے غریب لوہے کو عزت کا تاج پہنایا ہر چیلے کے ہاتھ میں آہنی کڑا ڈال کر غریب پرست بنایا۔

اس کو ست گرو کیوں نہ کہیں۔ حق و صداقت کی صدا اس کے دہن سے نکل کر آج تک گونج رہی ہے۔

ست گورو کے سکھ کو دیکھو۔ کرپان ہاتھ میں رکھتا ہے نفس و شیطان کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

گرنتھ صاحب ہندوستان کی دل و جان کتاب ہم اس کے پاسبان وہ ہم سب کے لئے منیر و درخشاں۔

سری واہ گورو جی کا خالصہ۔ سری واہ گورو جی کی فتح اور ست سری اکال۔ ہندوستان کا لبند یذ نعرہ ہو اور سکھ جماعت کے گرو صاحب کی عزت تمام اقوام ہندوستان میں تسلیم کی جائے۔

زلفوں والے نانک آنکھوں والے نانک کی تعلیم بلند ہو کر، اس کی بلندی ہندوستان کے قوائے روحانی کی بلندی ہے۔

نانکی قوم میں وحدت

ست گورو نانک صاحب کی تعلیم خالص توحید کی تھی۔ اس کا ثبوت ان لوگوں کے لئے جو سکھ مذہب سے واقف نہیں ہیں آسان ہے۔ وہ سکھوں کے لباس، سکھوں کے چہرے اور سکھوں کے نام میں رنگ وحدت معمولی غور کے بعد معلوم کر سکتے ہیں۔

ہر سکھ کیس (سر کے بال، کنگھا کرو اچھوٹی چھری) کڑا (ہاتھ کا آہنی حلقہ) کچھ (جانگیا) پانچ کاف اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہے جن سے سکھ قوم کی یکتائی ثابت ہوتی ہے۔

کوئی سکھ ڈاڑھی نہیں منڈوا تا نہ کترواتا ہے۔ یہ بھی علامت وحدت کی ہے۔ کیونکہ قوم ایک شکل کی معلوم ہوتی ہے۔ کوئی سکھ تمباکو کے پاس نہیں جاتا۔ یہ نشان بھی وحدت کا ہے۔ ہر سکھ پگڑی باندھنے پر مجبور ہے۔ اس کے اندر بھی وحدت کا اثر ہے اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں سکھ قوم کی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

ہر سکھ مرد کے نام میں سنگھ کا لفظ ضرور ہوتا ہے اور سکھ عورت کے نام میں کور کا لفظ

ہونا ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں سکھ قوم کی یکجہتی کو ظاہر کرتی ہیں۔
ان کی کتاب ایک ہی ہے۔ ان کے عقائد اصولی میں بھی کچھ زیادہ کثرت نہیں ہے۔ اس لئے سکھ قوم کے بانی ست گرو نانک صاحب توحید کے سچے داعی اس ملک ہندوستان میں تھے۔

آنکھوں والے نانک

قسم ہے اس عالم فانی کے چشم حیراں کی قسم ہے سمندر کی جوش و طوفان کی۔ قسم ہے تخم ناتواں کی جو خاک میں منہ چھپا کر چند دن چلہ کرتا ہے اور پھر انگڑائی لے کر دید کائنات کے لئے آنکھ کھولتا ہے۔ قسم ہے کوئلے کی جس کی زندگانی سوختن ہے قسم ہے آگ کی جو سراپا سوز ہے۔ نانک آنکھوں والے تھے۔ ان کی دید میں ہمارے واسطے ایک شنید تھی ان کی آنکھ دیکھتی تھی۔ کہتی تھی۔ سنتی تھی وہ ایک ہی وجود سے سب کام لیتے تھے۔ اور ہماری طرح آنکھ کان۔ زبان کی کثرت کے محتاج نہ تھے۔ انھوں نے جو کہا وہی دیکھا اور جو دیکھا وہی کہا۔ ان کی نظروں میں تاثیر تقریر تھی ان کی نگاہوں سے ہوش کی تعبیر تھی۔

قرآن شریف میں خدا نے سوال کیا ہل یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے ارواح نے جواب دیا ہوگا اندھے اور دیکھنے والے میں یکساں جان ہے پھر دونوں میں فرق کہاں؟ مگر جب روحیں اس عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوئی ہوں گی تو سمجھ میں آیا ہوگا کہ بے شک اندھے اور دیکھنے والے میں بڑا فرق ہے۔

جسم کی نظر آنے والی آنکھ نقش پر کھینچنے کا کیمرہ ہے راستہ دکھانے کا وسیلہ ہے لیکن اس کی دید محدود ہے اور مفید و محدود کا ہونا نہ ہونا برابر ہے یہ ظاہر کی آنکھ والے سب اندھے ہیں آنکھ والا وہ ہے جس کی نظر مادیت کی حدود میں اسیر نہیں ہے اور جو غیر محدود و غیر محسوس کائنات تک رسائی رکھتی ہے۔

وہ آنکھ سب کو نہیں ملتی جس کو ملتی ہے وہی آنکھوں والا کہلاتا ہے۔ قسم ہے نظر کے خمار ہوش شکن کی قسم ہے نگاہوں کے تیر بے خطا کی۔ قسم ہے ان سنگینوں اور برچھیوں کی جو آنکھوں کے آس پاس پہرہ دیتی ہیں۔ نانک آنکھوں والے تھے ان کی آنکھ دیدار پار کرتی تھی ...... ان کی آنکھ ہر نامعلوم و نامحسوس ہستی کو دیکھتی اور دکھاتی ہے۔

نانک آدمی تھے اور شکل تعین میں تمام ضروریات آدمیت میں مشغول نظر آتے تھے مگر ان کی آنکھ قوائے بشری سے نرالی شان رکھتی تھی وہ ایک ہی آنکھ سے دیکھتے بھی تھے بولتے بھی تھے سنتے بھی تھے۔ اسی آنکھ سے بے شمار آنکھیں مخمور ہوتی تھیں کیونکہ ان کی آنکھ ایک آتش خانہ تھی نانک کی آنکھ جذبات شیطان کے فنا کرنے میں ایک توپ خانہ تھی وہ توپخانہ جو جرمنی کی توپوں سے زیادہ طاقت دار تھا کیونکہ اس سے دل کے قلعے فتح ہوتے تھے۔ مٹی کے قلعے نہیں۔

نانک کی آنکھ سمندر تھی جس کی تہہ میں موتی بکھر ہوئے تھے وہ جوش میں آتی تھی تو غرور و تکبر کے جہازوں کو پاش پاش کر دیتی تھی اور سکون کی شان دکھاتی تھی تو سب کے بیڑے پار لگ جاتے تھے۔

چشم نانک کرۂ شمسی تھی جس کی کشش پر نظام عالم کا قرار نظر آتا ہے۔ اس میں جادو تھا جو لوگوں کو بے خود کر دیتا تھا۔ اس میں خنکی تھی جس سے ارواح تسلی پاتی تھیں۔

نانک فطرت الٰہی کی آنکھ کے تارہ تھے۔ جس میں نور محمدی جلوہ فگن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رسول عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح غیر خدا کی پرستش سے انکار کیا اور ہر رسم جہالت کو توڑ ڈالا اور کائنات کے

ہر ذرہ کو نظر توحید سے دیکھا۔
ایسی نظریں ادب کے قابل ہیں۔ پیار کے قابل ہیں
انسان اپنی سب قوتیں ان پر نثار کردے اور
فدا ہو جائے۔
ذرا سا نانک بابا کی آنکھیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ
کہہ رہی ہیں۔

"نام حق کا ورد کرو۔ خیر خیرات کو اپنا
شعار بناؤ۔ غصہ و غضب سے دور
رہو جسم کو فانی سمجھو۔"

یہ خوب اشارے ہیں آؤ کچھ سنیں ان سے
پوچھیں کیوں بابا اچھی زندگی تارک کی ہے یا اس کی
جو دنیا میں مصروف رہ کر خدا کو یاد کرتا ہے۔

جواب ملا فرماتے ہیں۔

"خانہ داری کی زندگی کو سب پر فضیلت
ہے کیونکہ دنیادار اگر وردِ الٰہی کرے اور
راہ حق میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے
تو وہ سب سے افضل ہے۔"

کنویں کا پانی اگر نکلتا ہے تو صاف اور شیریں
رہتا ہے ورنہ خراب اور بدبودار ہو جاتا ہے
اسی طرح خیرات کرنے سے عزت اور دولت
میں ترقی ہوتی ہے۔"

"انسان کی فضیلت نیکی اور حق شناسی
سے ہے اور دنیادار کی فضیلت یہ ہے کہ
نیک چلن ہو۔ تارکان دنیا کی حفاظت و
خدمت کرے اچھی صحبت سے روحانی فیض
پائے شیریں کلامی اختیار کرے۔ جو کچھ
ہاتھ آئے بانٹ کھائے۔

سبحان اللہ! کیا لیکچر تھا کیا خطبہ تھا کیا
الفاظ تھے کیا معانی تھے دنیادار دل کو دنیا میں رہنے
کا کیا اچھا سبق دیا تھا۔

اب دریافت شروع ہوئی سب لوگ ذرا طمانیت

کا راستہ بھی پوچھ لیں۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ مال
بھی ہے۔ اولاد بھی ہے عزت بھی ہے مگر دل کو کسی طرح قرار نہیں
آتا۔ وہ ہر وقت بے کل رہتا ہے۔ کیوں دانا! ایک نگاہ
اس مسئلے پر بھی ہوگی؟ جی نہایت اداس رہتا ہے کچھ
فرمائیے کہ خاطر جمع ہو اور بے کلی سے نجات ملے۔

ارشاد ہوا:

"جو حواس ظاہری و باطنی اور قوائے
فاصلی کو لذات و محسوسات سے روک لیتے
ہیں اور دل میں نام حق کا ورد کرتے رہتے
ہیں۔ وہ سعادت دارین سے بہرہ یاب
ہوتے ہیں۔ تسلی اور تسکین انہی کو
ملتی ہے۔"

"جس طرح پانی کے ڈالنے سے آگ ٹھنڈی
ہو جاتی ہے ویسے ہی مرشد صادق کے کلام
سے نفسانی جوش و خروش فرو ہوتا ہے
اور ملک الموت کا خوف نہیں رہتا
جو لوگ حق کو پیار کرتے ہیں وہ بارگاہ حق
سے وصل پاتے ہیں اور قربت الٰہی کا
سہرا اٹھاتے ہیں۔"

ست سری اکال۔ جو فرمایا حق ہے اب بابا سے
ذرا عالم اور جاہل کا فرق بھی دریافت کر دیکھیں کہ اس
مضمون میں یہی مقصود ہے کہ آنکھ والے کی حقیقت
معلوم ہو۔

بابا پیارے! ہم کو یہ بتا کہ عالم اور جاہل میں کیا فرق
ہے؟ ارشاد ہوا:

"عالم ایک تالاب کی مانند ہے۔ جاہل
اور متعصب لوگ جو عرفان الٰہی سے بے
نصیب ہیں۔ مینڈک کی طرح کیچڑ میں پھنسے
ہوئے ہیں اور عارفان، عاشقان اس
تالاب میں کنول کے پھول ہیں، درحقیقت
خوشبو دے رہے ہیں۔"

"مینڈک کنول کے پاس ہی رہتا ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں کوس دور ہے کیونکہ کنول کی خوشبو سے بے بہرہ ہے اور بھونرا جنگل میں رہتا ہے مگر چونکہ وہ خوشبو کی لذت اور کنول رس کا شائق ہوتا ہے دور سے آکر لطف صحبت اٹھاتا ہے اور تسلی راحت پاتا ہے۔"

"جس طرح چکور چاند کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے طالبان صادق ہادی برحق کی زیارت سے سرور پاتے ہیں اندرائن کے پھل کو شیر و شکر سے بویا جائے تو بھی وہ میٹھا پھل نہیں دے گا اسی طرح سیاہ دل کور باطن کا کلام روحانی خواہ وہ آب حیات کی خاصیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو کبھی فیض نہیں پہنچا سکتا۔"

"اگر تم دلی رغبت اور محبت سے طالب ہو کر کلام حق سنوگے اور نیک اعمال میں مصروف رہوگے تو تم عالم ہو اور تم کو نجات ہے ورنہ جاہل رہوگے اور تمہارا انجام خراب ہے۔"

ارے ان باتوں کو سنکر ایک بات خوب یاد آئی آؤ ذرا وہ بھی معلوم کرلیں کہ یہ جو دنیا میں شکلوں اور صورتوں کی تعظیم ہوتی ہے اور مخلوق خدا کے دو گروہ ہوگئے ہیں ایک کہتا ہے کہ یہ بت پرستی ہے دوسرا کہتا ہے کہ یہ سب ذات خدا کی اشکال ہیں اور ہم ان صورتوں میں اسی کا جلوہ دیکھتے ہیں آؤ پوچھیں کہ ہمارا آنکھوں والا نانک اس پر کیا فرماتا ہے۔

کیوں گرو بابا اس میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا "ہم نرنکاری ہیں (یعنی بے شکل خدا کے پجاری) اور نرنکار نے ہمارے تمام بندھن کاٹ دئے ہیں۔ ہر قسم کی قیود وہمی اور باطل خیالات سے آزاد کیا۔ ہمارا ٹھاکر وہی نرنکار ہے یعنی اس کی کوئی شکل و صورت نہیں جو لوگ ساکار بنانے میں ہم ان کو راہ راست پر نہیں جانتے "بغیر شکل و صورت قائم کئے اس کی دید ناممکن ہے وہ عرش سے فرش تک ہر ذرہ میں رم رہا ہے مرشد صادق کی خدمت کروگے تو اس کی دید میسر آجائے گی"

بس بابا جان لیا۔ پہچان لیا۔ اب مانتے ہیں کوئی عذر نہیں آنکھوں والے تیری آنکھوں کے قربان جنھوں نے مولا کی راہ دکھائی اب بتا کہ ہم کیونکر ان بھٹکے ہوئے نادانوں کو سمجھائیں جو تیری پاک اور سیدھی طریقت کو اپنے نفسانی خیالات سے آلودہ کرتے ہیں اور تیرے سکھ دھرم پر جوشکھ سے بھرپور ہے طعن کی زبان کھولتے ہیں۔

تو سچا۔ تیری زبان سچی۔ تیری آنکھ سچی اور اس کی دید سچی باقی جھوٹا سب سنسار۔

زلفوں والے نانک

بے شمار کانوں نے سنا۔ لاتعداد آنکھوں نے دیکھا۔ ان گنت دلوں اور دماغوں نے سمجھا کہ حضرت گرو نانک صاحب کے عارفانہ کلام میں کیسی شیرینی ہے۔ ٹھنڈک ہے اور سرور و اطمینان ہے پنجاب کہتا ہے کہ میں پانچ دریاؤں سے سیراب ہوتا ہوں مگر دریاؤں سے زیادہ تر و تازگی اس انسان کی باتوں میں ہے جس کا نام نانک تھا اور جو ظاہر و باطن کے حواس خمسہ کو سیراب کرنے آیا تھا۔ پنجاب نہ بھول وہ تیری خشک خاک سے نمودار ہوا تھا۔

دل کی آنکھ کا نام بصیرت ہے۔ جسم کی آنکھ کو بصارت کہتے ہیں۔ بصیرت بخواب میں نگذری زلف تک میکدہ کے جام سے سرشار و مخمور ہو گئی۔ بصارت حسرت و یاس میں کھڑی دیکھتی رہی۔ آخر اس نے ناگ کی زلفوں کو اپنی پلکوں سے دراز گیسوؤں کو چوم کر پوچھا تم اس قدر لی دماغ پرکب سے ہو؟ کیوں ہو؟ زلف بولی اپنی ہستی پر غور کر میرا راز خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ پلک جھپکی اور اس نے اپنے وجود کا مطالعہ شروع کیا۔

اس نے سوچا روشن آنکھ کے کنارے مجھے کیوں کھڑا کیا گیا۔ دل نے بتایا اپنی ٹیڑھی نوکوں کو دیکھ دنیا کے گرد و غبار اور اعدائے نور کی حفاظت کے لئے تجھ کو مقرر کیا گیا ہے تجھ کو ایک بے قراری ملی ہے تاکہ تو ہر سکنڈ میں ایک بار جھپکے اور بیرونی دشمنوں کو نور چشم پر حملہ نہ کرنے دے۔

پلکوں نے زلف سے کہا۔ میرا دل تو صرف فلسفیانہ وجہ بتا سکا تو مجھے کچھ اور بتا کہ قرار نصیب ہو۔ زلف نے جواب دیا ہر چیز کی شناخت اس کی ضد اور عکس سے ہوتی ہے۔ گرمی و تپش خنکی و نمی کا پتہ بتاتی ہے۔ پیاس پانی تک لے جاتی ہے۔ کانٹا پھول کی جانب اشارہ کرتا ہے اندھیرا روشنی کی ضرورت کو نمودار کرتا ہے اس لئے قدرت نے جسم انسان کے ہر اس حصے پر جہاں ذات الہیٰ کے مخفی انوار پوشیدہ ہیں کالے بالوں کے نشان لگا دیئے ہیں تاکہ ظلمات کے سایہ میں آب حیات کی تلاش کی جائے۔

زلف و پلک کی باتوں میں نور دیدہ کو آگے بڑھنے کی فرصت ملی اور اس نے ناگ بابا کی نظروں پر اپنا وجود صدقے کر کے پوچھا ست گرو جی کالکوں کا بھید بتا۔ بابا کی لطافت نواز نگاہوں نے چشم مشتاق سے کچھ مخفی اشارے کئے جن سے وہ تڑپ گئی اور آنسوؤں کی چادر میں منہ لپیٹ کر بے ہوش ہو گئی۔

عقل و دانش کے سر پر تلواریں کھچ گئیں دربار سے والے نے کہہ کر جب وہ دوسرا ہے یہاں ادب و محبت کے دماغ رسائی پاتے ہیں اور عقل غرور کے متوالے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

تو نے نہیں سنا مسلمانوں کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اکثر لمبے بال سر پر رکھتے تھے ان کے روحانی نائب و جانشین حضرت مولیٰ علیؑ بھی گیسو دراز تھے اور خاندان نبوتؐ کے شب چراغ۔ حضرت امام حسنؑ کے شانوں پر بھی کاکلوں کی پیاری لٹیں لٹکا کرتی تھیں اور مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے روحانی پیشوا۔ بھی عموماً زلف درازی کے حامل تھے۔

دوسری طرف نظر اٹھا کر یونان میں جا اور اس کے فلسفیوں حکیموں اور ارباب روحانیت کو دیکھ اکثر زلف دراز نظر آئیں گے۔

ہندوؤں کے قدیم زمانے کے پرانے سنت خانوں کی تصویروں میں دیکھ۔ سب کے سروں پر بالوں کا جوڑا نظر آئے گا

مصر میں ہزاروں برس پہلے کی تصویروں پر نظر ڈال یہ جلوہ وہاں بھی دکھائی دے گا۔

خود اس یورپ کے بزرگوں کو سامنے لا۔ جس کی اولاد ڈاڑھی مونچھ کا صفایا حسن مردانگی تصور کرتی ہے وہ بھی اکثر لمبے بال رکھتے تھے۔

آدمی جب فطرت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کا مقابلہ نہ کر اور فطرتی بالوں کو سنبھال اور غیب کی برقی لہروں کے تار نہ کاٹ۔

اس آواز کو سن کر میں نے کہا میرا اس پر یقین ہے مگر اے پکارنے والے مجھ کو دنیا کی دلیلوں میں نہ ڈال ست گرو کی زلفوں تک کیونکر پہنچتے ہیں اس کا راستہ بتا۔ بصارت بے ہوش ہو گئی بصیرت خاموش ہو گئی عقل و خرد کے سر کاٹ ڈالے گئے۔ اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ ناگ زلف کی خوشبو کس طرح حاصل ہوتی

(اگلے صفحے)

گورو گرنتھ صاحب کا عرفان

(ترتیب و ترجمہ سردار گوربچن سنگھ صاحب طالب پروفیسر شعبۂ الٰہیات پنجابی یونیورسٹی)

آسا شیخ فرید جیو

دلوہ محبت جن سے ہی سچیا
جن من ہور مکھ ہور ہے کاڈھے کچیا
رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے
وسریا جنا نام تے بھئے کمار تھی اے
رہاؤ۔ آپ لیے لڑ لا درود ریش سے
تن دھن جنیندی مادا آئے سپھل سے
پروردگار اپار اگم بے انت تو
جنا پچھاتا سچ چماں پیر مو
تیری پناہ خدائے توں بخشندگی
شیخ فرید ے خیر دیجے بندگی

جنھیں خدا سے دلی عشق و محبت ہے وہی صادق و صدیق ہیں۔ جو دل سے اور لیکن منہ سے اور ہیں یعنی جن کا فعل و فکر یکساں نہیں وہ الٰہی راہِ خدا پر خام اور نو آزمودہ کار ہیں۔ صادق لوگ خدا کے دیدار اور عشقِ حقیقی میں رنگے ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو خدا سے بے خبر رہتے ہیں وہ زمین پر محض بوجھ ہیں۔ اصل درویش و فقیر وہ ہیں جنہوں نے خدا کا دامن تھام رکھا ہے۔ یا جن پر خداوند تعالےٰ کا فضل و کرم ہے۔ ایسی ماں قابلِ پرستش اور عزت ہے جس نے ایسے درویش کو جنم دیا۔ ایسے لوگوں کی زندگی ہی کامیاب سمجھی جاتی ہے۔ اے خداوند عالم! تو لا حدود و شمار ہے تو لا یعقل ہے اور تو نا رسا ہے۔ جنھوں نے اس حقیقت کو پہچان لیا۔ میں ان کی قدم بوسی کو عین عنایت تصور کرتا ہوں۔

اے خداوند حقیقی! میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ تو غفار ہے اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ اپنے ادنیٰ خادم فرید کو اپنی عبادت و بندگی عطا فرما

آسا شیخ فرید

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے
اہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے
آج ملاوا شیخ فرید ٹاکم کونجڑیاں
منہ مچنڈڑیاں
جے جانا مر جائیے گھم نہ آئیے

شیخ فرید صاحب فرماتے ہیں اے عزیز انسان! خدا سے دل لگا! کیوں کہ یہ جسم تو خاک کی ڈھیری ہو جائے گا اور قبر تیرا گھر بنے گی۔ آج ہی تجھے خداوند تعالےٰ سے وصال نصیب ہو سکتا ہے اگر تو اپنی خواہشات نفسانی پر قابو پا لے کیوں کہ یہی خواہشات انسان کی سفلیات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔

جھوٹی دنیا لگ نہ آپ ونجائیے
بولے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولیے
جو گر دسے واٹ مریدا جولیے
چھیل لگھندے پار گوری من دھیریا
کنچن ونے پاسے کلوت چیریا
شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا
جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیس گیا
کتک کونجاں چیت ڈو ساون بجلیاں
سیالے سوہدیاں پر گل باہڑیاں
چلے چلن ہار وچار لیے منو
گنڈھدیاں چھیہ ماہ ترٹدیاں بک کھنو
زمین پچھے آسمان فریدا کھیوٹ کن گئے
جالن گوراں نال الامے جیئہ سہے

اگر یہ معلوم ہو کہ ہمیں آخر موت سے ہم آغوش ہونا ہے اور پھر لوٹ کر دنیا میں نہیں آنا تو ہم اس جھوٹی دنیا سے دل نہ لگائیں اور اپنی قیمتی زندگی برباد نہ کریں۔

ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے جھوٹ سے دور کا بھی واسطہ نہیں چاہیئے۔ جو پیرو مرشد ہمیں صراط مستقیم بتائے اسی پر گامزن ہونا چاہیئے۔ خدا کے راستے پر چلنے والے عارف کو اس دنیا کے گہرے سمندر سے پار ہوتے دیکھ کر انسان کی روح کو تسکین و تشفی ہوتی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونے جیسا جسم آخر موت کے آرے سے چیر دیا جائے گا۔

فرید صاحب فرماتے ہیں کہ اس دارلفنا میں کوئی شخص ہمیشہ کے لئے زندہ نہیں رہا۔ جہاں ہم آج بیٹھے ہیں اس جگہ کئی لوگ پہلے قیام فرما چکے ہیں۔

کارتک مہینہ میں کھیتوں میں اکثر کونجیں آجاتی ہیں چیت ماہ میں جنگلوں میں آگ لگتی ہے اور ساون ماہ میں بادل گرجتے اور بجلی چمکتی ہے موسم سرما میں منکوحہ بیوی کی بانہیں اپنے شوہر کے گلے میں پڑی ہوئی خوب صورت دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ سب فانی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان کو آخر اس دنیا کو خیرباد کہنا ہے انھی معرض وجود میں آنے میں تو اسے چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ لیکن دنیا سے تعلق ٹوٹنے میں لمحہ بھر نہیں لگتا۔

زمین آسمان سے پوچھتی ہے کہ وہ ملاح کہاں گئے جو عام لوگوں کو دریا سے پار کرتے تھے؟ اس کا جواب ہے کہ نہ معلوم وہ کہاں گئے۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ اس وقت قبروں میں دفن ہیں لیکن ان کی ارواح کو مورد الزام گردانا جا رہا ہے۔ وہ اجسام کے اعمال اور گناہوں کے لئے ذمہ دار ٹھہرائے جا رہے ہیں۔

راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروڑوں
باولی ہوئی سو شوہ لوڑوں

میں خدا کے ہجر میں جل جل کر کف افسوس مل رہا ہوں
دیوانہ ہو کر اس شوہر حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

نے شہہ من مہ کبار دسس
مجھ اوگن سہہ نا ہی دوس
نے صاحب کی مے سار نہ جانی
جوبن کھوہیا پچھے پچھتانی
کالی کوئل تو کت گُن کالی
اپنے پریتم کی ہو برہے جالی
پیہ بہُون کتہ سکھ پائے
جا ہوئے کرپال تا پربھو ملائے

اے میرے محبوب حقیقی! تو مجھ سے ناراض و برافروختہ ہے۔ مجھ میں کوئی وصف نہیں مجھے کیسے مورد الزام گردان سکتی ہوں میں نے اپنا عالم شباب یوں ہی برباد کر دیا۔ اب افسوس کرنے سے کیا حاصل؟

کالی کوئل سے سوال کرتے ہیں تو کیوں کالی ہے؟ تیرا رنگ سیاہ کیوں ہے؟ وہ جواب دیتی ہے کہ میں تو اپنے محبوب حقیقی کے ہجر و فراق میں جل کر خاک سیاہ ہو گئی ہوں۔ میری سیاہی کی یہی وجہ ہے۔

جو اپنے محبوب حقیقی سے الگ تھلگ ہے اسے چین و سکون کہاں نصیب ہو؟ جب وہ محبوب خود رحم و کرم کرے گا تب ہی اس کا وصل نصیب ہوگا۔

ودھن کھوہی منددھا اکیلی
نہ کو ساتھی نہ کو بیلی!
واٹ ہماری کھری اُڈینی
کھنڈے اوں تکھی بہت پِی اینی
اُس اوپر ہے مارگ میرا
شیخ فریدا پنتھ سمار سویرا

موت کا کنواں نہایت خوفناک ہے اور روح انسانی تن تنہا ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں جو اسے ڈوبنے سے بچا سکے، ہمارا راستہ نہایت حیران کن ہے۔ وہ صراط المستقیم کی طرح بہت باریک اور پرخطر ہے۔

ہمیں ایسے راستے کو عبور کرنا ہے۔ اس لئے اے فرید، ایسے راستے کو حیات کی صبح کے وقت ہی یاد رکھ۔

سوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا
بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دوہیلا
ہتھ نہ لا کسنبھڑے جل جاسی ڈھولا
اک آپینے پتلی سہہ کیرے بولا
ددھا تھنی نہ آوئی پھر ہوئے نہ میلا
کہے فرید سہیلیو سہہ الائیسی
ہنس چلسی ڈُمنا
ایہہ تن ڈھیری تھیسی!

وقت پر تو اے نادان! اس دریائے دنیا کو پار کرنے کے لئے تو کشتی تیار نہ کر سکا۔ اب جب کہ اس میں طوفان امڈ آیا ہے اور اس کو تیر کر پار کرنا مشکل ہے۔ تیری کوئی بھی کوشش بے سود ہے۔

یہ دنیا کسمبے کے پھول کی طرح ہے جس میں نہ خوشبو ہے نہ خوبصورتی اس کو ہاتھ لگانے سے اے عزیز! تو خود جل جائے گا۔

پھر فرید صاحب انسانی روح سے مخاطب ہوتے ہیں کہ ایک تو تو خود کسی قسم کی صفت سے آراستہ نہیں اور دوسرے تو اس شوہر حقیقی کے سخت لفظ برداشت نہیں کر سکتی۔ تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے وہ عورت کبھی عیال دار نہیں ہو سکتی جس کو شوہر نے

ترک کر رکھا ہو۔

فرید صاحب فرماتے ہیں وہ شوہر حقیقی آپ کو بلا رہا ہے۔ تمہاری یہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی اور یہ جسم خاک کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

سلوک شیخ فرید کے

جند وہٹی مرن ور لے جاسی پرناء
آپنا ہتھی جوکے کے گل لگے دھاء
والیہ نکی پر صلات کنی نہ سنی آء
فرید اکڑی پوندیں کھڑا نہ آپ مہاء

انسان کی روح دلہن کی طرح ہے اور اجل اس کا دولہا ہے جو اسے منکوحہ بیوی بنا کر لے جائے گا۔ جب جسم اسے خود اپنے ہاتھوں موت کے حوالے کر دے گا تو بعد میں کس سے بغلگیر ہوگا یہ راستہ صراط المستقیم کی طرح ہے۔ کیا تو نے نہیں سنا۔ آئے دن روح کو اس کو پار کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ لیکن ایک تو ہے کہ کنارے پر کھڑا اپنے آپ کو غرق کر رہا ہے۔

فریدا جے جانا تل تھوڑڑے سمل کمبھری
جے جانا شہہ نڈھڑا اتا تھوڑا مان کری

اے فرید! اگر میں جانتا کہ زندگی کے لمحات بس چند ایک ہیں تو میں سوچ سمجھ کر انھیں استعمال کرتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ حیات کا دولہا کمسن ہے تو میں خود کیوں اتراتی۔

جے جانا لڑ چھجنا پیڈی پائی گنڈھ
تے جے وڈے ناہ کو سبھ جگ ڈٹھا بنڈھ

اے فرید! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھ سے میرا عقد نکاح اتنی جلدی ٹوٹ جائے گا تو میں اس کو اس قدر مضبوطی سے گانٹھ دیتی کہ یہ ٹوٹ نہ سکتی۔ میں نے تمام دنیا کو دیکھ لیا ہے تیرے جیسا شوہر مجھے نصیب نہیں ہو سکتا۔

فریدا جے تو عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
آپنڑے گریوان مہہ سر نیویں کر دیکھ

اے فرید! اگر تو عقل لطیف رکھتا ہے تو سیاہ اعمال کا مرتکب نہ بن۔ تو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ۔ تجھے اپنا جیسا سیاہ اعمال اور کوئی نہیں دکھائی دے گا۔

فریدا جو تیں مارن مکیاں تناں نہ مارے گھم
آپنڑے گھر جائیے پیر تناں دے چم

اے فرید جو تجھے زدوکوب کرنا چاہتے ہیں تو ان سے انتقام نہ لے بلکہ ان کے در دولت پر جا کر ان کی قدم بوسی کر۔ یہ علم و انکساری کی انتہا ہے

فریدا کالی جنھی نہ رادیا دھولی راوے کوئی
کر سائیں سیئوں پریت نوی رنگ نویلا ہو

اے فرید! جن لوگوں نے عالم شباب میں جب ان کے بال سیاہ تھے اس خدا کی یاد نہیں کی ان میں سے کوئی ہی پیری میں یاد کرے گا جب کہ تمام بال سفید ہو جائیں گے۔

اس لئے اے فرید! تو اس مولا سے لو لگا۔ اس طرح تجھ پر جوانی آئے گی۔ تیرا چہرہ چمک اٹھے گا۔

محلا ۳

فریدا کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چت کرے
اپنا لایا پریم نہ لگئی جے لوچے سبھ کوئے
اہ پریم پیالہ خصم کا
جے بھاوے تے دیئے

تیسرے گورو امر داس جی فرماتے ہیں اے فرید عالم شباب ہو چاہے عالم پیری وہ خداوند تعالےٰ تو تمام حال میں موجود ہے۔ اس کو کوئی یاد کرنے والا ہونا چاہیئے۔ اس کو یاد کرنے کے لئے کوئی خاص عمر یا وقت معین نہیں اور پھر محبت کی نہیں جاتی۔ یہ تو اس محبوب حقیقی کے لگائے سے لگتی ہے۔ چاہے ہر کوئی محبت کرنا چاہتا ہے۔ یہ تو خدا کی بخشش و رحمت ہے۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

⁂

فریدا جن لوئن جگ موہیا سے لوئن میں ڈٹھ
کجل ریکھ نہ سہندیا سے پنکھی سوے بہٹھ

اے فرید! جن آنکھوں نے دنیا بھر کو مسحور کر رکھا تھا وہ آنکھیں میں نے دیکھی ہیں۔

وہ آنکھیں جو سرمہ بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں آج ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں بعد مرنے کے پرندے بیٹھے بچے دے رہے ہیں۔

فریدا خاک نہ نندئی اسے خاک جیڈ نہ کوئی
جیوندیاں پیراں تلے موئیاں اُپر ہوئی

اے فرید! خاک کو برا مت کہو۔ خاک کے برابر کون ہے؟ جیتے جی تو یہ انسان کے پاؤں تلے بے شک ہوتی ہے لیکن مرنے پر یہ تمہارے اوپر ہوگی (انسان کو مرنے کے بعد سپرد خاک کر دیا جاتا ہے۔)

⁂

فریدا جا لب تا نیہہ کیا لب تا کوڑا نیہہ
کچر جھت لنگھائی اے چھپر تٹے میہہ

اے فرید! جہاں ہوس و حرص ہے وہاں محبت کہاں! اگر حرص وہوا ہے تو ایسی محبت جھوٹی ہے۔ زیادہ دیر قائم رہنے کی نہیں، جیسے اس چھپر نیچے انسان کب تک وقت گزار سکتا ہے جس پر موسلا دھار مینہ پڑ رہا ہو وہ جلد ٹوٹ جائے گا۔

⁂

فریدا جنگل جنگل کیا بھویں ون کنڈا موڑیں
وسی رب ہیالئے جنگل کیا ڈھونڈیں

اے فرید! تو خدا کی تلاش میں جنگلوں کی خاک کیوں چھانتا پھرتا ہے۔ کیوں ناحق خار دار جھاڑیوں میں سے گزرتا ان کو پاؤں تلے روندتا جاتا ہے اس سے خدا کہاں پائے گا خدا تو تیرے دل میں جاگزیں ہے۔ جنگلوں میں اسے تلاش کرنا بے سود ہے۔

⁂

چل چل گئیاں پنکھیاں جنھیں وسائے تل
فریدا سر بھریا بھی چلیسی تھکے کول اکل

بچے بعد دیگرے تمام پرندے بھی اڑ گئے اور تالابوں کو خالی کر گئے۔

اے فرید! یہ بھرے تالاب بھی آخر خشک ہو جائیں گے اور تنہائی میں کنول کے پھول بھی مرجھا جائیں گے۔

⁂

اٹھ فریدا وضو ساج صبح نواج گذار
جو سر سائیں نہ نوے سو سر کپ اتار

اے فرید! علی الصباح اٹھ کر وضو کر اور نماز ادا کر
ایسا سر جو خدا کے حضور سجدہ نہیں کرتا قلم کر دینا چاہیے۔

☸

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے ڈھاہ
اگے مول نہ آوسی دوجک سندی بھاہ

اے فرید! اپنے دل کو صاف وہموار کر اور راستے
میں آنے والے تمام گڑھوں کو مسمار کر دے۔ ایسا کرنے
سے تو دوزخ کی آگ میں نہیں جلے گا۔

☸

فریدا خالق خلق میں خلق وسے رب ماہ
مندا کس نوں آکھیے جاں تس بن کوئی ناہ
(اگورو ارجن)

اے فرید: دنیا کا خالق مطلق اپنی پیدا کی ہوئی خلقت
میں بستا ہے اور خلقت اس خداوند تعالےٰ کی آئینہ دار
ہے۔ اس لئے کس کو برا بھلا کہیں۔ تمام مخلوقات میں اس
کے بغیر بھلا اور کون موجود ہے۔

☸

فریدا برے دا بھلا کر غصہ من نہ ہنڈھائے
دیہی روگ نہ لگئی پلے سبھ کچھ پائے

اے فرید! تو بد انسان سے بھی نیکی کا برتاؤ کر۔ اس
کے لئے دل میں کسی قسم کا کینہ اور بغض نہیں رکھنا چاہیے۔
اگر تو اس طرح کرے گا تو تو کسی بھی مرض میں مبتلا نہیں
ہوگا۔ ہمیشہ تندرست رہے گا اور اپنے حصول کو پائے گا

☸

فریدا میں جانیا دکھ مجھ کو دکھ سبائیے جگ
اوچے چڑھکے دیکھیا تا گھر گھر ایہا اگ

اے فرید! میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی رنج و الم میں گرفتار
ہوں۔ لیکن یوں دکھائی پڑتا ہے تمام دنیا ہی دکھ درد سے
کراہ رہی ہے۔ جب میں نے چھت پر چڑھ کر اردگرد نگاہ دوڑائی

تو مجھے ہر گھر سے آلام ومصائب کی آگ کا دھواں اٹھتا دکھائی
دیا۔

☸

فریدا بھوم رنگاولی منجھ وسولا باگ (باغ)
جو جن پیر نواجیا تنہا انچ نہ لاگ
(اگورو ارجن)

اے فرید یہ دنیا رنگین وشاداب دکھائی دیتی ہے
لیکن اس میں خاردار بیخ واقع ہے۔ جن لوگوں پر پیر ومرشد
کی نوازش ورحمت ہے انھیں رتی بھر آنچ نہیں آتی۔ یعنی
انھیں کسی قسم کی تکلیف لاحق نہیں ہوتی۔

☸

فریدا گلیں سو سجن ویہہ اک ڈھونڈیدی نہ لہا
دھکھا جیو مالیہہ کارن تنہا ما پڑی

اے فرید! باتوں سے تو سیکڑوں دوستی کی ڈینگ مارتے
ہیں لیکن حقیقی دوست ڈھونڈنے پر بھی نصیب نہیں ہوتا۔
میں تو حقیقی دوست وغمخوار کی محبت میں گیلے اپلے
کی طرح جلتا رہتا ہوں۔

☸

فریدا تن سکا پنجر تھیا تلیاں کھوندہ کاگ
اجے سو رب نہ بہڑیو دیکھ بندے کے بھاگ

اے فرید! انسان کڑی سے کڑی ریاضت وعبادت کرتا
ہے جس سے اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے۔ اور کوّے اس
کے تلووں کو ٹھونگا مارتے ہیں۔
لیکن واہ رے بدبختی انسان کی! خدا کا وصل پھر بھی
نصیب نہیں ہوتا۔ خدا پھر بھی اس کی مدد پر نہیں آتا۔ شاید
اسے اور کڑی ریاضت درکار ہے۔

☸

کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھائیا ماس
ایہہ دو نیناں مت چھہو پر دیکھن کی آس

اے کوّے! تو نے میرا تمام جسم چن چن کر کھا لیا، میرا تمام گوشت
نوچ لیا مجھے اس کی رتی بھر پرواہ نہیں۔ کوئی بات نہیں۔

میں تو یہ التماس کرتا ہوں کہ میری ان دو آنکھوں کو مت چھونا کیونکہ اب بھی مجھے اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کی امید ہے۔

☫

کاگا چونڈ نہ پنجرا بسے تا اڈر جاہ
جت پنجرے میرا سہو وسے ماس نہ تدو کھاہ

اے کوے! میرے جسم کا گوشت نہ نوچ اگر تیرے بس کی بات ہو۔ یعنی اگر تیرے لئے یہ ممکن ہو تو از راہ کرم یہاں سے اڑ جا۔ مجھے چھوڑ جا کیوں کہ یہ جسم میرے محبوب حقیقی کا مسکن ہے اس لئے تجھے اس جسم کا گوشت نہیں نوچنا یا کھانا چاہئے۔

☫

فریدا محل نکھن رہ گئے واسا آیا تل
گوراں سے نمانیاں بہن جرو حاں مل
آکھیں شیخا بندگی چلن آج کہ کل

اے فرید! عالی شان محلات بھی آخر خالی ہو گئے ان میں رہائش رکھنے والے آخر زمین تلے جا بسے (دفن ہو گئے) وہ قبریں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں وہ آخر ارواح انسانی کا مسکن بن گئیں دنیا کا یہ حسرت ناک انجام ہے۔ اس لئے اے شیخ فرید! تو بندگی اور عبادت میں مشغول ہو کیوں کہ آخر دار الفنا سے آج یا کل کوچ کرنا ہو گا۔

☫

فریدا دریا دے کنڈھے بگلا بیٹھا کیل کرے
کیل کریندے ہنجھ نوں اچنتے باج پئے
باج پئے تس رب دے کیلاں وسریاں
جو من چت نہ چیتنی سو گالی رب کیا

اے فرید! دریائے زیست و حیات کے کنارے روح کا بگلا لہو و لعب میں مشغول ہے۔ اسی شغل میں اچانک ملک الموت کے باز آ پڑے۔
جوں ہی یہ موت کے باز سر پر آ جھپٹے روح ان کی تو تمام کھیل کود بھول گئی۔ جو بات کبھی اس کے خیال میں بھی

نہ آئی تھی وہی آخر ہوئی۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی تھا۔

☫

فریدا پاڑ پٹولا دھج کری کنبلڑی پہر یو
جنی ویسی سہو ملے سیئی ویس کریو

اے فرید! اس جامۂ جسم کو پھاڑ ڈال اور خرقۂ فقر پہن لے۔ جن اوضاع حال کو وہ محبوب حقیقی پسند کرتا ہے تو وہی اوضاع اختیار کر۔ اپنے محبوب کی رضا و تسلیم میں ہی زندگی کی راحت کا راز پوشیدہ ہے۔

محلہ ۳

کائے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہرے
نانک گھر ہی بیٹھیاں سہو ملے جے نیت راس کرے

تیسرے گورو شری گورو امر داس جی فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو کیوں ناحق اپنے کپڑے پھاڑتا ہے اور خرقۂ درویشی پہنتا ہے۔ اگر تو نیک نیت ہے تو روز مرہ زندگی میں ہی تجھے خدا کا وصل گھر میں ہی (بغیر تارک الدنیا ہوئے) نصیب ہو گا۔

محلہ ۵

فریدا گرب جنہ وڈیائیا دھن جوبن آگاہ
خالی چلے دھنی سیوں ٹبے جیوں مینہاہ

اے فرید! کبر و غرور جن کا فخر ہے اور دولت و حسن و شباب سے وہ واقف ہیں وہ آخر خالی روح اس دنیا کو خیرباد کہیں گے جیسے ٹیلے مینہہ کے پانی سے خالی رہ جاتے ہیں۔

☫

فریدا درویشی گاکھڑی چوپڑی پریت
اک ترکنے چالی ہے درویشاں دی ریت

اے فرید! درویشی اور فقیری بہت کڑی ریاضت ہے۔ ایک مشکل عبادت ہے۔ یہ کوئی ظاہرانہ نمائش کی

محبت نہیں۔ ایک ہی مشکل سے ایسا انسان ملتا ہے جو درویشوں کی زندگی بسر کرتا ہو۔ فقر کے راہ و رسم اختیار کرتا ہو۔

ؒ

تن نہ تپے تنور جیوں بالن ہڈ بلن
پیری تھکا سر چلا ہے مو پری ملن

میرا جسم تنور کے مانند جلتا ہے۔ میری ہڈیاں اس میں ایندھن کی طرح جلتی ہیں۔ ریاضت اور عبادت اس قدر کڑی اور مشکل ہے۔ جب میں پیدل چلتے چلتے تھک جاتا ہوں تو سر کے بل چلتا ہوں تاکہ مجھے وہ محبوب حقیقی کا وصل نصیب ہو۔

ؒ

تن نہ تپا تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال
سر پیری کیا پھیڑیا اندر پیری نہال (گورو نانک)

گورو نانک صاحب فرماتے ہیں اپنے جسم کو یوں تنور کی طرح نہ جلا۔ اس میں اپنی ہڈیوں کا ایندھن مت ڈال۔ سر اور پاؤں نے کیا بگاڑا ہے جو تو انھیں اذیت پہنچا رہا ہے۔ تو اس محبوب حقیقی کو اپنے دل میں دیکھ اس کے دیدار اپنے دل میں کر۔ اور محظوظ و مسرور رہو۔

ؒ

ہوں ڈھوڈیدی سجنا سجن میڈے نال
نانک الکھ نہ لکھیں اے گرمکھ دیہہ کھال

میں تو اس محبوب حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہوں لیکن وہ تو ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

گورو صاحب جی فرماتے ہیں وہ نہ دکھائی دینے والا کیسے دکھائی دے کیسے نظر آئے اس کا جواب ہے کہ گورو کے کلام ربانی کے ذریعے وہ نظر آسکتا ہے۔

ؒ

کون سو اکھر کون گن کون سو منیاں منت
کون سو ویسو ہو کری جت وس آوے کنت

سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سے الفاظ ہیں اور کون سی صفت ہیں اور کون سا سحر ہے۔ کون سا لباس ہے کون سی پوشاک ہے جس کے ذریعے میں اس شوہر حقیقی کو اپنے بس میں کر سکتی ہوں۔ کون سی وضع سے اسے مسحور کر سکتی ہوں اس کا جواب گورو نانک صاحب نے اگلے سلوک میں یوں دیا ہے :۔

نون سو اکھر کھون گن جبا منیا منت
ایہہ ترے بھینے ویس کر تاوس آوی کنت

عجز و انکساری کے سحر انگیز الفاظ ہیں۔ حلم کے اوصاف ہیں اور زبان سے اس محبوب کا منتر منظور کرنا ہے۔ اس کے ہر حکم پر لبیک کہے۔

اگر یہ تین اوصاف سے آراستہ ہو اور ایسی وضع اختیار کرے تب ہی اس محبوب الٰہی کو اپنے بس میں کر سکتا ہے اسے اپنا بنا سکتا ہے۔

ؒ

مت ہوندی ہوو ایانا
تان ہوندے ہوو نتانا
انہوندے آپ ونڈا!
کو ایسا بھگت سدا!

عقل سلیم رکھتے ہوئے بھی خود کو لاعلم سمجھے۔ طاقت و قدرت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کمزور سمجھے۔ نہ کچھ ہوتے ہوئے بھی ہر وقت اپنا آپ فدا کرنے پر آمادہ ہو۔
ایسی صفت کا عابد شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

ؒ

اک پھکا نہ گالا ہو سبھنا میں سچا دھنی
ہیو نہ کیہی ٹھاہ مانک سبھ امولویں

کسی سے پھیکا اور روکھا مت بول۔ تمام دلوں میں وہ خداوند حقیقی جاگزیں ہے۔ تو کسی کے دل کو نہ دکھا کیونکہ تمام دل بیش بہا موتی ہیں۔ کسی کے دل کو مت ٹھکرا

دل بدست آور کہ حج اکبر است

شیخ شیوخ العالمؒ

از حضرت مولانا سید محمد مبارک علوی عرف امیر خورد کرمانیؒ

امیر خورد کرمانی علیہ الرحمۃ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے اور انہوں نے اپنے پیر و مرشد اور ان کے بزرگان سلسلہ اور پیر بھائیوں کے احوال و کوائف کو "سیر الاولیاء" نامی کتاب میں قلم بند کیا ہے ذیل میں سیر الاولیاء کے اس باب کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس میں مولانا کرمانی نے شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا ذکر خیر کیا ہے۔

حسن ثانی نظامی

وہ سلطان العارفین، وہ برہان العاشقین والمحققین وہ پیشوائے اصحاب دین وہ مقتدائے ارباب یقین وہ گنج عالم عزلت وہ گنجینۂ اسرائے دولت، وہ سرور اقلیم اعظم وہ قطب اقطاب عالم یعنی شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین علی وفقراء والمساکین مسعود بن سلیمان محمد سعادت ابدی اور دولت سرمدی تک پہنچے ہوئے تھے اور علم میں اور تقوے میں اور ورع اور ترک و تجرید اور عشق و بکا اور ذوق کلام محبت و اشارات و رموزات میں بے نظیر زمانہ اور اپنے عہد دولت میں یگانہ تھے اور میدان کرامت سے اور سروران عالم سے گوئے سبقت لے گئے تھے اور یہ بادشاہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کے خلیفہ تھے۔ اور ان کی باعظمت جناب سے مجاز مطلق قرار پائے تھے۔ زہے بلند ہمتی و رفعت و درجت کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے سوائے عشق ذات باری کسی چیز کی طرف مائل نہ ہوئے اور اس عہد میں کہ ان کی ذات مبارک کے وجود سے عالم باغ ارم کی طرح آراستہ تھا اور اس جیسے شہر یعنی دہلی میں جو دنیا کا قبۃ الاسلام ہے اور

بندگان خدائے تعالے میں ایسے مشائخ تھے جو مقامات کرامت کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے اور کھلواتے تھے اور انھیں کھولتے تھے اور ایسے علماء تھے جو معانی کے نازک اور باریک نکتوں سے استنباط کرتے تھے اور متوسط درجے کے لوگ خوشحالی اور خوش آمالی میں مگن رہتے تھے۔ اس قدر کہ مخلوق کا کوئی طبقہ بھی کسی طرح اس راحت کے زمانے میں خوش خوئی اور خوش دلی کے سوا کام نہ رکھتا تھا۔ عالم حقیقت کے بادشاہ ایسے دور میں (اپنی) مرضی سے سب چیزوں کو چھوڑ کر پوری طرح دوست کی طرف رجوع ہوئے اور ایسے شہر سے علیحدگی اختیار کی اور بیابان و جنگل کو دین کے شیروں کی طرح اپنی کچھار بنایا اور نان درویشانہ اور جامہ فقیرانہ پر قناعت فرمائی۔ ہر چند کہ انھوں نے خود کو چھپایا۔ لیکن اس بادشاہ کے حسن معاملہ کے چرچے کرنین میں پہنچا دیئے گئے اور روز قیامت تک ان چرچوں کے غلغلے جیسا کہ مدارا علے میں ہیں اس جہان میں رہیں گے اور عالم ان کے نام پر اور ان کے فرزندوں کے وجود سے کہ جن میں سے ہر ایک دریائے کرامت کا موتی ہے۔ اور دودمان رحمت سے ہے

اور ان کے بندگان (درگاہ) سے جو آکھنور کے شرف الفضل سے متصل ہیں قیامت کے قائم ہونے تک روشن اور منور رہے گا۔ کسی بزرگ نے اچھا کہا ہے۔

البدر لیطلع من فرید جبینہ
والشمس تغرب فی شقائق خدہ
ملک الجمال باسرہ فکانما
حسن البریۃ کلہ من عندہ

اس کی فرید بے مثل، پیشانی سے چودھویں کا چاند طلوع ہوتا ہے۔ اور سورج اس کے رخساروں کے گلہائے لالہ میں غروب ہوتا ہے وہ سارے حسن کا بادشاہ ہے گویا کہ دنیا کے حسن کی ساری خوبیاں اسی سے ہیں۔

مثنوی

اے سرور اولیائے عالم
اے قبلۂ اصفیائے اکرم
روئے تو کہ آفتاب حسن است
پیدا شد از و ضیائے عالم

اے اولیائے عالم کے سردار اے مہربان شرفاء اصفیاء کے قبلہ (و کعبہ) تیرا چہرہ جو حسن کا آفتاب ہے۔ اسی سے دنیا کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔

ہر چند کہ یہ بے چارہ ان کے اوصاف کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا ہے۔ عقاد نہیں پاتا۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ع

بدریائے در افتادم کہ پایانش نمی بینم
اس دریا میں گرا ہوں کہ جس کا اور چھور مجھے نظر نہیں آتا۔

اس فقیر کی کیا مجال کہ اس اہل یقین کے بادشاہ کی ولایت کے اوصاف جمال بیان کرے

وصف جمال چوں توئی نیست حد بیان من
من چہ صفت کنم ترا اے تو چنانکہ ہم توئی

تمہ جیسے جمال کا وصف۔ میرے بیان کی کوئی حد نہیں۔ میں تیری کیا تعریف کروں جب کہ تو اپنی مثال آپ ہی ہے۔

اس کے سوا چارہ نہیں کہ دعا کروں اور گزر جاؤں یہ ضعیف عرض کرتا ہے رباعی۔

جہاں تا قیامت بنام تو باد
فلک با مہ و خور غلام تو باد
بکام دل و جان عشاق تو
شراب محبت ز جام تو باد

دنیا قیامت تک تیرے نام پر رہے۔ آسمان چاند سورج کے ساتھ تیرا غلام ہو۔ تیرے عاشقوں کے کام دل و جان میں محبت کی شراب تیرے جام سے پہنچتی رہے۔

پہلا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے حسب نسب کا بیان

دنیا کے صاحب دل سنیں کہ یہ اہل دین کے بادشاہ فرخ شاہ عادل کابل کے بادشاہ کے خاندان سے تھے اور جس زمانے میں مملکت دنیا کی باگ فرخ شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ سب علاقوں کے بادشاہ ان کے مطیع تھے اور مملکت کابل غزنی کی مملکت سے زیادہ تھی۔ جب حوادث روزگار سے مملکت کابل میں خلل آیا (یہ مملکت) شاہان غزنین کے ہاتھ آ گئی اور فرخ شاہ کے فرزند کابل ہی میں اپنے اسباب املاک میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ چنگیز خاں نے خروج کیا اور ملک ایران و توران کو تہہ تیغ و تاراج کر کے لشکر کو بجانب مملکت غزنین لایا۔ جب کابل پہنچا تو اس دیار کو بھی قبضہ کر کے برباد کیا اور شیخ شیوخ عالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جد بزرگوار نے کفار کی جنگ میں شہادت پائی۔ اس کے بعد جد بزرگوار شیخ شیوخ العالم قاضی شعیب تین لڑکوں اور متعلقین و خاندان و عیال کے ساتھ دبر لاہور میں تشریف

لائے اور قصبہ قسیر (قصور؟) میں اترے۔ قسور کے قاضی جو عدل و انصاف اور مروت اور مردمی میں زمانے کے قاضیوں کا فخر تھے انہوں نے پہلے سے شیخ شیوخ العالم کے خاندان کی عظمت و بزرگی کا حال سن رکھا تھا۔ جب ان بزرگوں کو دیکھا تو جو کچھ سنا تھا اس کا مشاہدہ بھی کر لیا۔ سنائی نے اچھا کہا ہے شعر

آنچہ گوش از کمال خواجہ شنید
چشم از و صد ہزار چنداں دید

کان نے جو کچھ خواجہ کے کمال کے بارے میں سنا تھا۔ آنکھ نے اس سے سو ہزار گنا زیادہ دیکھا۔

ان آنے والوں کے قدموں کو (قاضی صاحب نے) ایک سعادت جانا اور بڑی تعظیم سے پیش آئے اور خوب خاطرداریاں کیں اور بادشاہ وقت کو ان بزرگوں کی آمد کا کہ جو کمال علم و جمال حلم سے آراستہ تھے اور ان کے خاندان کی عظمت و کرامت کا حال لکھا۔ بادشاہ نے تعظیم و تکریم کے ساتھ ان بزرگوں کی خدمت میں فرمان بھیجا کہ جو خدمت دنیوی اور دینی مجھ سے چاہیں میں تیار ہوں۔ مصرع

رضائے دوست مقدم بر اختیار من است

دوست کی مرضی میرے اختیار پر مقدم ہے

اس کے بعد شیخ شیوخ العالم فریدالدین کے دادا نے فرمایا کہ ہمیں دنیا کی کوئی چیز مطلوب نہیں ہے جو ہم سے چھن چکی۔ اس کے پیچھے ہم نہیں پڑتے۔ پھر کھتوال کا عہدہ قضا جو ملتان سے نزدیک ہے شیخ شیوخ العالم کے دادا قاضی شعیب کو تفویض ہوا اور انھوں نے وہاں سکونت اختیار کی۔

حق تعالے نے ان بزرگ کے خاندان سے اس بادشاہ کو پیدا کیا یعنی شیخ شیوخ العالم فریدالحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز۔ تاکہ مملکت ہندوستان کی خلائق کی جو اندھیرے اور گناہوں میں غرق تھی دستگیری فرمائیں اور راہبر لائیں۔

دوسرا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی عزلت و گوشہ گیری اور مشغولیت حق اور ان بزرگ کے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہما العزیز کی جناب سے وابستہ ہونے کا بیان۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین طیب اللہ مضجعہ آغاز جوانی ہی سے کہ مراد پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ عبادت و محبت باری تعالے میں مشغول ہو گئے اور یک بارگی ترک کو اختیار کیا اور خویش و بیگانہ سے جدا ہو گئے شعر

ہر کسے را بجہاں خویشے و پیوندے ہست
غم تو خویش من عشق تو پیوند من است

دنیا میں ہر ایک کا کوئی عزیز ہے اور رشتے دار ہے۔ میرا عزیز تیرا غم ہے اور میرا رشتہ تیرا عشق

امیر خسرو بھی فرماتے ہیں۔

اگر تو با غم لیلیٰ سر غبت خویشی داری
چو مجنوں فرد باید شد ہم از خویش و ز بیگانہ[1]

اگر تو لیلیٰ کے غم سے لگاوٹ کا رشتہ رکھتا ہے تو مجنوں کی طرح اپنے پرائے سب سے الگ ہو جا۔

چونکہ نیت صادق تھی اور حق تعالے نے مقدر کیا تھا۔ ایک جہاں قیامت تک ان کی فرماں روائی کے زیرسایہ چین کرے گا۔ اور آخرت میں نجات ابدی پائے گا (لہٰذا) شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز (اللہ تعالے ان دونوں بزرگوں کی شفاعت ہمیں نصیب کرے) سے ملاقات کی سعادت اور دست بوسی کی دولت میسر آئی۔ جیسا کہ شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ شیوخ العالم طیب اللہ مضجعہ تعلیم میں مشغول تھے ان کی علم کوشی اور تجرید اور عبادت کی شہرت سارے عالم میں پھیل گئی تھی اور اس کے چرچے شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا نوراللہ مرقدہ و روضتہ

[1] سیرالاولیاء میں یہ مصرعہ غلط درج ہے۔ یہاں تصحیح قیاسی کی گئی ہے۔ مترجم

کے مبارک کانوں تک بھی پہنچے تھے اور شیخ الاسلام بہاء الدین کی خواہش تھی کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ملاقات کریں۔ ادھر شیخ شیوخ العالم فرید الدین تعلیم کے لئے ملتان پہنچے اور اس زمانے میں ملتان تمام عالم میں اسلام کا ایک مرکز ہوا تھا۔ بڑے بڑے علماء وہاں تشریف رکھتے تھے۔ شیخ شیوخ العالم فرید الدین ایک مسجد میں جاکر اترے ایک روز اس مسجد میں قبلہ رو بیٹھے کتاب نافع کے سبق میں مشغول تھے۔ اور اسی حال میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز اوش سے ملتان آئے اور اسی مسجد میں کہ جس میں شیخ شیوخ العالم کبیر موجود تھے تشریف لائے۔ شیخ شیوخ العالم نے شیخ قطب الدین کی پیشانی کی طرف نظر کی تو گویا دیکھا کہ بے حد تعظیم فرمائی اور بڑے ادب سے بیٹھ گئے جب شیخ الاسلام قطب الدین نے دو رکعت (نماز) تحیۃ مسجد کی ادا کرلی شیخ شیوخ العالم کی طرف دیکھا بولے کہ مسعودؒ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ عرض کی کتاب نافع۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمھیں نفع اس نافع سے ہوگا؟ شیخ شیوخ العالم نے عرض کی کہ مجھے تو نفع آپ کی کیمیا سعادت بخش سے ہوگا اور شیخ شیوخ العالم فوراً اٹھے اور شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور شیخ الاسلام قطب الدینؒ کے قدموں میں سر رکھا اور ان کی جناب سے وابستہ ہوگئے۔ اسی حال میں شیخ الاسلام بہاء الدین شیخ الاسلام قطب الدین کو دیکھنے اس حکم کے مطابق کہ القدوم یزار آنے والے کی زیارت کی جاتی ہے اسی مسجد میں کہ جہاں شیخ الاسلام قطب الدین اور شیخ شیوخ العالم فرید الدین تھے تشریف لائے۔ قدس اللہ سرہما اور باہم ملاقات کی۔ شیخ الاسلام بہاء الدین قدس اللہ سرہٗ جتنے اٹھنے وقت شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی جوتیاں خود اپنے دست مبارک سے سیدھی کیں اور یہ بزرگ مشائخ کے درمیان رواج ہے کہ اگر کسی

سے معذرت کرنی چاہتے ہیں تو اس کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ اسی وقت شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شہر دہلی کا ارادہ کرلیا شیخ شیوخ العالم فرید الدینؒ شیخ الاسلام قطب الدینؒ کے ساتھ شہر میں آئے اور شیخ قطب الدین بختیار کی بیعت کی دولت سے مشرف ہوئے قدس اللہ سرہما العزیز۔

منقول ہے کہ جس مجلس میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیارؒ کی جناب میں بیعت کی ہے۔ یہ بزرگ تشریف فرما تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ و سید نور الدین مبارک غزنویؒ و شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ و مولانا شمس ترکؒ و خواجہ محمود موئینہ دوزؒ اور دوسرے عزیز کہ عرش سے تحت الثریٰ ہر ایک کی نظر مبارک کے سامنے آئینہ تھا مرید ہونے کے بعد شیخ قطب الدینؒ کی خدمت میں شہر میں رہے اور مشغول بحق ہوئے۔ جناب سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین طیب اللہ مرقدہٗ اپنے پیر شیخ الاسلام قطب الدین کی خدمت میں دو ہفتے کے بعد جاتے۔ برخلاف شیخ بدر الدین غزنوی اور دوسرے عزیزوں کے کہ ہمیشہ حضرت کے ساتھ رہتے۔ اس بات کا خلاصہ یہ مصرع ہے کہ جو اس بارے میں سلطان المشائخ کی زبان مبارک پر آیا ہے۔ مصرع۔

بہ بودت ز درون بہ کہ درون بیرون

اندر کا باہر والا ہونا بہتر ہے یا باہر کا اندر والا ہونا؟
(یعنی دور کا اپنا بہتر ہے بہ نسبت پاس کے پرائے کے)

تیسرا نکتہ

اس بادشاہ دین شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی عمر عزیز کی ابتداء سے انتہا تک کے محامد و روش کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ شیوخ العالم

فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز شہر میں تھے۔ شیخ بدرالدین غزنوی کے وعظ میں تشریف لے گئے۔ ایک روز منبر پر انہوں نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی مدح فرمائی۔ حاضرین نہیں جانتے تھے کہ کس کی تعریف کر رہے ہیں کیونکہ شیخ شیوخ العالم کا لباس بہت پھٹا ہوا تھا۔ وعظ سے فارغ ہونے کے بعد باہر آئے تو ایک شخص نے لباس پیش کیا۔ شیخ شیوخ العالم نے اسے پہن لیا اور فوراً اتار دیا اور شیخ نجیب الدین کو دے کر فرمایا کہ میں جو ذوق اس پھٹے ہوئے جامے میں رکھتا تھا اس نئے لباس میں نہیں پاتا۔

الغرض اس کے بعد کہ شیخ الاسلام قطب الدین کی خلافت سے مخصوص ہوئے اور خلقت نے ہجوم کیا اور ان کا مقصد پوشیدہ رہنا تھا۔ شہر سے باہر تشریف لائے اور ہانسی چلے گئے۔ وہاں مقیم ہو گئے اور مجاہدہ و مشغولی ظاہر و باطن میں لگ گئے اور اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور نہیں چاہا کہ کوئی بھی مخلوق ان کے حال سے واقف ہو۔ یہاں تک کہ ایک روز مولانا نور ترک اور حالی ہوالی علماء نے ان کو تعصب سے ناصبی اور خارجی کہا۔ حالانکہ وہ اس سے پاک تھے اور تقویٰ و بزرگی کی انتہا پر تھے چنانچہ سلطان المشائخ نے ان کی بزرگی کے بارے میں بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور امیر حسن نے انھیں فوائد الفواد میں درج کیا ہے۔

الغرض یہ بزرگ (مولانا نور ترک) ہانسی پہنچے اور اگرچہ شیخ شیوخ العالم اس مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور شیخ کے کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے جیسے ہی مولانا نور ترک کی نظر شیخ شیوخ العالم کے جمال ولایت پر پڑی بے چارہ اٹھے اے مسلمانو! سخن کا پایہ کھو گیا ہے۔ اس کے بعد (بہت) تعریف کی جیسے کہ بادشاہوں کی کرتے ہیں۔ جب ہانسی میں شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی عظمت و کرامت مخلوق پر روشن ہو گئی تو یہاں سے کھتوال چلے گئے جو اس بادشاہ دین کے آبا و اجداد کا قدیم وطن تھا اور ایک مدت وہاں مشغول رہے

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جن دنوں شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز ملتان سے شہر میں آئے جب کھتوال پہنچے پوچھا کہ یہاں درویشوں میں سے کوئی ہے کہ اسے دیکھوں۔ کہا گیا کہ ایک قاضی زادے ہیں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں سے جو کھتوال کی مسجد کی پشت پر مشغول رہتے ہیں۔ شیخ جلال الدین نے شیخ شیوخ العالم فریدالدین سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ راستے میں کوئی شخص ایک انار شیخ جلال الدین کی خدمت میں لایا۔ شیخ جلال الدین اس کو ہاتھ میں لئے ہوئے شیخ شیوخ العالم فریدالدین کی خدمت میں آگئے۔ ملاقات کے بعد بیٹھ گئے۔ شیخ جلال الدین نے اس انار کے ٹکڑے کر کے کھانا شروع کیا۔ شیخ شیوخ العالم فریدالدین روزے دار تھے۔ انہوں نے افطار نہیں کیا۔ اور شیخ شیوخ العالم کا ازار (پاجامہ یا شلوار؟) پھٹا ہوا تھا اس حال اور گفتگو کے احوال میں بار بار ہوا کے جھونکے آتے اور شیخ شیوخ العالم دامن سے پاجامے کی پھٹی ہوئی جگہ کو ڈھکتے۔ شیخ جلال الدین نے بتایا کہ بخارا میں ایک درویش تھا۔ تعلیم میں مشغول۔ سات سال تک [illegible] ننگے) پاجامہ اس کے پاس نہ تھا۔ بس لنگوٹی تھی۔ اطمینان رکھو اس سے کیا ہوتا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین کی مراد اس درویش سے خود اپنی ہی ذات تھی۔ الغرض جب شیخ جلال الدین نے وہ انار کھا لیا اور شیخ فریدالدین نے افطار نہ کیا (اور) شیخ جلال الدین کھڑے ہو گئے اور تشریف لے گئے (تو) شیخ فریدالدین افسوس میں پڑ گئے کہ میں نے افطار کیوں نہ کر لیا۔ اس انار کا ایک بچا ہوا دانہ زمین پر گر گیا تھا وہ اٹھا لیا اور پگڑی کے پیچ میں اس نیت سے باندھ لیا کہ رات کو اسی سے افطار کریں۔ جب رات ہوئی تو اس سے افطار کیا۔ دل میں ایک روشنی پیدا ہو گئی۔ خیال آیا کہ زیادہ کیوں نہ کھایا۔ جب شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز

شہر میں آئے اور شیخ قطب الدین کی جناب سے وابستہ ہوئے (تو انہوں نے) فرمایا کہ مسعود وہ انار کا دانہ کہ جو مقصود تھا تمہیں پہنچ گیا۔ خاطر جمع رکھو!

الغرض جب شیخ شیوخ العالم فرید الدین کا نام و شہرت جہان میں چھا گئے اور ادنیٰ اعلیٰ نے حضرت شیخ شیوخ العالم کی خاک بوسی کے لئے پھیرے لگا دیئے اور موضع کھتوال جو ملتان کے قریب تھا ملتان کی خلقت نے رخ حضرت کی طرف کیا (تو) وہاں سے اجودھن تشریف لے آئے جو ایک گمنام مقام تھا۔ ایک روایت سے سولہ سال اور ایک روایت سے چوبیس سال عمر کے آخر تک اجودھن میں رہے اور یہ جگہ ان کے مبارک وجود سے ہندوستان اور خراسان کا قبلہ اور روز قیامت تک مسکینوں اور بے چاروں اور قوالوں اور بادشاہوں کی پناہ بن گئی۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کچھ عرصے ہانسی میں رہے۔ چونکہ علم وافر تھا۔ اس پر عمل کیا اور عمل علم سے کئی گنا بڑھ گیا اور وہاں مشہور ہو گئے تو وہاں سے رخصت ہوئے۔ کھتوال میں کہ جہاں روزگار کم تھا اور جگہ گمنام تھی مقیم ہوئے۔ چونکہ یہ جگہ ملتان سے قریب ہے۔ اس لئے چھپے نہ رہ سکے۔ اگر چاہتے کہ وہاں سے کہیں چلے جائیں اور لاہور میں کہ ویران تھا اور بہتا ہوا پانی وہاں تھا قیام فرمائیں۔ بہر کیف آخر عمر اجودھن میں گزاری۔ اس حکایت سے مقصد یہ ہے کہ خود کو چھپائے رکھا اور اشتہار کی کوشش نہ کی اور بارہا شیخ شیوخ العالم فرید الدین طیب اللہ مضجعہ کی زبان مبارک پر یہ شعر آتا۔ بیت

ہر کہ در بند نام و آوازہ است

خانہ او برون دروازہ است

(جو کوئی نام و شہرت کی فکر میں ہے اس کا ٹھکانہ ہمارے دروازہ کے باہر ہے) ۱۰

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ علی ہوا قمیرٹ (میرٹھ؟) میں تھے اور ان کی منہ بولی بیٹی ہے وہ ہانسی پہنچے اور اس زمانے میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا داؤدی روزہ تھا (داؤدی روزے میں ایک دن بیچ کر کے روزہ رکھتے ہیں، ایک دن روزہ ایک دن ناغہ مترجم) افطار کے روز شیخ علی کو مہمان کیا۔ اس اثنا میں دونوں بزرگ ہم طعام ہوئے شیخ علی کو خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا کہ شیخ شیوخ العالم ہمیشہ روزہ رکھتے۔ شیخ شیوخ العالم اپنے باطنی نور سے جان گئے۔ فوراً کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور بولے کہ جو کچھ خاصان حق کے دل میں گزر جاتا ہے اس کا لحاظ کرتا ہوں۔ ہمیشہ کا روزہ اس کے بعد اختیار فرمایا۔

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ کیا شیخ الاسلام قطب الدینؒ ہمیشہ کا روزہ رکھتے تھے۔ فرمایا کہ تحقیق نہیں ہے۔ اگر رکھتے تو شیخ شیوخ العالم فرید الدین بھی ہمیشہ کا روزہ ان کی پیروی میں رکھتے۔

ایک موقع پر جب شیخ بدر الدین غزنوی کا ذکر چھڑا تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا معاملہ اور تھا۔ انھوں نے خلقت کو چھوڑ دیا اور خشکی بیابان کو اختیار کیا یعنی اجودھن میں مقیم ہوئے اور انھوں نے فقیرانہ کھانے پر قناعت کی اور وہ چیزیں جیسے پیلو وغیرہ جو اس علاقے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود مخلوق کی آمد و رفت کی حد نہ تھی۔ گھر کا دروازہ اندازاً آدھی رات گئے کم و بیش بند ہوتا یعنی مسلسل (دروازہ) کھلا رہتا اور کھانا اور نعمت خدائے تعالیٰ کے کرم سے موجود (ہوتے) اور آنے جانے والوں کو اس میں سے حصہ ملتا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں نہ آتا کہ جس کو کچھ نہ ملتا ہو۔ عجیب روزی اور زندگانی تھی کہ بنی آدم میں سے کسی کو میسر نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص ان کی خدمت میں آتا کہ جو پہلے کبھی نہ آیا ہوتا اور دوسرا وہ موجود ہوتا جو چند سال کا آشنا ہوتا، دونوں ان کے برتاؤ میں برابر ہوتے اور دونوں پر توجہ

بچھا دی جاتی۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے سنا ہے کہ میں خادم تھا اور جو کچھ ہوتا مخدوم مجھ سے کہتے اور مجھے جس کام پر بھی وہ مامور فرماتے تنہائی میں اور سب کے سامنے ایک ہی بات کہتے۔ کبھی اکیلے میں وہ بات نہ فرماتے اور اس کام کا حکم نہ دیتے کہ جس کو سب کے سامنے نہ فرماتے ہوں۔ یعنی ظاہر و باطن میں ایک روش رکھتے تھے اور یہ عجائب روزگار سے ہے۔

اور سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا افطار اکثر شربت سے ہوتا۔ ایک پیالے میں شربت لایا جاتا اور کبھی کبھی اسمیں مویز (منقیٰ) بھی ڈال دیتے اس شربت کا آدھا حصہ بلکہ دو تہائی سب حاضرین میں جو موجود ہوتے تقسیم کیا جاتا اور جو باقی بچ جاتا خود استعمال فرماتے اور اس بچے ہوئے میں سے بھی جس شخص کو چاہتے عطا فرماتے جس کی قسمت میں بھی یہ دولت ہو۔ اس کے بعد نماز سے پہلے دو روٹیاں گھی سے چپڑ کر لاتے۔ یہ دو روٹیاں ایک سیرؔ سے کم ہوتیں۔ ایک روٹی کو ٹکڑے کر کے حاضرین میں بانٹتے اور دوسری روٹی خود نوش فرماتے اور اس خاص روٹی میں سے بھی جس شخص کو چاہتے عطا فرما دیتے۔

شام کی نماز ادا کرنے کے بعد (ذکر وغیرہ میں) مشغول ہو جاتے۔ جب شغل سے فارغ ہوتے تو اس کے بعد دسترخوان ان کے سامنے لایا جاتا اور ہر رنگ کا کھانا ہوتا۔ جب کھانا ختم ہو جاتا تو اس کے بعد کچھ نوش نہ فرماتے ماسوا دوسرے روز افطار کے وقت کے۔

اس کے بعد فرمایا ایک روز رات کو لیٹنے کے وقت میں خدمت میں حاضر تھا۔ ایک کھاٹ (چارپائی) وہاں بچھا دی گئی۔ اور وہی کملی جس پر دن کو تشریف رکھتے تھے وہی چارپائی پر ڈالی گئی۔ چنانچہ یہ کملی پائنتی تک نہ پہنچتی تھی۔ جس جگہ کہ ان کے قدم مبارک رہتے وہاں ایک کپڑے کا ٹکڑا رکھ دیا گیا کہ اگر اس ٹکڑے کو اوپر کھینچا جاتا تو وہ جگہ بستر سے خالی ہو جاتی اور ایک عصا رکھا جو شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ملا تھا وہ لایا جاتا اور چارپائی کے سرہانے رکھتے۔ شیخ شیوخ العالم اس پر تکیہ لگاتے اور استراحت فرماتے اور اس (عصا پر) ہاتھ پھیرتے اور چومتے۔

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین نور اللہ مرقدہ اکثر زنبیل کی روٹی کھاتے البتہ افطار کے وقت زنبیل کے علاوہ بھی ایک دو روٹیاں (غالباً گھر کی مترجم) ہوتیں۔ جس زمانے میں کہ خواجہ کے گھر میں دو بار زنبیل پھرتی تاکہ یاروں کو دن میں زنبیل کی روٹی ملتی رات کو خواجہ کے دسترخوان پر بیٹھتے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے لئے خادم نے ایک دانگ نمک قرض لیا۔ جب افطار کے وقت کھانا سامنے لایا گیا تو شیخ شیوخ العالم نے نور باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زیادتی کی بو آتی ہے۔ خادم نے عرض کی کہ گھر میں نمک نہیں تھا۔ قرض لیا ہے۔ فرمایا تو نے زیادتی کی نہ ہونے پر قناعت کرنا میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ یہ کھانا کھاؤں!

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے دار بقا کو سدھارنے کے قریب آخر عمر میں روزی تنگ ہو گئی تھی اس حد تک کہ رمضان کے مہینے میں میں وہاں تھا۔ تھوڑا سا کھانا لایا جاتا جو حاضرین کو کافی نہ ہوتا۔ اس زمانے میں کھانے کی کوئی چیز میں نے سیر ہو کر نہیں کھائی اور مقررہ اسباب معاش جو تھے۔ ان کو بھی دیکھا تو وہ بھی بہت حقیر تھے۔

اور (سلطان المشائخؒ) فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے اجودھن سے رخصت کیا گیا۔ شیخ شیوخ العالم نے ایک سلطانی (سکہ) مجھے خرچ کے لئے عطا فرمایا۔ اسی روز مولانا بدرالدین اسحاق نے شیخ شیوخ العالم کا فرمان مجھ تک پہنچایا کہ آج ٹھہر جاؤ کل روانہ ہونا۔ جب افطار

ملہ یہ سیر آجکل کے تقریباً ڈھائی سو گرام سے کچھ کم ہوتا تھا۔

کا وقت آیا حضرت شیخ کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا کہ جس سے افطار ہوتا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو وہی سلطانی جو مجھے خرچ کے لئے ملی تھی شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ شیخ شیوخ العالم کے صدقے میں ایک سلطانی مجھے خرچ کو ملی ہے۔ حکم ہو تا کہ اس سے کوئی چیز لے آئیں۔

شیخ شیوخ العالم اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ جیسا کہ اس حکایت کا بقیہ سلطان المشائخ کے ذکر میں نکتہ فتح فتوح کے تحت لکھا گیا ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ سے روایت فرماتے ہیں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی بیویاں کئی تھیں ان بیویوں کے خادم آتے اور کہتے کہ خواجہ آج فلاں صاحبزادے کو ایک فاقہ ہے اور فلاں صاحبزادی کو دو فاقے۔ خواجہ اسی طرح حق میں مستغرق رہتے کہ ان کی باتیں ہوا کی طرح ہوتیں یعنی ان کے کہنے کی پرواہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ان کی بیوی بھی خدمت میں آئیں اور بولیں خواجہ آج فلاں صاحبزادے بھوک کے مارے ہلاک ہوا چاہتے ہیں شیخ شیوخ العالم مشغولی سے سر اٹھاتے اور فرماتے مسعود بندہ کیا کرے اگر حق (تعالےٰ) کا حکم ہوا اور اس جہاں سے گزر جائے تو پاؤں میں رسی باندھو اور باہر پھینک آؤ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو درویش اچھا کھاتا ہے اور خوب سوتا ہے اور پھر خدا کی محبت کا دعوے کرتا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے!

منقول ہے کہ جب شیخ شیوخ العالم فرید الدین نے چاہا کہ مجاہدہ شروع کریں تو اس بارے میں شیخ قطب الدین بختیار نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں عرض کی۔ شیخ نے فرمایا کہ طے کر دو طے کا روزہ رکھو، شیخ شیوخ العالم نے طے فرمایا۔ دو تین روز تک کچھ نہ کھایا۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص کچھ روٹیاں لایا۔ شیخ شیوخ العالم سمجھے کہ یہ غیب سے ہیں ان سے افطار فرما لیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ ایک کوا کسی مردار (جانور) کی انتڑیوں کا ٹکڑا منہ میں لئے درخت پر بیٹھا ہے۔ جیسے ہی شیخ شیوخ العالم کی نظر اس پر پڑی ان کا جی اندر سے متلایا اور ابکائی آ گئی اور وہ روٹیاں جو افطار کے وقت تناول فرمائی تھیں سب باہر نکل گئیں اور ان کا پاک معدہ خالی ہو گیا۔

یہ کیفیت شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پیش کی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ مسعود! تین روز کے بعد تم نے ایک خمار (شراب ساز) کے کھانے سے افطار کیا۔ لیکن یہ تمہارے لئے باری تعالے کی عنایت حق کہ اس کھانے نے تمہارے پیٹ میں جگہ نہ پائی۔ اب جاؤ تین روز پھر طے کرو۔ اور جو کچھ غیب سے ملے اس سے افطار کرنا۔ (لہذا) تین روز اور طے کئے گئے۔ اور کچھ روز ان تک کھانے کی خوشبو نہ پہنچی۔ کمزوری بہت بڑھ گئی جب افطار کا وقت آیا تو کہیں سے کھانا نہ آیا۔ یہاں تک کہ ایک گھڑی رات گزر گئی۔ کمزوری اور بڑھی۔ اور جی بھوک کی گرمی سے جلنے لگا۔ دست مبارک زمین کی طرف بڑھایا اور چند کنکر جو زمین سے اٹھائے تھے اپنے دہن مبارک میں ڈال لئے۔ یہ کنکر ان کے دہن مبارک کی برکت سے شکر بن گئے حکیم سنائی نے اچھا کہا ہے۔

سنگ در دست تو گہر گردد
زہر در کام تو شکر گردد

پتھر تیرے ہاتھ میں موتی بن جاتے ہیں اور زہر تیرے منہ میں شکر بن جاتا ہے۔

جب یہ کرامت دیکھی تو خود سے بولے کہ کہیں یہ بھی دھوکا نہ ہو (چنانچہ) وہ کنکر جو ان کے مبارک منہ میں شکر ہو گئے تھے باہر تھوک دیئے اور پھر اسی طرح مشغول بحق ہو گئے۔ یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ کمزوری اور غالب ہو گئی۔ پھر شیخ شیوخ العالم نے چند اور کنکر زمین پر سے اٹھائے، اور منہ میں ڈال لئے۔ یہ کنکر بھی شکر

(اس ذات کے دو صفت ہیں ایک عجز دوسرا ناز ادھر سے عجز ہی عجز ہے ادھر سے ناز ہی ناز)
اس کے بعد اپنے آپ کو سر کے بل الٹا اس کنوئیں میں لٹکا دیا اور مشغول ہو گئے۔ امیر حسن نے خوب اچھا کہا ہے ؎

ہر دل کہ درد مہر تو آویختہ شد
آویختہ شد عاقبت از کنگر عشق

(جب دل میں تیری محبت پڑ جاتی ہے وہ آخر کار عشق کے کنگورے سے لٹک جاتا ہے۔

اور اس موذن سے فرمایا کہ تم طلوع صبح سے پہلے آ جانا۔ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز اسی طرح کنوئیں میں نماز معکوس میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح سے پہلے موذن صاحب آئے دیکھا کہ شیخ شیوخ العالم اسی طرح مشغول ہیں۔ عرض کی کہ مخدوم کیا حکم ہے؟ دریافت فرمایا کہ کیا صبح ہو گئی؟ موذن نے کہا قریب ہے کہ ہو جائے ارشاد فرمایا کہ اس رسی کو اوپر کھینچ لو۔ شیخ شیوخ العالم کنوئیں سے باہر آئے اور مسجد میں قبلہ رخ بیٹھ کر مشغول ہوئے ایسے ہی چالیس رات چلہ معکوس کیا اور ایسے حکم کو اس طرح بجا لائے کہ کسی دوسرے کو اس راز کا علم نہ ہوا۔ اور یہ مسجد اب بھی اوچہ میں موجود ہے۔ اور یہ متبرک مقام خلق کا حاجت روا بن گیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رشید الدین مینائی نے جو موذن تھے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرض کی میں فقیر آدمی ہوں، اور کئی لڑکیوں کا باپ میرے حق میں خواجہ کرم فرمائیں اور دعا فرمائیں تاکہ اس سے وسعت حاصل ہو۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ جاؤ ذاکری کرو۔ موذن نے کہا کہ میں نے کچھ پڑھا نہیں ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ منبر پر بیٹھنا تمہارا کام ہے اور کرم حق تعالیٰ کا (اللہ) جل وعلا نے ان پر کرم کیا اور بطور کرامت فرمایا کہ ایسے ذاکر ہے کہ ان کی تقریر دل نشین ہوتی تھی اور دولت کو مال و برکت حاصل ہو گئی۔

[illegible] شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچی۔ وہ سب کچھ میں یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز معکوس پڑھی ہے (چنانچہ) میں گیا اور پاؤں میں رسی باندھ کر خود کو ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا۔

نکتہ چہارم شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے علم و تبحر کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک عالم تھے ضیاء الدین لقب منارے کے نیچے درس دیتے تھے ان سے میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں گیا اور میں فقہ اور نحو اور دیگر علوم میں سے کچھ نہ جانتا تھا۔ بس علم مناظرہ پڑھا تھا۔ اور میں سوچتا تھا کہ اگر شیخ شیوخ العالم نے فقہ اور دیگر علوم کے بارے میں پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔ یہ اندیشہ میرے دل میں تھا یہاں تک کہ شیخ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گیا۔ میری طرف رخ کر کے بولے کہ تنقیح مناط کیا ہوتی ہے؟ میں خوش ہو گیا اور اس کا بیان شروع کیا اور نفی و اثبات جو اس بارے میں آئے ہیں۔ اطمینان سے عرض کئے۔ اس کے بعد سلطان المشائخ شیخ کے کمال کشف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے علم کی بابت بھی پوچھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرض داشت کی کہ میری تمنا ہے کہ کلام اللہ آپ کے سامنے پڑھوں۔ حکم ہوا کہ پڑھو۔ اس کے بعد بروز جمعہ یا جس روز فرصت ہوتی میں کچھ پڑھتا۔ اس طرح چھ سی پارے شیخ شیوخ العالم کے سامنے پڑھے۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھ سے فرمایا کہ الحمد پڑھو۔ میں نے پڑھی اور ولا الضالین پر پہنچا تو فرمایا کہ خدا اس طرح پڑھو

جیسے میں پڑھتا ہوں۔ ہر چند میں نے چاہا لیکن ویسے نہ ہو سکا
اس پر حضرت مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ کیا فصاحت
و بلاغت تھی۔ شیخ شیوخ العالم جس طرح
پڑھتے تھے وہ کسی کو میسر نہیں ہوتا۔
اس کے بعد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو رسول الضاد کہتے ہیں۔ اس وقت یہ الفاظ
یاد فرمائے۔

رسول الضاد ای انزل علیہ الضاد
رسول الضاد یعنی اتاری گئی جن پر ضاد

فرماتے ہیں کہ مولانا بدر الدین اسحٰق کو اور مجھے
ایک بات میں شبہ ہوا۔ جب شیخ شیوخ العالم کی
خدمت میں حاضر ہوئے تو کھڑے ہو گئے۔ ارشاد
ہوا کہ کھڑے کیوں ہو؟ عرض کی کہ ہمیں معلوم نہیں ہے
کہ شعر میں "زرک" ہے یا "ترک"۔ شیخ شیوخ العالم
نے بتایا اور مثال دی۔

استرادسترک من زرک

یعنی حفاظت کرو اپنے راز کی اپنے گریبان
کے بٹن سے بھی۔ یعنی اس سے بھی نہ کہو!
اور فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین
قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ صابر فقیر، شاکر
غنی پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ شاکر غنی سے شکر
پر کیا وعدہ ہے؟ مزید نعمت ہی، چنانچہ!

لئن شکرتم لازیدنکم
اگر تم شکر کرو گے میں تم کو اور دوں گا (الآیہ)

اور فقیر کو صبر میں بشارت کس کی ہے؟ سنگت
کی نعمت!

ان اللہ مع الصابرین
یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس مرتبے اور اس مرتبے کے درمیان دیکھ کر
فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔
اس پر قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ
سے سوال کیا کہ

وھو معکم اینما کنتم
وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو

عام ہے۔ اور

ان اللہ مع الصابرین
یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خاص۔ اس صورت میں عام اور خاص کے درمیان
فرق کیا ہے؟ جواب ارشاد ہوا کہ عام کے ساتھ معیت
ساتھ ہے یعنی بعلم دیدی وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے
اور خاص کے ساتھ معیت عنایت معیت ہے یعنی
محبت دوستی، اسے دوست رکھتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔
شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی خدمت میں
ایک شخص نے عرضداشت کی کہ سلطان غیاث الدین
تغلق کو ایک رقعہ لکھ دیجئے۔ شیخ شیوخ العالم
نے اس طرح تحریر فرمایا۔

رفعت قصتہ الی اللہ ثم الیک فان اعطیتہ
شیئاً فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور۔
وان لم تعطہ شیئاً فالمانع ھو اللہ و
انت المعذور!

(میں نے اس (شخص) کا قصہ اللہ کے سامنے پیش
کیا اور پھر تمہارے سامنے، پس اگر تم اس کو کچھ دو گے تو
دین اللہ کی ہوگی اور تمہارا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اور اگر
کچھ نہ دو گے تو روکنے والا اللہ ہوگا اور تم معذور سمجھے
جاؤ گے!)

پانچواں نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کے شیخ الاسلام معین الدین سجزی
اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہما سے بزرگی پانے کا حال
لطائف المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام معین الدین

اور فرمایا کہ۔

الصوفی یصفو بہ کل شیء ولا یکدرہ شیء

صوفی سے ہر چیز صاف ہو جاتی ہے اور وہ کسی
چیز سے میلا نہیں ہوتا۔

اور فرمایا کہ۔

شیخ الاسلام جلال الدین نور اللہ مرقدہ کا
ارشاد ہے۔

الکلام مسکر القلوب، ان اول الکلام و آخرہ
ان کان للہ تکلم والا فاسکت۔

بولنا دلوں کو غافل کرتا ہے سوائے اس بولنے کے
جس کی ابتدا اور انتہا اللہ کے لئے ہو بس اگر ایسا
ہو تو بولو ورنہ خاموش رہو۔

اور فرماتے ہیں کہ

جب فقیر نے کپڑے سیئے تو یہ سمجھے کہ
کفن سی رہا ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ

الانبیاء احیاء فی القبور

انبیاء قبروں میں زندہ ہیں

اور فرماتے ہیں شعر

لو کان ھذا العلم یدرک بالمنیٰ۔
ما کان یبقی فی البریۃ جاہل
فاجہد ولا تکسل ولا تک غافلاً
فندامۃ العقبیٰ لمن یتکاسل

اگر علم محض چاہنے سے مل جاتا تو دنیا میں کوئی بھی
جاہل نہ رہتا بس کوشش کرو اور کاہل نہ ہو، غفلت
نہ برتو کیونکہ سستی کرنے والے کو آخرت کی ندامت ملتی ہے

اور فرماتے ہیں کہ

حکایتاً عن اللہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان
اعرف فخلقت الخلق لاعرف

اور حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ میں ایک چھپا
ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سب میں نے
خلقت کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں (حدیث قدسی)

اور فرماتے ہیں

[illegible] جیسے ہو [illegible] جیسے ہو ویسے ہی
دکھ دیے جاؤ گے

اور فرماتے ہیں۔

جذبۃ من جذبات الحق خیر من عبادۃ الثقلین

اللہ کی کششوں میں سے ایک جذبہ دونوں
جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور فرماتے ہیں

قال علیہ السلام طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب
الناس۔

آنحضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوشی ہے اس
شخص کے لئے جو دوسروں کے عیوب کو چھوڑ اپنے عیب
کی طرف متوجہ ہوا۔

اور فرماتے ہیں شعر

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم وللجہال مال

ہم جبار کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم دیا ہے اور
جاہلوں کو مال۔

اور فرماتے ہیں۔

الصوفی یصفو بہ کل شیء ولا یکدرہ شیء لما ارتسم بلوح رخہ اکدار
فعلیکم بعدم الالتفات الی ابناء الملوک

صوفی وہ ہوتا ہے جس سے سب چیزیں صاف ہو جاتی
ہیں اور وہ کسی چیز سے میلا نہیں ہوتا۔ اگر تم بزرگوں
کے درجے تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ
بادشاہزادوں کی طرف بالکل التفات نہ کرو۔ رباعی

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت
[illegible] یارت زنخم بگرفت
گفتم بسر دیدہ روم بر در تو

لہ یہ مکرر ہے مترجم

لہ یہ مکرر ہے مترجم

شکم بد وبد دستیم بجرفت

کہا میرا دل حزیں بہت ۔ اس وقت اور میرے یار نازنین کے خیال سے تشویش گھیر رکھا تھا میں نے کہا اگر آنکھوں سے اور بہتے تیرے در پر جاؤں گا آنسو بہنے لگے اور میری تسکین تمام ہوئی۔

اور فرمایا کہ۔

المباحثة بين الاثنين ۔ خير من خمرا سنتين

دو کے درمیان مباحثہ دو سال (سبق) کی تکرار سے بہتر ہے۔ (شعر)

ای مدعی بدعوی چندیں مکن دلیری
یک حرف را ز معنی سہ صد جواب باشد

اے مدعی اپنے دعوے میں جرأت نہ کر ایک حرف کے معنی میں تین سو جواب ہیں۔

اور فرما فرمایا کہ۔

الآفة في التدبير والسلام في التسليم

تدبیر میں مصیبت ہے اور تسلیم میں سلامتی

اور فرمایا کہ۔

العلماء اشرف الناس والفقراء اشرف الاشراف

انسانوں میں علماء شریف ترین ہیں اور فقراء شریفوں میں شریف ترین۔

اور فرماتے ہیں۔

الفقير بين العلماء كالبدر بين كواكب السماء

فقیر علماء کے درمیان ایسا ہے جیسے آسمان کے ستاروں میں چاند۔

اور فرماتے ہیں۔

ان ارذل الناس من اشتغل بالاكل واللبس

انسانوں میں سب سے رذیل وہ ہے جو کھانے پہننے ہی میں لگا رہے۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات میں سے پانچ سو باتیں جمع کی ہیں ان میں سے چند باتیں انتخاب کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے حق کو رہو کہ سب لیتے ہیں وہ دیتا ہے (اور) جب وہ دیتا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا۔

(۲) اپنے آپ سے گذرنا حق کو پہنچنا سمجھو

(۳) جسم کو من مانی نہ کرنے دو کہ بہت مانگے گا۔

(۴) نادان کو زندہ نہ سمجھو۔ سمجھدار نظر آنے والے ناسمجھ سے بچو۔

(۵) ایسا سچ بھی نہ بولو جو جھوٹ معلوم ہو۔

(۶) جو چیز خریدی نہ جائے اس کو نہ بیچو۔

(۷) جاہ اور مال کے لئے غم نہ کھاؤ۔

(۸) ہر شخص کی روٹی نہ کھاؤ لیکن روٹی دو ہر ایک کو!

(۹) مروت کو کسی جگہ بھی نہ بھولو۔

(۱۰) بات کو محض اندازے سے نہ کہو

(۱۱) مصیبت کو لالچ کا نتیجہ سمجھو۔

(۱۲) گناہ پر شیخی نہ بگھارو

(۱۳) دل کو شیطان کا کھیل نہ بناؤ۔

(۱۴) اپنے باطن کو ظاہر سے اچھا رکھو۔

(۱۵) بناؤ سنگار میں نہ لگے رہو۔

(۱۶) اپنے آپ کو جاہ کے لئے بے قدر نہ بناؤ

(۱۷) عاجزادہ لو دونتے سے قرض مدت لو۔

(۱۸) پرانے خاندان کی حرمت کو ملحوظ رکھو۔

(۱۹) ہر روز ایک نئی دولت کے طلبگار رہو۔

(۲۰) مستور الحال لوگوں کو برا بھلا کہنے سے حتی الامکان بچو۔

(۲۱) ہنر زبان کا انجام گرانی سمجھو۔[1]

(۲۲) احسان مانو مگر کسی پر احسان نہ جتاؤ نہیں۔

(۲۳) ہر نیکی کو ایسا سمجھو جیسے وہ تمہارے ساتھ ہی کی گئی ہو۔

(۲۴) جس چیز کی برائی کی دل گواہی دے اسے فوراً چھوڑ دو۔

(۲۵) جو غلام بکنا چاہتا ہو اسے مت رکھو۔

(۲۶) نیکی کرنے کے لئے بہانے نہ ڈھونڈو۔

[1] یہ ترجمہ اٹکل سے کیا گیا ہے اصل عبارت میں کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین اور آپ کی والدہ بزرگوار قدس اللہ سرہما العزیز کی بعض کرامات

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرضداشت کی کہ ایک درخواست ہے اگر حضرت شیخ منظور فرمائیں۔ پوچھا کہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ ایک بال آپ کی مبارک داڑھی سے جدا ہو گیا ہے۔ اگر حکم ہو تو میں تعویذ کے طور پر رکھوں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا کر لو۔ میں نے اس بال کو بڑے احترام کے ساتھ لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ شہر لے آیا۔

سلطان المشائخ اس حکایت میں چشم پر آب ہو گئے اور فرمایا کہ اس ایک بال میں کیسے کیسے اثرات میں نے دیکھے۔ پھر فرمایا کہ جو دکھی اور بیمار آتا مجھ سے تعویذ مانگتا میں یہ بال دے دیتا۔ وہ دکھ جاتا رہتا۔ یہاں تک کہ میرا ایک دوست (فرید بخت) جس کا تاج الدین مینائی نام تھا اس کا چھوٹا بچہ بیمار ہوا۔ وہ میرے پاس آیا اور یہ تعویذ مانگا جس میں نے رکھا تھا۔ بہت ڈھونڈا مگر نہیں ملا۔ جب اس دوست کا چھوٹا لڑکا اس بیماری میں انتقال کر گیا تو اسی طاق میں کہ جہاں رکھا تھا۔ نظر آیا۔ یعنی چونکہ اس دوست کا بچہ جانے والا تھا یہ تعویذ غائب ہو گیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ دہلی میں ایک بزرگ تھے امیر نام۔ انہوں نے ایک مسجد بنائی اور اس مسجد کی امامت شیخ نجیب متوکل کو دی۔ ان بزرگ نے اپنی لڑکی کا بیاہ رچایا۔ اس کے جہیز میں ایک لاکھ جیتل خرچ کئے۔ ایک دفعہ بات چیت کے دوران شیخ نجیب الدین نے ان سے کہا کہ پورا دین نہ دہ ہزار ہے جس کی دو تی حق ادا لاکھ دو وقت پر غالب جاتی ہے اگر اس کا دوگنا کہ جتنا اپنی بچی کے لئے خرچ کیا ہے اللہ کے رستے میں خرچ کر دو تو ... وقت تم ایسے ہو گے۔ وہ بزرگ اس بات سے رنجیدہ ہو گئے اور امامت شیخ نجیب الدین سے لے لی۔ شیخ نجیب الدین اجودھن گئے اور شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حال عرض کیا۔ حضرت شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے تاوقتیکہ اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت نہ لے آئیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا اگر ایک امیر چلا گیا تو ایک انگیر آجائے گا۔ اسی زمانے میں انگیر نامی ایک ملک (نواب) اس علاقے میں آیا۔ اس نے اس خانوادہ کرم کی بڑی خدمت کی۔ اور اس خاندان کی خدمت گاری سے منسوب ہوا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب سلطان ناصر الدین اوچھ اور ملتان کی طرف گیا سارے لشکر نے شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کا رخ کیا۔ اور یہ حالت ہوئی کہ ہجوم سے خلقت پریشان ہو گئی۔ اس وقت شیخ شیوخ العالم کی آستین گلی کی جانب لٹکا دی گئی۔ خلقت آتی تھی اور بوسہ دیتی تھی اور چلی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ پارہ پارہ ہو گئی۔ پھر (حضرت) مسجد میں تشریف لائے مریدوں سے فرمایا کہ تم میرے اطراف ہو جاؤ تاکہ لوگ حلقے کے اندر نہ آئیں بس دور سے سلام کریں اور واپس چلے جائیں۔ مریدوں نے یہی کیا۔ تا آنکہ ایک بوڑھا فراش آیا اور مریدوں کے دائرے میں سے گزر کر شیخ کے پیروں میں گر پڑا اور شیخ کے پاؤں پکڑ کر اور کھینچ کر بوسہ دیا بولا شیخ فرید تنگ آ گئے۔ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ شیخ شیوخ العالم نے یہ سنا تو ایک نعرہ مارا اور پھر فراش کو نوازا اور بڑی معذرت کی۔

کاتب حروف نے اپنے والد سید محمد مبارک کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی لشکر میں جب سلطان ناصر الدین ہمراہ لشکر کے قریب پہنچا اور اس نے چاہا کہ اجودھن میں جائے اور شیخ

اور شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے سلطان غیاث الدین کو جس زمانے میں الغ خان کہلاتا تھا اور نائب سلطنت تھا شیخ سلطان سے کہا کہ لشکر بہت ہے اور جودھن کے راستے میں پانی نہیں ہے۔ اگر حکم ہو تو شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں جاؤں اور ہدیہ اور نذر لے جاؤں اور خداوند عالم کی جناب سے معذرت کروں۔ اور سلطان غیاث الدین کو اس زمانے میں جہانگیری اور سلطنت کی تمنا تھی۔ دل میں سوچا کہ اگر یہ چیز مجھے نصیب ہوتی ہے اور تخت سلطنت مجھے ملتا ہے تو اس بارے میں شیخ شیوخ العالم میرے لیے کچھ فرمائیں گے۔ یہ بات سوچ کر اور سلطان کے حکم کے مطابق کچھ نقد روپیہ اور چار گاؤں کا فرمان شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لایا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ اور وہ روپیہ اور چار گاؤں کا فرمان شیخ شیوخ العالم کے سامنے رکھا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ ولی عہد نے کہا کہ یہ روپیہ ہے اور یہ چار گاؤں کا کاغذ خاص آپ کے لیے ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے تبسم کیا اور فرمایا کہ نقد تو مجھے دو۔ درویشوں کے ساتھ خرچ کر لوں گا۔ اور گاؤں کے کاغذ تم خود لو کہ اس کے طالب بہت ہیں۔ اس کے بعد الغ خان کے دل کی بات (جس کا جواب) حضرت شیخ شیوخ العالم سے (چاہتا تھا) اس کے دل کو بے چین کرنے لگی۔ شیوخ العالم نے فوراً زبان مبارک سے کہا:

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافت آن نیکوی تو داد و دہش کن فریدون توئی

خوش نصیب فریدوں فرشتہ نہ تھا۔ اس کا خمیر عود و عنبر سے نہ گندھا تھا۔ اس نے جو خوبی حاصل کی داد و دہش سے حاصل کی۔ تم بھی داد و دہش کرو تو فریدوں ہو!

جیسے ہی یہ بات ولی عہد نے سنی پگڑی کی گرہ میں باندھ لی اور زمین چومی اور خوش دل ہو کر اٹھا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں ناصر الدین بادشاہ مر گیا اور مملکت ہندوستان اس کے قبضے میں رہی۔

آئی۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ شعر

سرے کہ سودہ شود بر زمین بخدمت تو
زتیغ قبول تو تا حشر تاجدار شود

آپ کی جناب میں جو سر جھکا۔ آپ کی قبولیت سے حشر تک تاجدار رہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شغل کی مدت زیادہ کی تھی اور مشغول رہتے تھے۔ اور اس طرح سر زمین پر رکھے ہوئے شغل میں مستغرق بہت رہا کرتے۔ القصہ ایسی صورت سر زمین پر رکھے ہوئے مشغول تھے اور سردی کی ہوا تھی۔ ایک پوستین لائی گئی اور جسم مبارک کو اڑھادی گئی۔ کوئی خدمت گار اس وقت موجود نہیں تھا بس اکیلا میں ہی تھا۔ اس دوران ایک شخص آیا اور بلند آواز سے سلام کیا۔ اس طرح کہ شیخ شیوخ العالم کے شغل میں حرج ہوا۔ شیخ اسی طرح سر زمین پر رکھے ہوئے تھے اور پوستین ان کے اوپر اوڑھا رکھی تھی بولے کہ یہاں کوئی ہے۔ میں نے عرض کی میں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ شخص جو آیا ہے دبلا پتلا ہے دراز قد زرد رنگ۔ میں نے اس شخص کو دیکھا تو بالکل ایسا ہی تھا جواب میں عرض کیا جی ہاں۔ اس کے بعد فرمایا کمر میں زنجیر ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ عرض کی جی ہاں پھر فرمایا کہ کان میں کچھ پہنے ہوئے ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا ایسا ہی تھا۔ عرض کی جی ہاں پہنے ہوئے ہے جیسے جیسے میں اس کو دیکھتا اور جواب دیتا۔ وہ متغیر ہوتا جاتا۔ اس دفعہ جو کہا کہ ہاں کان میں بالا ہے شیخ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ چلا جائے اس سے پیشتر کہ فضیحت ہو۔ ابھی دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنے آپ چلا گیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی شہادت کی انگلی میں درد ہونے لگا۔ کچھ علاج نہ کیا اور مشغول بحق ہو گئے۔ غیبت شغل میں ان کے جسم مبارک سے پسینہ بہنے لگا اور زہر نکل گیا۔

بیان اصل عبارت میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ مترجم

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ہم اجودھن گئے ہوئے تھے اور سرستی کے جنگل میں میرے ساتھی کو سانپ نے کاٹا۔ وہ صاحب جن کے ساتھ ہم گئے تھے انھوں نے بند باندھ دیا زہر اتر گیا اور ٹھیک ہوگیا۔ ہم اجودھن پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ دروازے بند کر دئیے گئے تھے۔ ساتھیوں نے کہا کہ فصیل پھاندتے ہیں۔ ہم گئے اور دیکھا کہ فصیل میں ہر طرف راستے بن گئے۔ الغرض ہم اوپر چڑھ گئے اور میں ڈرتا رہا انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اوپر لے گئے جب صبح ہوئی تو ہم سب شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گئے۔ سب کی انھوں نے پوچھا اور مجھ سے کچھ نہ کہا کچھ دیر بعد فرمایا کہ سانپ کا کاٹنا تو خیر! فصیل پھاندنا کہاں آیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی جاتی ہے کہ سرستی کی حدود میں سانپ کے کاٹنے کے بعد شیخ شیوخ العالم کو نور باطن سے معلوم ہوگیا اور شیخ شیوخ العالم نے جلدی کرنے کے لئے کسی کو بھیجا کہ سلطان المشائخ کو سوار کرا کے لے آئیں یہی کیا گیا ہے یعنی رتھ میں سوار کرا کے لے آئے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو کوئی بیماری لاحق ہوئی چند قدم چلنا چاہا۔ عصا لیا اور روانہ ہوئے۔ چند قدم چلنے کے بعد عصا ہاتھ میں سے پھینک دیا۔ اور پشیمانی کا اثر ان کی پیشانی مبارک پر نظر آیا۔ پوچھا گیا کیا بات ہوئی کہ خواجہ نے عصا ہاتھ میں سے پھینک دیا۔ فرمایا کہ ہم کو عتاب کیا گیا کہ ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ یوسف ہانسوی پرانے یاروں میں سے تھے ایک دفعہ وہ اودھ سے آئے۔ شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ کس کس کو دیکھا؟ بولے کہ فلاں شخص اس اس طرح مشغول ہے۔ اور فلاں اس قدر عبادت کرتا ہے شیخ شیوخ العالم کا جی چاہا کہ ان لوگوں کو دیکھیں۔ وضو کرنے کے بہانے سے اٹھے اور بہت دیر میں تشریف لائے مسجد میں اوپر نیچے سب جگہ ڈھونڈا۔ شیخ شیوخ العالم کو نہ پایا۔ بہت دیر کے بعد خود نظر آئے۔ یوسف نے پوچھا کہ حضرت خواجہ کہاں تھے۔ فرمایا کہ اس قدر اودھ والوں کی تعریف کی کہ میرا جی ان کی ملاقات کو چاہا۔ ان سے ملنے کے لیے اودھ میں تھا۔ سب کو دیکھا دکانیں کر رکھی ہیں اور بیٹھے کھٹا پکار رہے ہیں۔

منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کسی یار نے بیان کیا کہ بہاءالدین نام لڑکے کہتے ہیں کہ میں اجودھن میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا۔ جامع مسجد میں محراب کے سامنے بیٹھ گیا۔ خواجہ کی خدمت میں مجھے کسی نے جانے نہیں دیا۔ خواب میں ایک شکوف دق۔ اور کاغذ کا ایک ٹکڑا اس میں سے گرا۔ جب میں نے اس کاغذ کو کھولا تو اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ شالا کو فرید کی جانب سے سلام۔ یہ بے چارہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا اور یہ بات کہی۔

ایک یار نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ یہ کاغذ کس نے لکھا تھا؟ یا حضرت عزت کی جانب سے صادر ہوا تھا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ ہے ملہم نام۔ یہ نقش دل میں وہ لکھتا ہے۔ وہ الہام کہلاتا ہے اس شخص نے کہا شاید کاغذ بھی وہی لکھتا ہے۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس کو ملہم کہتے ہیں۔ تین چیزیں ہیں جو اسکی جانب سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دل میں کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے دوسرے ہاتف آواز دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ لکھا ہوا کاغذ ظاہر ہوتا ہے۔ اولیاء نقش کو دیکھتے ہیں۔ نقاش کو نہیں دیکھتے انبیا نقش دیکھتے ہیں اور نقاش کو بھی دیکھتے ہیں جس وقت کہ نقش ظاہر ہوا اگر دل میں نور پیدا ہو تو وہ رحمانی ہے کیونکہ وہ فرشتہ لکھتا ہے۔ اور اگر ظلمت پیدا ہو تو وہ شیطانی ہے کہ شیطان دل میں ڈالتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرشتہ بے چارہ اس ملک میں کیا دم رکھتا ہے۔ اور شیطان کیا کرتا ہے۔ جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اسی طرف سے

ظاہر ہوتا ہے۔

کاتب حروف نے اپنے چچا سید السادات سید حسین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز چاہتے تھے کہ ایک خط شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب لکھیں۔ کاغذ اور قلم دست مبارک میں لیا اور کچھ دیر سوچا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین کو کن الفاظ سے خطاب کریں خیال مبارک میں آیا کہ وہ خطاب جو ان کے لئے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے وہ لکھوں اسی وقت اپنا سر مبارک اونچا کیا آسمان کی طرف دیکھا۔ لوح محفوظ پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ لکھا ہے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا پھر اسی خطاب مکرم کو اس خط میں تحریر فرمایا۔

اولیاء میں سے کسی نے کہا ہے شعر

قلوب العارفین لھا عیون
تری مالا یراہ الناظرینا
واجنحۃ تطیر بغیر ریش
الیٰ ملکوت رب العالمینا

عارفوں کے دلوں کے لئے آنکھیں ہیں۔ جن سے وہ کچھ دیکھتے جو عام دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتا پروں کے بغیر بازوؤں سے پرواز کرتے ہیں رب العالمین کے عالم ملکوت کی طرف۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ محمد نام کے ایک یار تھے جو شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بعض اسرار سے واقف تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز مسجد میں یہ یار شیخ شیوخ العالم کے پیچھے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر کو مدہوش ہو گئے۔ شیخ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال تھا۔ پھر شیخ شیوخ العالم کی زبان پر آیا کہ اس وقت نماز میں مجھے معراج ملی تجھ کو بھی درویشوں کی نعمت میں سے حصہ مل گیا۔

اس بات پر کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ جو حال اور تحریر سلطان المشائخ پر نماز جمعہ کی تحریمہ کے بعد طاری ہوا تھا اور انتقال کے روز تک رہا تھا۔ وہ بھی یہی حال تھا جیسا کہ سلطان المشائخ کے ذکر میں سخت مرض اور موت کے تحت لکھا گیا ہے۔ معراج کی طرح تھا جو شیخ شیوخ العالم کو نماز جمعہ میں حاصل ہوئی تھی جس کا ذکر حکایت کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں مخلوق ہو کر (مرید ہونے کے بعد سر منڈا کر) شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سے دہلی آیا کمبل کا خرقہ پہنے ہوئے جو شیخ شیوخ العالم سے پایا تھا۔ جامع مسجد میں گیا۔ شرف الدین قیامی نے مجھے بلایا میں نے بیعت اور خلعت پانے کا حال انھیں سنایا۔ میرا حال سننے کے بعد شیخ شیوخ العالم کو دو دفعہ ان الفاظ سے جو مناسب نہیں تھے یاد کیا اور مجھ سے برائی کی۔ اگرچہ کہ میں جواب کی طاقت رکھتا تھا۔ مگر برداشت کیا شیخ سعدی نے خوب کہا ہے شعر۔

بخدا و بسر و پائے تو کز دوستیت
خبر از دشمن و اندیشہ دشنام نیست

خدا کی اور آپ کے سر اور قدموں کی قسم کہ آپ کی محبت کے طفیل نہ مجھے دشمن کی خبر ہے اور نہ گالی کا ڈر ہے۔

جب دوبارہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ حال سنایا۔ شیخ شیوخ العالم زار زار روئے اور میرے اس عمل پر تعریف فرمائی اور اسی غلبۂ حال میں زبان مبارک پر کچھ الفاظ آئے کہ جس سے میں سمجھا کہ شیخ شرف الدین ختم ہو گئے۔ جب میں پھر دہلی پہنچا تو شرف الدین قیامی گزر چکا تھا۔

شیخ نصیر الدین محمود سے روایت کی جاتی ہے کہ ایک شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں آیا۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کے سامنے کھانا رکھا جائے۔ اس شخص نے کہا کہ کچھ عرصے سے میں نے کھانا چھوڑ رکھا ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے

فرمایا کہ کیوں فکر زدہ ہے۔ بولا کہ میں ایک دیہات میں رہتا تھا۔ مسلمانوں پر گاؤں کے سرکشوں کی وجہ سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے میرے لڑکے اور دیگر رشتہ دار گرفتار ہو گئے۔ میرے پاس ایک عورت تھی کہ میرے دل و جان اس سے متعلق تھے وہ بھی انہی لوگوں میں گرفتار ہوئی۔ اس کی وجہ سے میرے دل کو چین نہیں ہے میں نے مرنے کی ٹھان لی ہے۔

شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ کھانا کھاؤ۔ اسی درمیان ایک آدمی منشیوں میں کا آیا۔ مقید اس کو خواجہ کے سامنے لایا گیا۔ شیخ شیوخ العالم نے کہا کہ تجھے رہائی مل جائے گی۔ لیکن اس شخص کو ایک لونڈی دے دینا اس نے ہامی بھر لی۔ یہ شخص بولا میں لونڈی کا کیا کروں گا۔ منشی کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوا۔ منشی نے کہا کہ میری رہائی تجھ کو لونڈی دینے کے ساتھ مشروط ہے کسی کو مقرر کر دیا کہ اسے زبردستی تیار کر کے گھوڑے پر بٹھا لائیں۔ جب یہ منشی اس حاکم کے پاس پہنچا جس نے قید کرایا تھا تو ملاقات ہوتے ہی اسے رہا کر دیا گیا۔ اور ایک لونڈی جو لوٹ مار میں اسے ملی تھی اس کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے دے دو۔ جب لونڈی اس کو دی گئی تو منشی نے یہ لونڈی اس شخص کو دے دی (جو بابا صاحب کے ہاں سے ساتھ آیا تھا) اس شخص نے دیکھا تو اللہ کے حکم سے وہی اس کی اپنی عورت نکلی۔ اس کا دل مطمئن ہو گیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اجودھن کی جامع مسجد میں قاضی کی طرف سے کوئی شخص خطیب مقرر تھا۔ جمعے کی نماز میں اس نے غلط پڑھا۔ کسی نے شیخ شیوخ العالم کی زبان سے تنبیہ کی۔ نماز دوبارہ پڑھو۔ ساری مخلوق نے نماز دہرائی۔

قاضی عبداللہ جو اجودھن کا قاضی تھا۔ اس نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اس قاضی عبداللہ کو قاضی محمد ابوالفضل کہتے تھے۔ بڑا لڑاکا تھا بولا کہ کچھ لوگ کام سے بھاگے ہوئے جگہ جگہ سے یہاں آ گئے ہیں۔ اس کے بعد جب شیخ شیوخ العالم گھر میں تشریف لائے تو ساتھیوں سے کہا کہ کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے اور وہ برداشت کرتا ہے لیکن اگر وہ بھی جوابی وار کرے تو جائز ہے۔ جیسے ہی یہ بات ان کی زبان مبارک پر آئی۔ قاضی عبداللہ پر فالج گرا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ قاضی عبداللہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں ایک ٹوکرا شکر کا لایا اور ایک بکری لایا اور شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پیروں میں گر پڑا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا عبداللہ اٹھارہ سال کی مدت میں ہر شخص نے تیری کوئی بات مجھ تک پہنچائی اب جو کچھ قرآن مجید کی فال نکلے اسی کے مطابق ہو گا۔ جب قرآن شریف کھولا گیا تو حضرت نوح کا (ان پر ہمارے نبی پر صلوٰۃ و سلام ہو) قصہ نکلا۔ قال یا نوح انہ لیس من اھلک ان عملٌ غیر صالح۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اس کا عمل صالح نہیں ہے

شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ یہی حکم رہے گا۔ ہرچند قاضی عبداللہ نے کوشش کی مگر بات نہ بنی اور اس کی لائی ہوئی چیزیں پھیر دی گئیں۔ قاضی نے گھر پہنچ کر انتقال کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اجودھن میں کوئی شخص شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آیا اور کان میں آہستہ سے کہا کہ دہلی میں ہم اور تم ہم سبق تھے یہاں تک کہ تم شہر میں قاضی اور مفتی ہو جاتے۔ شیخ شیوخ العالم نے یہ بات نور باطن سے دریافت اور معلوم کر لی (اور فرمایا) اے بے چارے اگر پڑھنا لڑنے کے لئے ہے تو مت پڑھو اور خلق کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر عمل کے لئے ہے تو بس اتنا کافی ہے کہ پڑھ لیں اور عمل کر لیں۔ علم شریعت عمل کے لئے پڑھا جاتا ہے خلق کو تکلیف پہنچانے کے لئے نہیں۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دہلی سے

روانہ ہوا تاکہ وہ دہلی پہنچ کر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں جا کر تائب ہو۔ دوران سفر ایک گھومتی پھرتی گانے والی کچھ دیر اس کے ساتھ رہی۔ اور اس گانے والی نے بہتیرا چاہا اور اس فکر میں رہی کہ اس شخص سے تعلق پیدا کرے یہ شخص نسبت صادق رکھتا تھا۔ اس حرام کار کی طرف ذرا متوجہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کسی منزل میں ایک ہی گاڑی میں سوار ہوئے۔ یہ گانے والی پاس آ کر بیٹھ گئی، اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ شاید اس حال میں اس شخص کا دل کسی قدر مائل ہوا اور کوئی بات کی یا ہاتھ بڑھایا اسی وقت اس شخص نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور اس شخص کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ فلاں بزرگ کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جا رہا ہے۔ پھر یہ کیا ہے؟ یہ شخص فوراً متنبہ ہو گیا غرضیکہ جب شیخ شیوخ العالم کی جناب میں پہنچا تو پہلی بات شیخ شیوخ العالم کی اس شخص سے یہی تھی کہ خدا تعالیٰ نے تجھے اس روز خوب بچایا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں سے ایک مرید تھے جن کو محمد شاہ غوری کہتے تھے بڑے سچے اور بڑے پکے معتقد مرید تھے۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آئے۔ مضطرب اور حیران۔ ارشاد ہوا کہ کیا حال ہے؟ بولے کہ میرا ایک بھائی ہے اس قدر بیمار کہ بس ایک تار رگ رہ گیا ہے۔ اس وقت کہ میں حضور میں آیا ہوں کیا تعجب ہے کہ ختم ہو چکا ہو۔ اس وجہ سے میں پریشان اور حواس باختہ ہوں۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ جو حال اس وقت تیرا ہے میں ساری عمر اسی حال میں رہا ہوں۔ لیکن کسی سے کہتا نہیں۔ پھر فرمایا جاؤ تمہارا بھائی اچھا ہو جائے گا۔ محمد شاہ جب گھر میں آئے تو دیکھا کہ بھائی بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں!

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ درویش شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خدمت میں پہنچے۔ وہ درویش بڑے بدمزاج اور بڑبولے تھے۔ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خدمت سے اٹھے تو بولے کہ ہم اتنے گھومے (پھرے) مگر کوئی درویش نہ ملا۔ شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ بیٹھو ہم تمہیں درویش دکھلاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور روانہ ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا جب جاتے ہی ہو تو چاہیے کہ بیابان کی راہ نہ جانا۔ انھوں نے شیخ شیوخ العالم کی بات کے خلاف کیا اور راستہ پکڑا۔ شیخ شیوخ العالم نے کسی کو پیچھے دوڑایا کہ دیکھیں کس راستے سے گئے ہیں۔ خبر آئی کہ بیابان کے راستے گئے ہیں۔ شیخ شیوخ العالم نے جب یہ خبر سنی تو ایسے زار زار روئے جیسے کسی کے ماتم میں روتے ہیں اس کے بعد اطلاع ملی کہ ان پانچوں کو لو لگی چار تو اسی جگہ ہلاک ہو گئے۔ ایک پانی تک پہنچ گیا اور اتنا پانی پی گیا کہ وہ بھی مر گیا۔

کاتب حروف اسی سلسلے میں عرض کرتا ہے کہ خواجہ احمد سیوستانی شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پرانے مریدوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ شیوخ العالم کے وضو اور غسل کے لئے پانی لایا کرتا تھا ایک روز میری کمر میں درد ہونے لگا۔ پانی لانے کے لئے مجھے طلب کیا گیا تو عرض کیا کہ میری کمر میں درد ہو رہا ہے مشک نہیں لا سکتا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شفقت کے ساتھ مجھے پاس بلایا، ارشاد ہوا کہ کمر جھکاؤ۔ میں نے ادب سے کمر جھکائی۔ شیخ شیوخ العالم نے اپنا دست مبارک میری کمر پر پھیرا اور فرمایا کہ جاؤ پانی لاؤ۔ اس وقت سے کہ جوانی کے دن تھے آج تک کہ سو سال ہوا چاہتے ہیں کبھی میری کمر میں درد نہیں ہوا۔ اور پانی کی مشکیں بہت

لاتا ہوں۔

یہی خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم نے مجھے اپنے جامہ ہائے مبارک دھونے کا حکم فرمایا۔ میں ان کپڑوں کو پانی کے کنارے لے گیا اور دھونے کے بعد شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لایا ارشاد ہوا کہ جاؤ ایک دفعہ اور دھو ڈالو۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس حکم میں کچھ مصلحت ہوگی اور مجھ سے کچھ چوک کپڑے دھونے میں ہوگئی ہوگی۔ سوچا تو یاد آیا کہ میں نے پہلے کپڑے دھوئے اور پھر وضو کیا۔ ادب تو یہ تھا کہ پہلے وضو کرتا اور پھر کپڑے دھوتا۔ اس دفعہ پہلے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کپڑے پوری احتیاط کے ساتھ دھوئے اور شیخ شیوخ العالم کی جناب میں لے گیا۔ اس دفعہ بھی شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور دھوؤ۔ اس بار میری حیرت اور بڑھ گئی اگرچہ جو احتیاط کپڑے دھونے میں ہونی چاہئے میں نے ملحوظ رکھی تھی۔ تاہم چونکہ شیخ کبیر کا فرمان اسی طرح تھا تو یقیناً اس بار بھی کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ سوچا تو یاد آیا کہ اس دفعہ کپڑے دھونے اور سوکھنے کے لئے ایک درخت کی ٹہنیوں پر پھیلا دیئے اور ان ٹہنیوں کے اوپر دوسری ٹہنیاں بھی تھیں اور پرندے ان پر بیٹھے تھے ہو سکتا ہے کہ ان پرندوں سے کچھ غلیظ ہو کر ان کپڑوں پر گرا ہو۔ (چنانچہ) اب کے جو دھویا تو سوکھنے کے لئے صحرا میں پھیلایا جب اس دفعہ شیخ کی خدمت میں لے گیا تو قبول فرمایا۔ کاتب حروف نے بھی ان خواجہ احمد کو دیکھا ہے اور انکی قدم بوسی کا شرف اسے ملا ہے۔ اور سلطان تغلق کے عہد میں اجودھن سے غیاث پور تشریف لے آئے تھے اور مدت تک سلطان المشائخ کے پاس رہے تھے۔ بہت بوڑھے تھے عمر سو سال کے قریب تھی۔ مگر قامت مبارک میں ذرا بھی خم پیدا نہ ہوا تھا۔ اور انہی ایام میں کاتب حروف کے والد سید مبارک محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ احمد کو اپنے گھر میں بلایا اور میرا بھائی امیر داؤد جو چھ مہینے کا تھا۔ وہ کچھ بیمار تھا اور کئی روز سے دودھ نہ پیا تھا۔ جب اس کو ان بزرگ کے سامنے لایا گیا اور اسکی بیماری کی کیفیت بیان کی گئی کہ دودھ نہیں لیتا تو ان بزرگ نے اپنی مبارک انگلی اپنے لعاب (دہن) میں تر کی اور میرے بھائی امیر داؤد کے ہونٹوں سے مل۔ فوراً ہونٹ چلانے لگا۔ خواجہ احمد نے دایہ سے کہا کہ دودھ دو! جب دایہ نے دودھ کی جگہ اس کے منہ میں دی تو چوسنے لگا اور جی بھر کے پیا۔

ساتواں نکتہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی والدہ ماجدہ کی کرامات کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر کی والدہ بہت بزرگ تھیں۔ ایک دفعہ رات کو چور گھر میں آگیا۔ گھر والے سوتے تھے۔ شیخ شیوخ العالم کی والدہ جاگ رہی تھیں اور عبادت میں مشغول تھیں۔ جب چور اندر آیا تو اندھا ہوگیا۔ پکار کر بولا کہ اگر اس گھر میں کوئی مرد ہے تو میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر عورت ہے تو میری ماں بہن ہے۔ جو بھی ہے۔ میں اس کی ہیبت سے اندھا ہوگیا ہوں۔ وہ دعا کرے کہ مجھے پھر دکھائی دینے لگے اور میں توبہ کرتا ہوں۔

شیخ کبیر کی والدہ نے دعا فرمائی اور اس کو دکھائی دینے لگا۔ اور وہ چلا گیا۔ شیخ شیوخ العالم کی والدہ نے یہ واقعہ کسی کے سامنے بیان نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص کو دیکھا کہ دہی کا مٹکا سر پر رکھے آیا ہے اور اس کے گھر والے اس کے ساتھ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ بولا کہ میں آج رات کو چوری کے لئے اس گھر میں آیا تھا۔ ایک بزرگ خاتون یہاں جاگتی تھیں۔ ان کی

ہیبت سے میں اندھا ہو گیا اور پھر آپ کی دعا سے میں نے آنکھیں پائیں اور میں نے عہد کر لیا کہ اس کے بعد پھر چوری نہ کروں گا۔ اب اپنے گھر والوں کے ساتھ آیا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں۔ الغرض ان ولیہ کی برکت سے سب مسلمان ہو گئے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ شیوخ العالم نے اجودھن میں قیام فرمایا تو شیخ نجیب الدین متوکل کو بھیجا کہ والدہ کو لے آئیں۔ شیخ نجیب الدین متوکل والدہ ماجدہ کو وہاں سے لے کر چلے اور راستے میں ایک درخت کے نیچے لا کر اتارا۔ اس دوران پانی کی ضرورت پڑی۔ شیخ نجیب الدین پانی لینے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو والدہ کو نہ دیکھا اور اس سے حیران و پریشان ہوئے اور دائیں بائیں دوڑے (بھاگے) اور ڈھونڈا بھالا مگر والدہ کا کوئی نشان نہ پایا۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ کھانا پکایا جائے اور صدقہ دیا جاتا ہے دیا جائے۔ مدت بعد شیخ نجیب الدین کا ان حدود میں گزر ہوا۔ جب اس درخت کے نیچے پہنچے تو دل میں خیال آیا کہ اس جگہ کے دائیں بائیں جانا چاہیے شاید کہ والدہ کا کچھ نشان ملے۔ چنانچہ یہی کیا۔ انسانی ہڈیوں میں سے کچھ ہڈیاں ان کو ملیں۔ اپنے آپ سے بولے کہ ہو سکتا ہے کہ ہماری والدہ کی ہڈیاں ہوں کسی شیر اور درندے نے ہلاک کر دیا ہو گا ان ہڈیوں کو جمع کر کے ایک تھیلی میں ڈالا اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی خدمت میں لائے اور سارا قصہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تھیلی میرے پاس لاؤ۔ جب تھیلی لائی گئی اور الٹی گئی تو ایک ہڈی بھی اس میں سے نہ نکلی۔ سلطان المشائخ اس بات پر چشم پر آب ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تیرنگی روزگار ہے۔

آٹھواں نکتہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز کے مرض اور دارِ فنا سے دارالبقا کی طرف رحلت کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین کو غلبہ کی بیماری ہوئی اور اس بیماری میں رحلت فرمائی۔

سلطان المشائخ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ انتقال کے وقت حاضر تھے؟ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا نہیں شوال کے مہینے میں مجھے دہلی روانہ کر دیا تھا اور ان کا انتقال محرم کی پانچویں کو ہوا۔ رخصت کے وقت مجھے یاد کیا تھا اور فرمایا تھا وہ تو دہلی میں ہے۔ یہ بات بھی فرمائی کہ شیخ قطب الدین کی رحلت کے وقت میں بھی حاضر نہیں تھا ہانسی میں تھا۔

سلطان المشائخ یہ کا بہت بیان فرماتے تھے اور روتے تھے۔ اس قدر کہ سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔ فرمایا کہ محرم کی پانچویں شب شیخ شیوخ العالم پر بیماری کا غلبہ ہوا۔ رات کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہو گئے۔ ایک گھڑی گزری۔ پھر ہشیار ہوئے پوچھا کہ رات کی نماز میں نے پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ جی ہاں۔ بولے کہ ایک دفعہ اور پڑھ لوں کون جانتا ہے کہ کیا ہو۔ دوسری بار نماز ادا کی اور پھر غشی ہو گئی اس دفعہ بے ہوشی زیادہ رہی۔ پھر ہشیار ہوئے اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو دفعہ ادا کی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایک بار اور ادا کر لوں کون جانتا ہے کہ کیا ہو۔ چنانچہ تیسری دفعہ بھی ادا کی۔ اور اس کے بعد رحمت حق سے جا ملے۔

کاتب حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ جب شیخ شیوخ العالم رحمت حق سے پیوست ہوئے۔ اور مقام حق میں قرار پایا (تو انھیں) غسل دیا گیا اور ایک چادر مانگی گئی تاکہ اسے شیخ شیوخ العالم کے جنازے پر ڈالیں۔ اس غلام کے والد فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں یعنی سید محمد کرمانی کاتب حروف کے دادا جلدی سے گھر میں آئے اور والدگی والدہ سے جو کاتب حروف کی دادی تھیں ایک چادر مانگی۔ (انھوں نے) ایک نئی سفید چادر سید محمد کرمانی کو دی اور وہ چادر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جنازے پر ڈالی گئی۔ اور شیخ شیوخ لعالم کے سب فرزندوں کی رائے یہ تھی کہ اجودھن کی فصیل سے باہر اس جگہ کہ جہاں شہداء آرام فرما رہے ہیں دفن کیا جائے۔ اس ارادے سے فصیل کے باہر لائے اس دوران خواجہ نظام الدین کہ جو شیخ شیوخ العالم کے چہیتے صاحبزادے تھے پہنچے اور وہ ملازم تھے سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ دہلی میں تھے۔ شیخ شیوخ العالم کو خواب میں دیکھا کہ اپنے پاس بلاتے ہیں۔ خواجہ نظام الدین نے چھٹی لی اور اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ جس رات کو شیخ شیوخ العالم کا انتقال ہوا، اجودھن پہنچ گئے تھے لیکن فصیل کے دروازے بند تھے۔ وہ رات کو فصیل سے باہر رہے، اور جس رات کو شیخ شیوخ العالم نے رحلت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ نظام الدین آگئے ہیں مگر کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو شہر میں داخل ہونے کے ارادے سے دروازے کے قریب پہنچے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کا جنازہ باہر لایا گیا۔ الغرض اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ کہاں دفن کر رہے ہو۔ کہ فصیل سے باہر ان شہیدوں کے قریب کہ شیخ شیوخ العالم جہاں اکثر مشغول (بحق) رہا کرتے تھے۔ اور جگہ پر فضا ہے۔

خواجہ نظام الدین نے کہا کہ اگر تم شیخ شیوخ العالم کو فصیل سے باہر دفن کرو گے تو تمہارا کوئی خیال نہیں کرے گا جو بھی شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے لئے آئے گا وہ باہر ہی سے زیارت کرے گا اور چلا جائے گا۔

اس کے بعد جنازے کو پھیرا گیا اور ان شاہزادے کی رائے کے مطابق پھر فصیل کے اندر لائے اور اس جگہ کہ جہاں اب دفن ہیں۔ دفن کیا گیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ایک حجرہ مسکینوں کے لئے جو باہر سے پانی اور لکڑی لاتے ہیں اینٹوں کا بنا دوں؟ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ سات سال کا عرصہ ہو گیا کہ مسعود بندے نے نیت کی ہے کہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھے گا۔ القصہ اس شخص نے اولاد شیخ کو آمادہ کیا کہ حجرہ تعمیر کر دیا جائے۔ اور یہ ہو گیا لیکن شیخ شیوخ العالم کے انتقال کے بعد اس حجرے کو توڑ گیا اور روضہ متبرکہ شیخ شیوخ العالم اس جگہ بنا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم کی لحد کے لئے کچی اینٹوں کی ضرورت تھی۔ چونکہ موجود نہ تھیں اس لئے شیخ شیوخ العالم کے گھر سے کہ جو کچی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے سے اینٹیں نکالی گئیں تاکہ لحد میں لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد میں خوشبو پھیلائے اور ان کے پاک قبرستان کو آرام گاہ بنائے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت شیخ الشیوخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر ۵۶۹ھ پانچ سو انہتر میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت کی وفات چھ سو چونسٹھ میں ہوئی اور حضرت کی عمر پچانوے سال ہوئی واللہ اعلم اور حضرت گنج شکر حضرت خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہما العزیز کی جناب میں پانچ سو چوراسی ۵۸۴ میں مرید ہوئے۔ اور مرید ہونے کے اسی سال بعد تک عقد حیات میں رہے۔

وجعل حظیرۃ القدس مثواہ۔

حضرت سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی عمر شریف کتنے سال تھی۔ ارشاد ہوا کہ پچانوے سال۔ اور انتقال کے وقت یہ الفاظ فرماتے تھے۔ یاحیّ یا قیوم۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال کیا ان کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزی نے اس کے تین سال بعد شیخ بہاؤ الدین زکریا نے انکے تین سال بعد شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ کیا اچھا زمانہ تھا کہ یہ پانچ بزرگ حیات تھے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین اور شیخ ابو الغیث یمنی و شیخ سیف الدین۔ باخرزی و شیخ سعد الدین حمویہ و شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس اللہ سرہم العزیز۔

یہ ضعیف عرض کرتا ہے

شیخ اعظم فرید ملت و دیں
شیخ ابو الغیث و شیخ سیف الدین
شیخ سعدی حمویہ شیخ الوقت
شیخ صاحب نفس بہاؤ الدین
بود ہر پنج پیر در یک عصر
ہر یکے بادشاہ دنیا و دیں

نظامی بنسری

نوشتہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے ایک ہندو مرید راجکمار ہر دیو نامی تھے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ احمد ایاز انکا نام رکھا گیا خواجہ جہاں خطاب ملا۔ سلطان محمد تغلق کے دور اور ہندوستان کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ انھوں نے اپنے پیر کے ہاں حاضری کی ڈائری چہل روزہ کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۔ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور دیگر تاریخی کتابوں اور ملفوظات سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے سوانح حیات اور تعلیمات کو جمع کر کے اپنی معرکۃ الآرا کتاب نظامی بنسری میں شائع کیا جس نے یہ کتاب ایک دفعہ پڑھ لی وہ اس کو بار بار ورد اور وظیفے کی طرح پڑھتا ہے۔ بیمار اس کتاب کو پڑھنے اور سننے سے تندرست ہو جاتے ہیں اور ہر شخص مطالعے کے وقت ایسا محسوس کرتا ہے۔ گویا وہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کی مجلس میں حاضر ہے۔ اور اور حضرت کی خصوصی توجہات اس کو حاصل ہیں۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لئے گئے ہیں۔ نیا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ ضخامت پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے۔

ملنے کا پتہ: خواجہ اولاد کتاب گھر ڈاک خانہ حضرت نظام الدین نئی دہلی

حضرت خواجہ حسن نظامی کے حواشی

(ماخوذ از نظامی بنسری ۱۹۴۱ء)

باباصاحب کا نسب } سیر الاولیاء اور دوسری کتب تاریخ میں حضرت باباصاحبؒ کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے لیکن امروہہ کے ایک صاحب نے سیادت فریدی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قدیمی نسب ناموں سے اور نسب کی کتب تاریخ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت باباصاحب سید تھے فاروقی شیخ نہیں تھے اور فاروقی مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ بنی امیہ یا بنی عباس کے زمانے میں جب حضرت باباصاحب کے بزرگ کابل میں آئے تو اس لئے اپنے نسب کو چھپایا کہ کابل کا حاکم اس اموی یا عباسی حکومت کا نائب تھا جو بنی فاطمہ کو سلطنت کا حریف سمجھتی تھی اور جہاں بنی فاطمہ کو پاتی تھی مار ڈالتی تھی لہذا انھوں نے جان کے خوف سے اپنا نسب فاروقی بتایا اور اس بنا پر کابل کے حاکم نے ان سے قرابت کرلی اور آخرکار یہ خاندان کابل کا حکمراں ہوگیا۔

سیادت فریدی کو میں نے دیکھا تھا اور اس کی دلیلیں مجھے وزنی معلوم ہوئی تھیں۔ لیکن ہندوستان کے فریدیوں نے ان دلیلوں کو قبول نہیں کیا۔ بہر حال یہ اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اس لئے لکھ دیا۔

لفظ شیخ } تمام خواجگان صوفیہ کو پرانی کتابوں میں لفظ شیخ سے یاد کیا جاتا ہے چاہے وہ سید ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان ہوں۔ کیوں کہ شیخ کے معنی بزرگ اور سردار کے لئے جاتے تھے۔ نسب کا اس سے تعلق نہ تھا۔ مگر موجودہ زمانے میں نو مسلموں کو بھی شیخ کہتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ اصحاب کی اولاد کو بھی شیخ کہتے ہیں بس جن لوگوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانیؒ وغیرہ بزرگوں کو لفظ شیخ کے سبب نسباً شیخ قرار دیا ہے اور ان کے سید ہونے سے انکار کیا ہے یہ ان کی غلطی ہے۔

شیخ العالم } آج کل کے زمانے میں حضرت باباصاحب کا مشہور لقب باوا فرید ہے اور باوا گنجشکر بھی لوگ کہتے ہیں لیکن گذشتہ زمانے میں حضرت کو شیخ العالم یا شیخ شیوخ العالم کہا جاتا تھا۔

قاضی } حضرت کے دادا شعیب قاضی کہلاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے اجداد کی حکومت کابل میں ختم ہوئی تو انہوں نے قاضی کا عہدہ اختیار کیا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے وہ قاضی مشہور رہے ہوں گے یا ہندوستان میں آنے کے بعد جب قاضی شعیب کو کھتوال ملتان کا قاضی بنایا گیا تھا اس وقت سے ان کو قاضی کے لقب سے یاد کیا گیا ہوگا۔

مجاہدے } حضرت باباصاحب کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصے مشہور ہیں لیکن پرانی کتابوں میں ان کا ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اوچھ میں کنوئیں کے اندر لٹک کر جو انھوں نے چالیس رات

تک صلوٰۃ معکوس پڑھی تھی اس کا ذکر سیر الاولیاء میں ہے لیکن ہندوستان میں بہت سے مقامات پر لکڑی کی ایک روٹی دکھائی جاتی ہے کہ حضرت اس کو اپنے پیٹ سے باندھ لیا کرتے تھے۔ اس کا ذکر میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

ٹھیکری کا نقش

البتہ بعض پرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت زمانہ سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا۔ یکایک بارش ہونے لگی قریب میں کمہاروں کا ایک مکان دکھائی دیا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ اور کمہاروں سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے کئی دن سے درد ہیں۔ بچہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ہم کو جگہ کہاں سے دیں۔ حضرت نے جواب دیا مجھے جگہ دے دو بچہ ابھی پیدا ہو جائے گا کمہاروں نے جگہ دے دی تو حضرت نے فرمایا میرے گدھے کو بھی جگہ دو۔ کمہاروں نے کہا یہاں آدمیوں کے لئے جگہ ہے نہیں گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انھوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی۔ تب حضرت نے کمہاروں کے " آوے" سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا۔

مرا جائے شد۔ خرمرا جائے شد
تو خواہی بزا ئی۔ نہ خواہی مزا

(ترجمہ) مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی اب اے عورت تو چاہے بچہ جن یا نہ جن۔

اس کے بعد حضرت نے وہ ٹھیکری کمہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچہ پیدا ہو گیا حالانکہ اس شعر میں نہ خدا رسول کا نام تھا نہ کوئی اور متبرک عبارت تھی بلکہ ایک ہنسی اور طعن کا شعر تھا، مگر اس وقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے۔ اور اس کی تاثیر کا عجیب تماشہ دیکھا ہے۔ چنانچہ خود میں نے ہزاروں عورتوں کو ٹھیکری کا یہ تعویذ دیا اور اس کا بہت جلدی اثر ہوا۔

عصا

حضرت بابا صاحبؒ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر نے ان کو اپنا عصا عطا فرمایا تھا اور اسی لکڑی کو حضرتؒ رات کے وقت تکئے کی جگہ سرہانے رکھ کر سویا کرتے تھے اور پرانی کتابوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سلسلوں کے بزرگ اپنے خلفاء کو عصا اور کھڑاویں اور خرقہ اور کلاہ تبرکات میں دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے۔ مگر میں نے ان تبرکات کی وجہ پر بہت زیادہ غور کرنے کے بعد یہ سمجھا ہے کہ عصا ہر وقت ہاتھ میں رہنے کے سبب ان روحانی طاقتوں کو باہر ضائع ہونے سے روکتا تھا جو ان بزرگوں کے ہاتھوں اور انگلیوں سے مقناطیسی لہروں کی طرح ہر وقت باہر نکلتی رہتی تھیں اور قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بھی معجزے کا عصا کوہ طور پر مرحمت فرمایا تھا جبکہ ان کو پیغمبری دی گئی تھی اور میں نے بہت سے بزرگوں کے ہاتھ کی لکڑیوں کی عجیب و غریب کرامتوں کو ایک جگہ جمع کرکے لکھا ہے۔

کھڑاویں

نئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ برقی لہریں لکڑی کے جسم میں داخل نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کا کام کرنے والے لکڑی پر کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں تاکہ کرنٹ ان کو صدمہ نہ پہنچا سکے۔ پس فقراء اور سادھو بھی کھڑاویں اسی واسطے پہنتے ہیں کہ وہ آسمانی تجلیات (برقی لہریں) جو ان کے سر کے بالوں کے ذریعے ان کے جسم میں جذب ہوتی رہتی ہیں وہ ان کے پیروں سے نکل کر زمین میں ضائع نہ ہوں۔ بلکہ کھڑاؤں کی روک سے ان کے جسم کے

اندر ہی رہیں۔

پس حضرت بابا صاحبؒ بھی کھڑاویں استعمال کرتے تھے۔ اور عصا ہاتھ میں رکھتے تھے۔ جو قدیمی بزرگوں کی ایک روایتی شان تھی

چھٹا رکن روٹی } بابا صاحبؒ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے روٹی بہت ضروری چیز ہے اور روٹی کے اطمینان کے بغیر اسلام کے پانچوں ارکان میں انسان کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

چپڑی روٹیاں } حضرت بابا صاحب گھی کی چپڑی روٹی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھی سے چپڑی ہوئی روٹی بہت مفید اور مقوی غذا ہے۔ اور پراٹھا ثقیل غذا ہے۔ کیونکہ کسی بزرگ کی غذا میں پراٹھے کا ذکر نہیں آتا۔

روزنامچہ } قلندروں کے قصے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت اپنا روزنامچہ خود دوسروں سے سنا کرتے تھے کیونکہ حضرت پر محویت اور استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ پس اپنا روزنامچہ سننا یا لکھنا اس سے جائز ثابت ہوتا ہے۔

اولاد } حضرت کے پانچ صاحبزادے تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

اگرچہ حضرت کی زندگی میں اولاد کو خرچ کی ہمیشہ تکلیف رہتی تھی۔ لیکن وفات کے بعد حضرت رحمۃ کی سب اولاد خوشحال رہی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جہاں جہاں حضرت رحمۃ کی نسل کے لوگ ہیں سب خوشحال ہیں۔ اور میں نے اپنی زندگی میں ایک آدمی بھی حضرت رحمۃ کی اولاد کا مفلس نہیں دیکھا۔ پنجاب میں حضرت رحمۃ کی اولاد کو چشتی کہا جاتا ہے۔

امرائے پائیگاہ } حیدرآباد دکن میں امرائے پائیگاہ بھی حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدرآباد کی سب فوج ان کے اختیار میں تھی۔ اور اس کے خرچ کے لئے ان کو ایک کروڑ روپیہ آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی۔ اب اس خاندان کے تین حصے ہو گئے ہیں ایک نواب معین الدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ[1] ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ تیسرے نواب سر وقار الامراء کی اولاد ہے ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کی لڑکیاں اسی خاندان میں بیاہی جاتی ہیں۔ اس خاندان کے سب لوگ سنی ہیں اور دانشمندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے۔ نواب سر وقار الامراء کے ایک پوتے نواب حسن یار جنگ بہت زیادہ لائق اور فائق اور یورپ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہیں، تینوں پائیگاہوں کے امیر تعلیم یافتہ ہیں خوش اعتقاد ہیں اور ان کی اولاد کے نام حضرت بابا صاحب کی اولاد کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔

تین سلسلے } حضرت بابا صاحبؒ سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک نظامیہ، دوسرا صابریہ تیسرا جمالیہ۔ مگر جمالیہ سلسلہ نظامیوں میں مدغم (شامل) ہو گیا ہے۔ کیونکہ حضرت بابا صاحب کے خلیفہ اول حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی رحمۃ کے جانشین ان کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منور رحمۃ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے خلافت مل گئی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ سے جاری ہوا۔ جو حضرت بابا صاحب کے بھانجے تھے۔ اور جن کا مزار کلیر شریف

---

[1] نواب ظہیر یار جنگ کا انتقال ہو چکا ہے۔ منادی

میں ہے جو ریاستی سہارنپور کے علاقے میں ہے۔

نامناسب بحث } میرے بچپن کے زمانے میں سرساوہ ضلع سہارنپور میں ایک درویش شاہ خلیل الرحمٰن صاحب رہتے تھے جو کہتے تھے کہ میں حضرت مخدوم جمال ہانسوی کی اولاد میں ہوں اور رام پور میں اس وقت ایک کتاب حقیقت گلزار صابری شائع ہوئی تھی جس میں لکھا تھا کہ حضرت مخدوم جمال الدین رضؓ کا روحانی سلسلہ حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؓ نے چاک کر دیا تھا۔ اس واسطے جمالیہ سلسلہ نہیں چلا اور یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت باباصاحبؓ کا سارا فیض حضرت صابر صاحب کو حاصل ہوا تھا اور وہی ان کے سب سے بڑے خلیفہ اور سب سے بڑے جانشین تھے۔ اس کے جواب میں شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم نے کتابیں لکھیں پمفلٹ شائع کئے اشتہار تقسیم کئے جن میں یہ لکھا گیا کہ حضرت باباصاحبؓ کے زمانے کی اور بعد کی کسی معتبر کتاب میں صابر صاحب کا ذکر نہیں ہے اور سیرالاولیاء میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "علی صابر شخصے بود" علی صابر نام کے ایک آدمی تھے جو حضرت باباصاحبؓ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لہٰذا صابریہ سلسلہ کے بانی حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رضؓ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ "حقیقت گلزار صابری" میں یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت باباصاحب نے اپنے بھانجے علاؤالدین علی احمد صابر کو دہلی کی خلافت دی تھی اور ان سے کہا تھا کہ ہانسی میں جاکر میرے خلیفہ مولانا جمال الدین سے اس خلافت نامے کی تصدیق کراؤ وہ جب ہانسی میں پہنچے تو شام ہوگئی تھی اور چراغ موجود نہ تھا۔ انھوں نے مولانا جمال الدین ہانسوی کو اپنا خلافت نامہ دکھایا۔ انھوں نے کہا اندھیرے میں یہ کاغذ پڑھ نہیں سکتا۔ چراغ آجانے دو۔ صابر صاحب نے اپنی دو انگلیوں پر پھونک ماری اور وہ روشن ہوگئیں۔ تب انھوں نے کہا لیجئے اس روشنی میں پڑھ لیجئے مولانا جمال الدینؓ نے کہا تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو اور تم میں جلد بازی بھی بہت ہے اور دہلی بادشاہوں کا پایہ تخت ہے وہاں کے لئے ایسا جلد باز آدمی مناسب نہیں ہے یہ کہہ کر مولانا جمال الدین نے خلافت نامہ چاک کر دیا اور کاغذ کے پرزے حضرت صابر صاحبؓ کے سامنے ڈال دئے صابر صاحبؓ نے فرمایا تم نے میرا خلافت نامہ چاک کیا اور میں نے تمہارا سلسلہ چاک کیا۔ یہ کہہ کر اور پھٹے ہوئے کاغذ خلافت نامے کے ساتھ لے کر حضرت باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ باباصاحبؓ نے جواب دیا "پارہ کردہ جمال را فرید نتواند دوخت۔" جمال کے پھاڑے ہوئے کاغذ کو فرید نہیں سی سکتا۔" اس کے بعد صابر صاحبؓ کو کلیر کی خلافت دی گئی۔

بہر حال یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں مزار شریف کے پائیں صحن میں ایک بہت بڑا مناظرہ ہوا جس میں صابریہ سلسلے کے مشائخ اور دہلی کی درگاہوں کے پیرزادے جمع ہوئے صابریوں کی طرف سے میرٹھ کے صوفی جان صاحب مناظر تھے اور دوسری طرف شاہ خلیل الرحمٰن صاحب خود مناظرا کر رہے تھے میری عمر اس وقت سات آٹھ برس کی تھی میں نے اس مناظرے کو سنا تھا میرے سامنے صابریوں کی طرف سے مولانا سید امیر حمزہ صاحب مرحوم نے بحث کی تھی اور جیسا کہ مناظروں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے یہی نتیجہ اس کا بھی ہوا تھا کہ سب سلسلوں میں باہمی عناد پیدا ہوگیا تھا اور ہر سلسلہ کے پیرو شیعہ سنیوں کی طرح اپنے بزرگوں کو فضیلت دیتے تھے اور میرے دل میں بھی اس بحث سے نظامیہ سلسلے کی فوقیت کا تعصب پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب میں گنگوہ میں پڑھنے گیا تو وہاں حضرت مولانا شیخ

عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد میں ایک صاحب نے مجھے چند پرانی کتابیں دکھائیں اور ان کی قیمت مانگی اور وہ میں نے منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیں کیونکہ ان میں ایک کتاب بوستان بھی تھی جو حضرت مولانا درویش قاسمی رح کے ہاتھ کی لکھی تھی اور مولانا درویش قاسمی رح حضرت مولانا فتح اللہ اودھی کے مرید اور خلیفہ تھے اور حضرت مولانا صدرالدین طبیب دلہا کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت چراغ دہلی کے خلیفہ تھے اور میں نے یہ حال بزرگوں کے تذکروں میں پڑھا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح صابریہ سلسلے کے مجدد تھے اور انھوں نے حضرت سلطان المشائخ رح کی درگاہ میں ایک عرصے تک حاضرہ کر جاروب کشی فرمائی تھی اور وہاں ان کو نظامیہ سلسلے کا فیض حضرت مولانا درویش قاسمی سے حاصل ہوا تھا۔ اور یہ مولانا درویش قاسمی رح نے نظامیہ سلسلے کی خلافت کے ساتھ جو تبرکات حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کو دئے تھے ان میں یہ بوستان بھی تھی اس لئے میں نے یہ بوستان منہ مانگی قیمت دے کر خریدی تھی۔

جب میں گنگوہ سے دہلی میں واپس آیا تو کلیر شریف کے گدی نشین شاہ ظہور احمد صاحب نے (جن کو وہاں کے خدام نے بعد میں شہید کر دیا تھا) پانچ سو روپے ایک آدمی کے ہاتھ میرے پاس بھیجے کہ صابریہ سلسلے کی وہ یادگار بوستان جو آپ نے خرید لی ہے واپس دیجئے۔ میں نے جواب دیا۔ یہ کتاب میرے سلسلے کی یادگار تھی اس لئے میرے پاس واپس آگئی۔ اب میں اس کو فروخت نہیں کروں گا۔

اس کے بعد ردولی شریف کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد صاحب مرحوم میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بھی ایک معقول رقم دے کر یہ کتاب لینی چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ پھر شاہ غلام احمد صاحب مرحوم فرخ نگری اور مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی نے مجھے سمجھایا مگر میں کتاب دینے پر راضی نہ ہوا۔

میجر میکالے رسالدار پور چھاؤنی کے ایک انگریز افسر جنرل میکالے دہلی میں پرانی کتابیں خریدنے آیا کرتے تھے ایک دفعہ وہ مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی کے چھوٹے فرزند مولوی ابوالحسن مرحوم کے ساتھ میرے پاس آئے اور میری قلمی کتابیں دیکھیں اور کچھ کتابیں خریدیں اس وقت انھوں نے اس بوستان کو بھی دیکھا اور خریداری کی خواہش کی۔ میں نے کہا یہ کتاب بکری کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کم از کم میں اس کی قیمت معلوم کرنی چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا یہ کتاب ایک ہزار روپے کی ہے۔ میجر میکالے نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور سو سو روپے کے دس نوٹ میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے کہا میں کہہ چکا ہوں یہ کتاب بکری کی نہیں ہے۔ میجر میکالے بولے آپ نے دو آدمیوں کے سامنے ایک ہزار روپے قیمت کہی اور معاملہ طے ہو گیا۔ میں نے کہا یہ غلط دعویٰ ہے میں نے ہرگز فروخت کرنے کے لئے قیمت نہیں کہی تھی۔ آخر وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور میری کوئی کتاب نہیں خریدی، اور وہ بوستان اب تک میرے پاس موجود ہے۔ یہ فارسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ درویش قاسمی نے ہرات میں اس کو لکھا۔ اس کے بعد مولانا درویش قاسمی رح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دوسری کتاب نفحات الانس جو عربی خط میں لکھی ہوئی ہے میں نے ایک بڑی قیمت دے کر خریدی۔ یہ بھی میرے کتب خانے میں موجود ہے

غلط تعصب مجھ پر مذکورہ مناظرے کا جو

بہ اثر ہوتا تھا اس سے یہ غلط تعصب میرے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ مگر آج میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ ورنہ صابریہ سلسلہ بھی نظامیہ سلسلے کی طرح حضرت بابا صاحبؒ کے فیضان روحانی کا ایک بڑا سلسلہ ہے جس میں بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ اگر شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم آج زندہ ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ صابریہ سلسلے کے سچے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ سینکڑوں اولیاء اللہ اس سلسلے میں ہوئے اور آج لاکھوں آدمی حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر دین و دنیا کی نعمتیں اور برکتیں اس مزار پر انوار سے حاصل کرتے ہیں اور آج میرے دل میں ایک ذرّے کے برابر بھی صابریوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں ہے اور نقشبندیہ سلسلے سے جو اختلاف پیدا ہو گیا تھا وہ بھی اب میرے دل سے بالکل دور ہو گیا ہے۔

نقشبندیوں سے اختلاف کی وجہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت خواجہ حسن بصری اور حضرت علیؓ کی ملاقات سے انکار کیا گیا تھا۔ اس کا جواب حضرت مولانا فخرالدین چشتی نظامیؒ نے فخرالحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھا تھا اور اس کی شرح علی حسن کے نام سے اردو زبان میں میں نے لکھی تھی۔ اور ایک بڑی عربی شرح القول المستحسن فی شرح فخرالحسن کے نام سے حضرت مولانا حسن الزمان چشتی نظامی حیدرآبادی نے شائع کی تھی اور میں نے نقشبندیوں پر یہ اعتراض شائع کیا تھا کہ ان کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ سے ملتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کا نام آتا ہے مگر سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مقرب تھے پھر ان کو حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ سلمان فارسیؓ حضرت علیؓ کے شیعہ کہلاتے تھے۔ وہ کیونکر حضرت ابوبکرؓ سے روحانی بیعت کر سکتے تھے۔

لیکن آج یہ اعتراضات اور اختلافات بھی میں نے اپنے دل و دماغ سے بالکل دور کر دیے ہیں اور مجھے نقشبندیہ سلسلے سے بہت سے فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اور میں گذشتہ زمانے کی سب مخالفانہ تحریروں سے تائب ہو چکا ہوں۔

بہشتی دروازہ

مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کا وصال ہوا تو حضرت سلطان المشائخؒ دہلی میں تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ اور عصا اور کھڑاویں اور تبرکات مولانا نظام الدین دہلی سے آئیں تو ان کو دے دینا۔ اور وہی میری قبر بھی بنوائیں گے۔ چنانچہ حضرتؒ کو بطور امانت کے ایک جگہ دفن کر دیا گیا اور جب حضرت سلطان المشائخ اجودھن یعنی پاک پٹن شریف میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حضرتؒ کو اس جگہ دوبارہ دفن کیا جہاں آج کل مزار ہے اور اس پر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا جس کے دو دروازے رکھے۔ ایک مشرق کی طرف اور ایک جنوب کی طرف۔ جنوبی دروازے کے پاس حضرت کھڑے تھے۔ یکایک ایک جوش اور وجد اور بے خودی کی حالت حضرت پر طاری ہوئی اور حضرت نے تالیاں بجا کر فرمایا لو دیکھو رسول اللہ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہوگا امن پائے گا۔

اس واقعے کے بعد سے یہ دستور ہو گیا کہ مشرقی دروازہ زائرین کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اور جنوبی دروازہ بند رہتا ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے عرس کے دن ٥ محرم کی شام کو یہ دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک لاکھ آدمی اس دروازے کے

اندر سے گزرتے ہیں۔ میں بھی کئی دفعہ اس دروازے سے گزرا ہوں۔ بہت سے انگریز مورخوں نے یہ منظر دیکھا ہے اور عجیب و غریب خیالات ظاہر کئے ہیں۔

تالیاں بجاتے ہیں} جب یہ دروازہ گزرنے کے لئے کھولا جاتا ہے تو اس سے پہلے ہزاروں آدمی درگاہ کے اندر اور باہر تالیاں بجاتے ہیں تاکہ حضرت سلطان المشائخ رح کی تقلید ہو جائے۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں اور رات بھر دروازے سے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر میں نے پرانی کتابوں میں خاص کر سیرالاولیاء میں اس بہشتی دروازے کا مذکورہ قصہ نہیں دیکھا۔

نعرہ} جب بہشتی دروازے کے اندر داخلہ شروع ہوتا ہے تو تمام حاضرین اللہ محمدؐ۔ چار یار۔ حاجی قطب فرید۔ فرید۔ فرید کے نعرے لگاتے جاتے ہیں میرا خیال ہے لفظ حاجی غلط مشہور ہو گیا ہے دراصل یہ خواجہ ہو گا۔ یعنی اللہ محمدؐ چار یار خواجہ قطب فرید ہو گا۔

جاہلوں کا عقیدہ} پاک پٹن شریف کے اطراف میں جو لوگ آباد ہیں ان میں زیادہ تر نومسلم قومیں ہیں اور وہ مسلمان ہونے سے پہلے بھی جرائم پیشہ تھیں اور اب بھی ان کی عادتوں میں بہت کم فرق ہوا ہے۔ اور وہ تمام سال چوریاں کرتے رہتے ہیں اور سال بھر کے بعد بہشتی دروازے سے گذر جانا اپنے سب جرائم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ پنجابی زبان میں وہ اس دروازے سے گزرنے کو بہشتی لنگنا کہتے ہیں۔ یعنی بہشتی دروازے سے گزرنا۔

جس شام کو بہشتی دروازہ کھلتا ہے سینکڑوں پولیس کے سپاہی جھاؤ کی پتلی پتلی لکڑیاں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہجوم کرنے والے زائرین کو انتظام اور قابو کے اندر رکھنے کے لئے ان لکڑیوں سے مارتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لکڑیوں سے ان کے چہرے خون آلودہ ہو جاتے ہیں اور یہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا خون ڈاڑھیوں پر ملتے جاتے ہیں۔ اور کہتے جاتے ہیں فرید۔ فرید۔ فرید۔ اور کسی مار پیٹ کی پرواہ نہیں کرتے۔

کعبہ شریف کے طواف کے وقت بھی عرب بدو (صحرائی) ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں عقیدت کا جوش عرب میں اور ہندوستان میں یکساں پایا جاتا ہے مگر ان جاہلوں کو پنجاب کے پیر یہ نہیں سمجھاتے کہ بہشتی دروازے کے گزرنے سے حقوق العباد معاف نہیں ہو سکتے۔

درگاہ کی موجودہ حالت} حضرت بابا صاحبؒ کی درگاہ کی موجودہ حالت یہ ہے کہ حضرت کے مزار کا قبہ بہت چھوٹا سا ہے اور اس کے گوشۂ شرقی و شمال میں ایک عالی شان گنبد ہے جس میں حضرتؒ کے پوتے حضرت شیخ علاء الدین موج دریاؒ کا مزار ہے اور اس گنبد کے باہر غربی صحن میں ان سجادہ نشینوں کے مزارات ہیں جو حضرت بابا صاحبؒ کے بعد سے آج تک حضرتؒ کی گدی پر بیٹھے۔ بابا صاحبؒ کے گنبد کے غرب میں ایک اور چھوٹا سا حجرہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت بابا صاحب کو یہاں زمین میں امانت رکھا گیا تھا۔ اس حجرے کے غرب میں ایک عالی شان مسجد ہے اور مزار کے جنوب میں گوشۂ جنوب اور غرب پر ایک عالی شان نظامی برج ہے جو غالباً تونسوی سلسلے کے مشائخ نے بنایا ہے اور حضرتؒ کے پائیں بہت سے حجرے ہیں جن میں ایک حجرہ صابریہ حجرہ کہلاتا ہے۔ یہاں کا صحن کچا ہے اور برسات کے موسم میں یہاں کیچڑ

ہو جاتی ہے۔ درگاہ کے نام ایک لاکھ روپے سے زیادہ آمدنی کی جاگیر ہے جو سجادہ نشین کے قبضے میں ہے درگاہ کے مسافروں کو کھانا دیا جاتا ہے لیکن جتنی آمدنی درگاہ کی ہے اس کا خرچ درگاہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت بابا صاحبؒ کے مزار شریف کے شمال میں کچھ دور جا کر میرے دادا مولانا سید بدرالدین اسحٰق کا مزار ایک گنبد میں ہے جو جھجروں والے پیر مشہور ہیں کیونکہ یہاں حضرت رحؒ کے عرس کے دن شربت کی جھجریاں (صراحیاں) بھری جاتی ہیں۔ یہاں میری برادری کے لوگ رہتے ہیں اور سید نادر شاہ صاحب اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ اب قصور سے پاک پٹن تک ریل بھی ہو گئی ہے۔

محرم میں عرس

حضرت بابا صاحب کا عرس محرم کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے۔ میں بارہا اس عرس میں شریک ہوا ہوں۔ عرس کے زمانے میں مراسم محرم کا میں نے کوئی اثر وہاں نہیں دیکھا۔ البتہ حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ کی درگاہ میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے کیونکہ کچھ لوگ ان میں شیعہ بھی ہو گئے ہیں۔

دہلی میں حضرت کی اولاد کے مزارات

حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی درگاہ کے اندر اور باہر حضرت بابا صاحبؒ کے کئی پوتوں اور نواسوں کے مزارات ہیں جن پر میں نے کتبے لگا دئے ہیں اور اور چراغ دہلی کے پاس شیخ سرائے گاؤں میں بھی حضرت بابا صاحب کی اولاد میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔

روحانی مشن

بہر حال یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے خلفاء نے حضرتؒ کے روحانی مشن کو چلایا مگر ان کی اولاد نے باوجود طاقت رکھنے کے کوئی کام حضرتؒ کے روحانی مشن کی تبلیغ و اشاعت کا نہیں کیا اور حیدرآباد کے امرائے پائگاہ نے بھی باوجود طاقت کے کچھ نہیں کیا اور ان میں کچھ بھی پاس اپنے دادا کی یادگاروں کی مدد کا نہیں پایا جاتا۔

میری خدمت

اگرچہ میں نے بھی اپنے حضرت کے روحانی مشن کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی البتہ آریہ سماجیوں نے جب میرے بزرگوں کے مسلمان کئے ہوئے راجپوتوں کو مرتد کرنے کا کام شروع کیا اور لاکھوں آدمیوں کو مرتد کر دیا تو اس وقت میں نے چھ برس کی لگاتار کوشش سے چھ لاکھ راجپوتوں کو مرتد ہونے سے بچا لیا اور ان کے لئے ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شائع کیا اس کے علاوہ ایک لاکھ آدمیوں کو بذریعہ بیعت سلسلہ نظامیہ میں داخل بھی کیا۔

بقیہ ست گرو نانک صاحب صفحہ ۲۴

بقیہ ست گرو نانک صاحب صفحہ ۲۴

ہے مجھے بتا کہ میں اسے پاؤں۔

کہا بات صداقت ہے تجھیا۔ برتی ہوں یا روحانی سلسلہ کے طلبگار رہیں اس میدان کا سمند محبت ہے اگر تو نیکی فیض کا طالب ہے تو اس عشق کو اختیار کر جب کے بزرگ میں ست گرو نانک نے بال بڑھائے پاکیزہ زردشت نے بال بڑھائے عشق کی زلفیں منزل جاناں کا پتہ بتاتی ہیں۔ اس زنجیر کو پاؤں میں ڈال ہاتھ میں ڈال گلے میں پہن اور دل کو بھی اس میں اسیر کر تاکہ تسلی اطمینان، سرور ابد اور شانتی نصیب ہو۔

حضرت بابا فریدؒ

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات میں

(نثار احمد فاروقی ۔ دہلی کالج ۔ دہلی ۶)

۱۔ مجالسِ حسنہ } مجالس حسنہ حضرت شیخ حسن محمد چشتی[۱] علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہیں جن کے جامع اور مؤلف حضرت خواجہ شیخ محمد چشتیؒ ہیں[۲]۔ اس میں صرف ۲۳ مجلسوں کے ملفوظات قلمبند ہوئے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے اور غالباً آج تک شائع نہیں ہوئی مگر اس کا اردو ترجمہ جو کل ۴۴ صفحوں میں آیا ہے عرصہ ہوا لاہور سے چھپ گیا تھا[۳]۔

اس کتاب میں اختصار کے باوجود بزرگان سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے حالات و سوانح سے متعلق مفید اشارات ملتے ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ خواجہ گل محمد احمد پوری کی تالیف تکملہ سیر الاولیاء[۴] میں متعدد مواقع پر ملتا ہے مگر غلطی سے نام ہر جگہ "مجالسِ حسینیہ" لکھا ہے[۵]۔

آپ کا شجرۂ طریقت اس طرح ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (ت ۷۵۷ھ) سے ان کے خواہر زادے شیخ کمال الدین کو خلافت ملی تھی اور تکملہ سیر الاولیاء کے مطابق انھوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی اجازت حاصل کی تھی ان کا انتقال ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۶ھ کو ہوا۔ دہلی میں اپنے پیر و مرشد کے جوار میں مدفون ہیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت شیخ سراج الدین کو خلافت دی تھی جنھیں حضرت چراغ دہلی سے بھی خرقہ ملا ہوا تھا۔ ان کا وصال ۲۱ جمادی الاولیٰ ۸۱۷ھ کو ہوا اور نہروالہ (گجرات) کے محلہ رکابت پورہ میں مدفون ہیں ۔۔ ان کے فرزند شیخ علم الدین چشتی تھے جنھوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے بھی خرقہ پایا اور ۲۶ صفر ۸۱۹ھ کو انتقال فرمایا اپنے والد کے جوار میں دفن ہوئے۔ ان کے فرزند اور جانشین حضرت شیخ محمود راجن چشتی (وفات ۲۲ صفر ۹۰۰ھ) ہوئے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو: تکملہ سیر الاولیاء ۴۹ ۔ ۵۳

[۲] حضرت شیخ محمد چشتی کے خلیفہ اعظم شیخ یحییٰ مدنی تھے جن سے اجازت و خلافت حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (ت ۱۱۴۲ھ) کو حاصل تھی (دیکھو مکتوبات کلیمی، مطبع یوسفی دہلی طبع ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء صفحات ۴ ۔ ۵)

[۳] ملک فضل الدین وغیرہ تاجران کتب قومی ۔ بازار کشمیری ۔ لاہور ۔ سنہ ندارد

[۴] مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ

[۵] مثلاً: تکملہ سیر الاولیاء صفحات: ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۵ وغیرہ

(بعض حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی خرقہ ملا تھا) ان کے جانشین حضرت شیخ جمال الدین عرف شیخ جمن ہوئے اور ان کے بھتیجے حضرت شیخ حسن محمد چشتی بن شیخ محمد عرف میاں جیو تھے جن کے ملفوظات مجالس حسنہ میں قلم بند ہوئے ہیں۔ شیخ حسن محمد سے خرقہ خلافت شیخ محمد چشتی (جامع مجالس حسنہ) کو پہنچا۔ ان سے حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کو اور ان سے حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کو ملا۔ شجرہ نسب شجرہ طریقت بھی ہے اس طرح ہے[۲]

علامہ شیخ کمال الدین
(خواہرزادہ حضرت چراغ دہلی)

- شیخ نظام الدین
- شیخ نصیر الدین
- شیخ سراج الدین
  - ۱ شیخ معین الدین
  - ۲ شیخ علم الدین سجادہ نشین
  - ۳ شیخ محمد
  - ۴ شیخ مجد الدین
    - شیخ نصیر الدین ثانی
      - شیخ احمد عرف میاں جیو
        - ابو محمد
        - شیخ حسن محمد چشتی
          - شیخ محمد چشتی
        - بی بی چوترہ
        - بی بی خوترہ منکوحہ علی خاں ولد نصیر خاں
  - ۵ شیخ سعد الدین عرف شیخ کمندوری
  - ۶ بی بی مریم منسوب بہ سید حسن بن سلطان احمد کبیر
- دختر منسوب بہ پسر برہان الدین
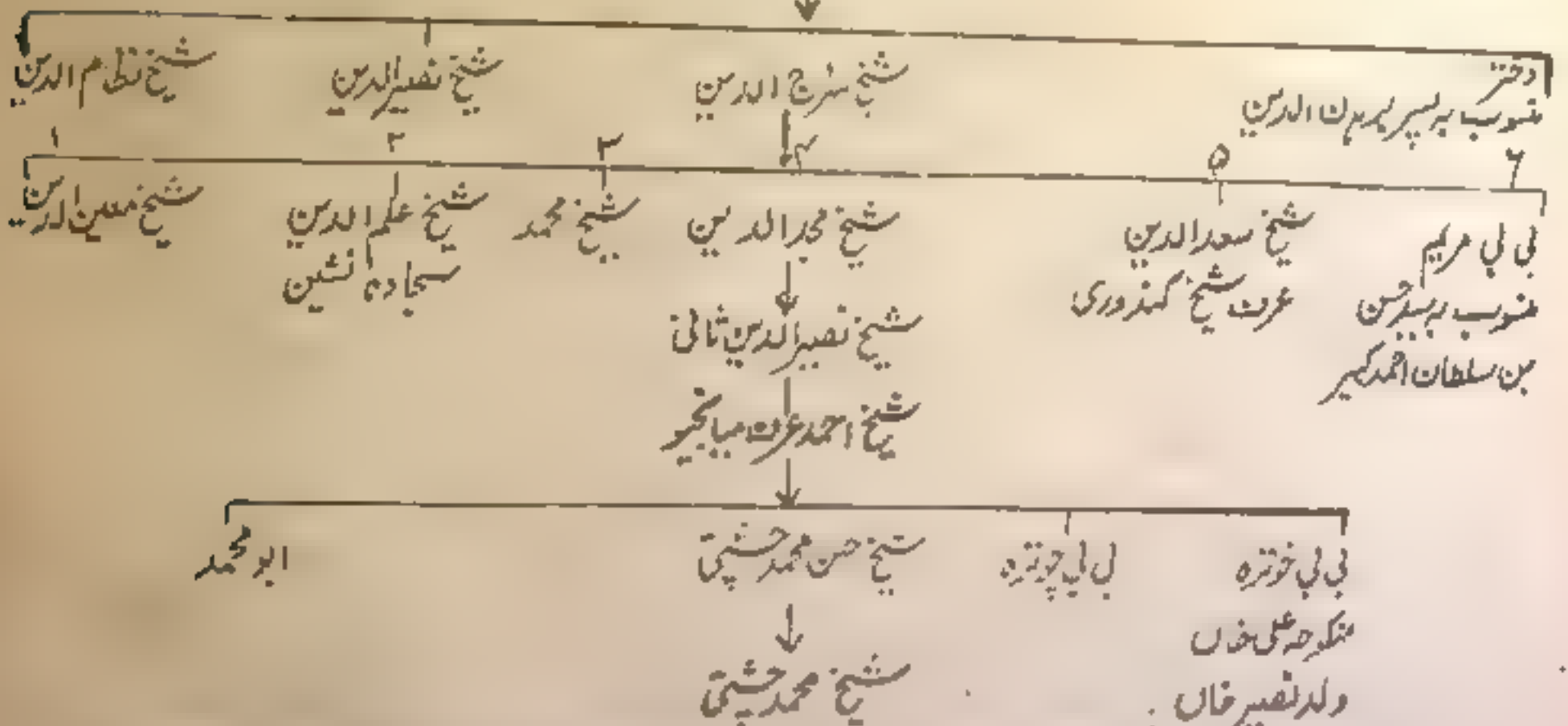
حضرت شیخ حسن محمد چشتیؒ نے ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۹۸۳ھ کو انتقال فرمایا۔ احمد آباد (گجرات) کے محلہ شاہ پور میں مدفون ہیں۔ انھوں نے بشیر روایت اپنے والد بزرگوار شیخ احمد میاں جیوؒ سے سنی ہوں گی۔ اس لیے مجالس حسنہ میں جو سوانحی اشارے خاندان چشتیہ کے بزرگوں کے بارے میں ملتے ہیں وہ معتبر اور مستند ہیں۔

یہ ملفوظات مختصر ہیں۔ ان میں تعلیم سلوک بھی ہے، آداب درویشی کا بیان بھی اور سلسلے کے بزرگوں کے بارے میں سوانحی معلومات بھی مل جاتی ہیں۔ ملفوظات کے دوسرے موضوع مجموعوں کے برخلاف اس میں فوق الفطری عنصر اور خوارق کا بیان تقریباً نہیں ہے۔

کتاب کے جامع شیخ محمد چشتی صاحب[۳] (وفات ۲۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ) بھی احمد آباد میں مدفون ہیں

---

[۱] تکملہ سیر الاولیا : ۳۲

[۲] یہ شجرہ مجالس حسنہ کے بیانات کی مدد سے بنایا گیا ہے اور اس میں سب نام شامل نہیں کیے ہیں۔

[۳] یہ خود بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ تحفہ محمدی، تقسیم الاوراد، حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ قوت القلوب، حاشیہ شرح مطالع اور حاشیہ نزہت الارواح ان کی تصانیف ہیں (برکات اولیا، افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ ص ۵۱)

بے حد حسب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے "چہل دو رسائل" مشہور ہیں۔ مگر اب بیشتر تصانیف نا پید ہیں۔ ان ہی میں سے ایک تالیف مجالس حسنہ ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور پیر و مرشد شیخ حسن محمد چشتی کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ان کی ایک اور تصنیف فن سلوک میں آداب الطالبین ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور) کے ذخیرۂ محمود شیرانی میں محفوظ ہے[1]

مجالس حسنہ میں کتابوں کے حوالے بہت کم آئے ہیں۔ صرف ایک جگہ یوں ہے کہ نزہۃ الارواح میں سید حسن نے فرمایا ہے[2] اس کے علاوہ حجۃ الاسلام غزالی اور شیخ شہاب الدین کے اقوال کا جہاں حوالہ ہے ممکن ہے کہ ان کی تصانیف سے ماخوذ ہو۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ چشتیہ نظامیہ سلسلے کے بزرگوں کی نظر سے فوائد الفواد نہ گزرے۔ شیخ حسن محمد چشتی کے ملفوظات میں اس کتاب کا حوالہ تو کہیں نہیں آیا ہے مگر بعض باتیں صریحاً فوائد الفواد سے منقول ہیں۔ مثلاً:

حکایت شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ درافتاد..... اگر کسے بیامدے و درم قلب بدو دادے وانچہ او پختہ بودے بخریدے او آن درم بستدے اگرچہ بدانستے کہ قلب است بر روے خریدہ چیزے نگفتے۔ وآنکہ درم سرہ بیاوردے اورا نیز بدادے تا خلق را چناں معلوم شد کہ او قلب و سرہ را فرق نمی کند۔ وبیشترے می آمدند و درم قلب را می دادند و او بجاے سرہ می گرفت و بایشاں پیدا می کرد و طعام بدیشاں می داد تا وقت نقل او شد۔ روے سوے آسمان کرد و گفت خداوندا تو دانا تری کہ خلق مرا درم قلب دادند و من بجاے سرہ قبول کردم و بر روے ایشاں رد نکردہ ام اگر از من طاعتے قلبی در وجود آمدہ است بکرم خود بر روے من رد مکن

(فوائد الفواد : ۵۳)[3]

فرمایا شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ بہت اعلیٰ درجے کے بزرگ تھے اور ان کی ایک معتبر تفسیر بھی ہے وہ غزنی میں رہا کرتے تھے اور سبزی پکا کر فروخت کیا کرتے تھے اور اگر کوئی شخص کھوٹا درم دے کر سبزی خرید لیتا تو وہ کھوٹا درم ہی لے کر خاموش ہو جاتے تاکہ خلقت کو معلوم نہ ہو کہ یہ کھوٹے کھرے میں تمیز کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے آدمی اسے کھوٹے درم دے کر سبزی خرید لے جاتے۔ ایک مرتبہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف منہ کر کے اور صدق دل سے کہا: اے خداوند تعالیٰ تجھے معلوم ہے کہ میں نے کھوٹے درموں کو رد نہیں کیا اگر مجھ سے بھی کوئی کھوٹی طاعت ظاہر ہوئی ہو تو تو اپنی مہربانی سے رد نہ کر

(مجالس حسنہ : ۱۵)

---

[1] فہرست مخطوطات شیرانی ۲/۹۸، (طبع لاہور) ۱۹۶۵ء

[2] مجالس حسنہ: ص ۱۶ ۔ اور غالباً اسی نزہۃ الارواح کی شرح شیخ حسن محمد چشتی نے لکھی تھی۔ اصل کتاب حسین بن عالم ابی الحسن حسینی کی تصنیف ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتاب خانوں میں مل جاتے ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کے تین نسخے موجود ہیں۔

[3] فوائد الفواد : ۲۲۱ - ۲۲۲

اسی طرح ایک مجلس میں شیخ سعد الدین حمویہ کا قصہ بیان ہوا ہے، یہ بھی فوائد الفواد سے ماخوذ ہے اور ۹ ذی الحجہ ۷۱۲ھ کی مجلس میں ملتا ہے۔[1]

یہاں مجالس حسنہ سے صرف وہ حصے اقتباس کیے جاتے ہیں جن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ یا ان کے جانشین حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کا حوالہ آیا ہے۔

مجالس حسنہ میں ان بزرگوں سے متعلق بعض نئے اشارے ملتے ہیں مثلاً

(۱) اس کتاب سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا بغیر شیرازے کی کلاہ نہیں باندھتے تھے کیونکہ ان کے شیخ نے بھی ایسی کلاہ استعمال نہیں کی تھی۔

(۲) دوسرا واقعہ جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حوض شمسی پر حضرت نماز میں مشغول تھے، کچھ لوگوں نے آپ کی دستار کی وضع سے یہ سمجھا کہ یہ نقشبندی سلسلے کے درویش ہیں۔ آپ نے سلام پھیر کر اپنی دستار مبارک اتاری اور اسے اپنے شیخ کے طریقے سے باندھا۔ یہ بات درر نظامیہ اور سیر الاولیاء میں بھی ملتی ہے مگر یہ اشارہ اسی کتاب سے ملتا ہے کہ بابا صاحبؒ اور حضرت نظام الدینؒ "فیل گوشی" وضع کی دستار باندھتے تھے۔

(۳) اس کے ساتھ ہی حضرت برہان الدین غریب کے لباس کی وضع بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے شیخ کے اتباع میں اس طرح پگڑی باندھتے تھے کہ ایک کان ڈھکا رہتا تھا۔

(۴) مجالس حسنہ ہی سے یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے بابا صاحبؒ کو دعا دی تھی کہ آپ کی نسل بہت ہوگی۔

کلاہ کی وضع } (۱) فرمایا کہ ایک روز شیخ الاسلام نظام الحق والدین محمد احمد بدایونیؒ قدس اللہ روحہ جمعہ کی نماز کی تیاری کر رہے تھے جب آپ لباس پہن چکے تو خادم کلاہ لایا جس کے بند میں شیرازہ نہ تھا آپ نے نہ پہنی اور خادم کے ہاتھ واپس کر کے فرمایا کہ ہمارے خواجہ (بابا فریدؒ) نے کبھی بغیر شیرازے کے نہیں پہنی۔ ہم کس طرح پہنیں! (ص ۹)

فیل گوشی دستار } (۲) فرمایا ایک روز شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ حوض شمسی پر نماز ادا کر رہے تھے چند درویش آئے ان میں سے ایک نے کہا کہ جو آدمی نماز میں مشغول ہے یہ "بہار الدینی" معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا یہ کس طرح معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ پگڑی کی بندش سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے دستار سر سے اتار کر حضرت فرید الدین قدس اللہ سرہ کے طریق کے موافق باندھی یعنی فیل گوشی باندھی فیل گوشی پگڑی کی وہ بندش ہے جس میں کور پر کو آتی ہے۔[2] (ص ۹)

محبوب الٰہیؒ کی وضع } (۳) فرمایا کہ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے مریدایک کان پگڑی کے نیچے ڈھانپ

---

[1] فوائد الفواد : ۲۲۲ - ۲۲۱ [2] دیکھو : درر نظامیہ : سیر الاولیا :

لیتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روز حبیب شیخ الاسلام نظام الحق والدین محمد بدایونی رضی اللہ عنہ کو شیخ برہان الدین نے دیکھا کہ ایک کان پگڑی سے ڈھانپا ہوا ہے اسی روز سے شیخ برہان الدین غریب نے بھی اسی طرح پگڑی باندھنی شروع کی اس لئے ان کے مرید بھی اسی طرح باندھتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ جمال الحق والدین محمد عرف شیخ جمن کے ملفوظات سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد یعنی شیخ محمود عرف راجن کی زبان مبارک سے سنا کہ خواجہ یعقوب کے مریدوں میں سے ایک مرید کہتا تھا کہ جب شیخ برہان الدین نے شیخ نظام الدین کی پیروی کر کے ایک کان دستار میں ڈھانپا تو بہت حضوری حاصل ہوئی کاش وہ دوسرے کان کو بھی ڈھانپ لیتے۔ تاکہ اس سے بھی زیادہ حضوری حاصل ہوتی ۰۰۰۰ (ص ۹ — ۱۰)

واسکٹ کا عطیہ } فرمایا: ایک روز شیخ احمد نہروالہ شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آئے اور واسکٹ کے واسطے التماس کی۔ بندگی شیخ نے واسکٹ مرحمت فرمائی اور بیعت اور بالوں کا کترنا نہ ہوا۔ شیخ الاسلام شیخ نظام الدین ؒ کی وفات کے بعد شیخ احمد نہروالہ دہلی میں آئے اور بندگی قطب الاقطاب شیخ نصیر الدین محمود سے ملاقات کی اور بیعت کی التماس کی شیخ نے فرمایا کہ تو کسی پر ارادت رکھتا ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے واسکٹ عنایت ہوئی تھی لیکن بیعت نہیں کی تھی پس شیخ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں وہی بیعت تھی (۱۴ - ۱۵)

اہل اللہ } (۵) ایک لاہوری آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اس زمانے میں کوئی اہل سماع (سننے والا) نہیں آپ نے فرمایا اگر اہل نہ ہو تو دنیا ہلاک ہو جائے پس اس آدمی نے کہا جیسا کہ گذشتہ زمانے میں شیخ نصیر الدین، شیخ نظام الدین، شیخ فریدالدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ تھے۔ اب ان جیسا کوئی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس زمانے میں بھی لوگ ایسا ہی کہا کرتے تھے۔" (ص ۱۹)

قطب صاحب اور سماع } (۶) آپ نے فرمایا کہ بعض مردان خدا سماع ہی میں فوت ہو گئے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ قطب الدین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے میں (مراد ربیع الاول) ان دو بیت کا سماع سنتے تھے:

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر است
عقل کے داند کہ ایں رمز از کجاست — ایں حکایت را بیانے دیگر است

نماز کے وقت ہوشیار ہو کر نماز ادا کرتے اور پھر سماع میں مشغول ہو جاتے حتیٰ کہ بدن سے خون جاری ہو گیا اور دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ عشق میں ایسے جلے کہ غسل دیتے وقت جب آپ کے جسم مبارک پر پانی

لہ مجالس الحسنہ میں بیان برعکس کر رہا ہے کہ "شیخ نظام الدین نے شیخ برہان الدین کی پیروی کر کے"۔ غالباً یہ مترجم کا سہو ہے
سہ اصل فارسی عبارت تکملہ سیرالاولیاء میں ملے گی۔

ڈالا گیا تو گوشت پارہ پارہ ہو گیا۔

فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب ہم نے سنا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے زمانے میں ایک مرد خدا (سماع) ہی میں فوت ہو گیا تو دل میں شوق ہوا کہ کوئی ایسا آدمی ملے جو اس مجلس میں حاضر تھا تاکہ اس سے اس مرد کا حال معلوم کیا جائے۔ پس ہم اس شہر میں گئے جہاں یہ واقع ہوا تھا بڑی تلاش اور جستجو کے بعد ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جس نے کہا کہ میں مجلس میں حاضر تھا وہ ایک اندھا بوڑھا آدمی تھا۔ ہم نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ سماع میں ایسے محو ہو گئے کہ سماع ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا اور ایسے جل گئے کہ پانی ڈالتے وقت آپ کا گوشت مبارک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔"

(۱۹ — ۲۰)

باباصاحبؒ کو غریب نوازؒ کی دعا

(۷) جب قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ درویش کو چاہیے کہ اپنے پاس مال نہ رکھیں آپ نے فرمایا کہ سلطان ابو سعید کازرونی کے پاس بہت مال تھا اور شیخ بہاء الدین بھی مالدار تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے طریقے ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ فرید گنج شکر کی اولاد زیادہ تھی۔ لیکن تنگی تھی۔ اس کے بعد ایک نے پوچھا کہ شیخ فرید الدینؒ کی اولاد زیادہ کیوں تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیر کی راہ دہلی آئے۔ خواجہ قطب الحق والدینؒ یہیں تھے۔ خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین سے ملاقات کی کچھ مدت کے بعد اجمیر کی طرف روانہ ہوئے خواجہ قطب الدین بھی ہمراہ ہوئے وہ تمام آدمی جو خواجہ قطب الدین کے ہمراہ تھے خواجہ معین الدین کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے اور حضرت فرید الدینؒ خواجہ قطب الدین کی طرف توجہ کرتے تھے اگرچہ انھوں نے خواجہ معین الدین کی طرف توجہ ترک نہیں کی تھی اور خواجہ معین الدین نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ یہ بھی آپ کا غلام ہے بس خواجہ معین الدین بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بہت بڑا ہوگا۔ کلاہ ایک طرف سے آپ پکڑی اور دوسری طرف سے خواجہ قطب الدین کے ہاتھ دے کر شیخ فرید کے سر پہنائی اور فرمایا کہ اس کی نسل بہت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا کرے گا۔ اس سبب سے شیخ فرید الدینؒ کی نسل زیادہ تھی۔ (ص ۲۸ — ۲۹)

محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ

(۸) فرمایا کہ شیخ کمال الحق والدین کی والدہ شیخ نصیر الحق والدین کی حقیقی بہن تھیں آپ زمانے کی رابعہ تھیں اور اودھ میں وفات پائی اور شیخ کمال سے تھیں۔ پہلے آپ کی سکونت اودھ میں تھی پھر جب شیخ نصیر الدین سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کی جانشینی دہلی میں مقیم ہوئے تو تمام اہل و عیال اودھ سے چھوڑ کر دہلی میں سکونت اختیار کی و شیخ کمال الدین تمام علوم میں ماہر تھے۔

لہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کا یہ سفر ۔۔۔ میں ہوا تھا ۔۔۔ کے ۔۔۔ سال کے بعد خواجہ غریب نواز اور خواجہ بختیار کاکی دقدس اللہ سرارہما کا وصال ہو گیا۔ اس سفر کی تفصیل قدیم کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن شاید ہی کسی نے نہیں لکھا کہ خواجہ غریب نواز نے بابا صاحب کو افزائش نسل کی دعا دی تھی۔

مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی، مولانا عالم سنگریزہ ملتانی اور تاتار خاں مرحوم آپ کے شاگرد تھے اور مخدوم جہانیاں سید جلال الحق والدین بخاری قدس سرہ العزیز نے بھی حضرت شیخ کمال الدین سے علم حاصل کیا اور جامع العلوم میں لکھا ہے کہ میں نے شرح مشارق حضرت شیخ کمال الدینؒ سے پڑھی ہے۔"
(۳۱ - ۳۲)

مخدوم جہانیاںؒ کا بیان

(۹) نقل ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں ایک دفعہ چاشت کے وقت خلوت میں تھے۔ اپنے چند یاروں کے ساتھ خوش و خرم بیٹھے تھے اور جیسے دوست دوست کے ساتھ بات چیت کرتا ہے آپ نے کہا کہ سنو میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں کہ شروع شروع میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ سلطان محمد نے دعاگو اور ابو سعید بن شیخ جلال الدین ساکن اوچہ کو شہر میں طلب کیا۔ میرے مخدوم والد بزرگوار دامت برکاتہ نے اجازت دی کہ شہر اوچہ میں جاؤ۔ حکم کا بجالانا واجب ہے اللہ تعالےٰ بہتر کرے گا۔ جب میں آیا تو شیخ الاسلام شیخ نصیر الدینؒ کی خانقاہ میں اترا تو میرے لئے حجرہ مقرر کر کے شیخ نے اپنے بھانجے شیخ کمال الدین کے پاس جو حاجب تھے لے جاکر فرمایا کہ پڑھو۔ اور مولانا شمس الدین نے ان سے شرح مشارق سنی ہے۔ اور پڑھنے والے مولانا جمال الدینؒ تھے۔ اور شیخ کمال الدین نے شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی سے بھی خلافت حاصل کی ہے اور حضرت شیخ نصیر الحق والدین سے بھی۔ ان کی نظر مبارک کی برکت سے آج تک مشیخت کا سجادہ ویسے کا ویسا شیخ کمال الدین کی اولاد میں سلسلہ وار چلا آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ابد تک اسی طرح رہے۔ آمین یا رب العالمین۔

شیخ کمال الدینؒ کا مرتبہ

اور پہلے محققین سے حضرت نصیر الدین محمود شیخ کمال الدین کی بہت تعظیم بجالاتے اور جوں ہی شیخ کمال الدین کی دستار مبارک دیکھتے تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے" اور نیز شیخ حسن نے بھی فرمایا ہے کہ ملک صدر جہاں بن مولانا خواجہ کندوری بن شیخ سراج الدین محمد سے میں نے سنا ہے کہ شیخ ابوالفتح کی مجلس میں جب بندگی شیخ راجؒ تشریف لاتے تو جس وقت آپ کا رخ مبارک دیکھتے کھڑے ہو جاتے" اور فرماتے کہ جس جگہ شیخ نصیر الدین محمودؒ کمال الدین کی دستار مبارک دیکھ لیتے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور شیخ حسن کی والدہ شیخ عزیز اللہ کی بیٹی تھیں۔ آپ کا اسم مبارک بی بی اور ملک تھا یہ صالح اور پرہیزگار تھیں۔ اور سید السادات سید محمد گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی تالیفات میں شیخ کمال الدین کے مناقب بہت درج فرمائے ہیں اپنے عہد میں وہ زمانے کے پیشوا تھے۔ ابوالمظفر سلطان فیروز شاہ انار اللہ برہانہ اور اس کے امیر اور وزیر حضرت شیخ کمال الدین پر بہت توجہ رکھتے تھے۔
(۳۲ - ۳۳)

(۱۰) آپ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ کمال الدینؒ کو خانہ کعبہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک

۱؎ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ملفوظات "جامع العلوم" اور "سراج الہدایہ" میں شیخ کمال الدین کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ پہلی کتاب کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

کی زیارت کا بہت اشتیاق ہوا تو سلطان المشائخ شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ ظاہر کیا حضرت شیخ نظام الدین نے آپ کو اجازت عنایت فرمائی اور اپنا پہنا ہوا جامہ پہنایا اور اپنی جگہ پر بٹھا کر خلافت نامہ مرحمت فرمایا۔ شیخ کمال الدین نے سلطان المشائخ کے قدم مبارک پر سر رکھا اور روانہ ہوئے۔ شیخ نظام الدینؒ کی نظر مبارک کی برکت سے خانہ کعبہ کی زیارت حاصل ہوئی اور سات حج کیے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بیت المقدس کی زیارت کی اور خراسان کی طرف واپس چلے گئے۔ ملکوں اور ولایتوں کے بادشاہ شیخ کمال الدین کی زیارت کے لئے آتے اور تعظیم بجا لاتے آپ بہت مال و اسباب لائے چنانچہ جب آپ دہلی میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کے پاس علاوہ اور اسباب کے تیرہ گونیں (بوریاں) سونے اور چاندی کی تھیں جب شیخ نصیر الدین محمود نے تیرہ اونٹ مال و اسباب کے لدے ہوئے دیکھے تو فرمایا شیخ کمال الدین اتنی دنیا تو نے کس واسطے جمع کی ہے؟ شیخ کمال الدینؒ نے کہا میں نے راہ میں سنا تھا کہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین رحلت فرما گئے ہیں اور شیخ نصیر الدین محمود سجادے پر بیٹھے ہیں اگر میں خالی ہاتھ جاؤں گا تو میری اہانت ہوگی اس واسطے میں لایا ہوں۔ اب میں اسے عالموں اور صالحوں پر خرچ کروں گا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھوں گا۔ چنانچہ اسی طرح آپ نے کیا کہ سونے کی تھیلی کا منھ بند کرکے اس پر سیاہی مل کر فرماتے کہ یہ سیاہی ہے اس کو قبول کرو۔ اسی طرح تیرہ کے تیرہ اونٹ کا مال و اسباب عالموں، مسکینوں اور نیک لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ اس کے بعد تاتار خاں نے اسی ٹکے (تنکے؟) روزینہ بادشاہی کچہری سے لکھوا کر لا دیا۔ شیخ کمال الدین اسے شیخ نصیر الدین کے پاس لے گئے اور عرض کی کہ کیا حکم ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ جب بغیر قصد اور طلب کے تمھیں ملتا ہے تو یہ بمنزلہ فتوح کے ہے اسے قبول کرو۔

شیخ کمال الدین نے وظیفہ قبول کر لیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مبارک نظر کی برکت سے شیخ کمال الدین زاہد عابد اور پیشوائے زمانہ ہوئے۔[1] (۳۱ - ۴۴)

۲۔ کشکول کلیمی } حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ (ت ۱۱۴۲ھ) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے مجدد ہیں۔

---

[1] مجالس الحسنہ ص ۳۳ - ۴۴

اس کے بعد مجلس ۱۰ میں مولانا سنگریزہ ملتانی سے مولانا کمال الدین کی ملاقات کا حال بیان ہوا ہے۔ اس مجلس میں ہے کہ شیخ لطف الدین سفر حج میں مولانا کمال الدین کے رفیق تھے اور وہیں یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم عیالدار ہوئے اور ہماری اولاد ہوئی تو آپس میں رشتہ داریاں ہوں گی۔ (مجالس الحسنہ ص ۳۸) آگے وہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ شیخ کمال الدین شادی کے بعد چھ سال تک اپنی بیوی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ اور حضرت چراغ دہلیؒ نے بشارت دی کہ اس کے بطن سے اولیاء اللہ پیدا ہوں گے۔

[2] حضرت شیخ کے حالات صوفیائے کرام کے تمام تذکروں میں ملیں گے لیکن پوری تفصیل کے ساتھ مستند حالات پروفیسر خلیق احمد نظامی کی "تاریخ مشائخ چشت" میں موجود ہیں۔ مزید مطالعے کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے

کمالات باطنی کے علاوہ علوم شریعت میں بھی مقتدائے زمانہ تھے۔ ان کی تصانیف میں سواء السبیل، کشکول، مکتوبات کلیمی وغیرہ معروف ہیں جو اگرچہ شائع ہو چکی ہیں مگر آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ ان کے کشکول[۱] میں صرف ایک مقام پر حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کا نام مبارک آیا ہے۔ اور یہ بیان خاصا اہم ہے۔ اس سے بابا صاحب کے پنجابی کلام کی سند بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الشیوخ شکر گنج قدس سرہ نے زبان پنجابی میں ذکر کیا ہے" اہ دل توں" اس سے جانب علویات اشارہ ہے "اہ دل ڑں" جانب سفلیات اشارہ ہے۔ تو ہیں توں یہ اشارہ جانب اطلاق ہے۔"[۲]

اسی وجہ سے خود حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے بھی تلقین کی ہے:

"اگر مرید عجمی مرد ہو، اس کو ذکر اس کی زبان مادری میں تلقین کرنا چاہیے کہ عمدہ فائدہ پہنچے گا۔"[۳]

۳۔ مکتوبات کلیمی } حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مکتوبات، جن کا بیشتر حصہ حضرت کے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے نام ہے، ۱۳۰۱ھ میں مطبع یوسفی دہلی سے طبع ہو چکے ہیں۔ چشتی نظامی سلوک کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ خطوط نہایت اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مکتوبات میں صرف دو جگہ حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کا حوالہ آیا ہے۔ ایک موقع پر بابا صاحب کا وہ عربی خط نقل ہوا ہے جو انھوں نے کسی شخص کی سفارش کرتے ہوئے سلطان بلبن کو لکھا تھا[۴] اور یہاں اس کی عبارت قدرے مختلف ہے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے یہ محض یادداشت سے لکھا ہے خط کی صحیح شکل اخبار الاخیار میں ملے گی۔[۵]

دوسرا حوالہ بہت دلچسپ ہے:

شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ می فرمود کہ روز قیامت اگر حضرت جل شانہ بصورت خواجہ قطب الدین کہ پیر من است تجلی خواہد کرد خواہم دید والا نہ[۶]	حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن حضرت جل شانہ (خدا) اگر میرے پیر خواجہ قطب الدینؒ کی صورت میں جلوہ گر ہوگا تو میں دیدار باری کروں گا ورنہ نہیں۔

[۱] کشکول کلیمی کا اردو ترجمہ غلام احمد بریاں جھجری نے شائع کیا تھا وہی ایڈیشن ہمارے سامنے رہا ہے۔
[۲] کشکول کلیمی (اردو ترجمہ) ۲۵
[۳] کشکول کلیمی : ۱۹
[۴] مکتوبات کلیمی (مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ) ص ۱۵
[۵] اخبار الاخیار (مطبع مجتبائی دہلی) ص ۵۴
[۶] مکتوبات کلیمی : ۱۹

اس سے اپنے شیخ کی عقیدت و محبت کا کمال ظاہر ہے۔ اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے بھی متعدد مواقع پر یہی لکھا ہے کہ تصوف کا اصل الاصول محبت پر ہی ہے۔
کشکول میں ایک جگہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے اسمائے الٰہی میں سے "علیم وسمیع وبصیر" کا مراقبہ بتایا ہے جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے محبوب الٰہیؒ سے نقل کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ انھیں اپنے شیخ سے پہنچا ہو۔ وہ یہ ہے:

"نماز کے تشہد کی طرح بیٹھے اور ملاحظہ اسم علیم وسمیع وبصیر کا شیخ کی صورت کے ساتھ کرے اور ملازمت نسب حال کی کرے اور جب اس میں استقامت ہو اسی ہیئت پر بیٹھا رہے اور چشم باطن دل کی طرف رکھے اور خیال کرے کہ حق سبحانہ جل شانہ کو دیکھتا ہوں اور نظر آسمان کی طرف رکھے پھر آنکھیں کھول کر تصور کرے کہ میری روح قالب سے باہر ہو گئی اور آسمانوں سے گذر گئی اور حق سبحانہ تعالے کے ساتھ مشغول ہوئی۔ اگر کسی کو اس کام میں استقامت ہو جاوے تو اس وقت ایک دھاگا سبز ظاہر ہوگا ایک سرا اس کا ساتوں آسمان سے اوپر ہوگا اور دوسرا سالک کے دل میں ہوگا۔ اعلیٰ مرتبہ اس ذکر کا یہی ہے اور مشائخ جو پوشیدہ مشغول رکھتے ہیں وہ یہی ہے۔ اول کو مراقبہ دوسرے کو مشاہدہ تیسرے کو معاینہ کہتے ہیں۔ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہ ان اشغال کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں۔" [۱]

۴۔ خلاصۃ الفوائد حضرت شیخ فخر الدین نظامی محب النبی رحمۃ اللہ علیہ (۲۷ رجمادی الآخر ۱۱۹۹ھ) کے زمانے میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا۔ ان کے خلفاء میں حضرت میاں نور محمد مہاروی [۲] رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کی توسیع و تبلیغ پنجاب میں کی۔ میاں نور محمد مہاروی کے ملفوظات قاضی محمد عمر حکیم نے خلاصۃ الفوائد کے نام سے جمع کئے تھے چنانچہ خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے:

"قاضی محمد عمر حکیم مرحوم چند ملفوظ آں حضرت آوردہ کہ دل را نقل رسد (نضارت ؟) و دیدہ را بصارت از آں حاصل می شود" [۳]

چنانچہ اس کتاب سے متعدد اقتباسات تکملہ سیر الاولیا میں لئے گئے ہیں۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے خلاصۃ الفوائد ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور اس کے دو قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرۂ محمود شیرانی میں پائے جاتے ہیں۔ ایک ناقص قلمی نسخہ میرے پاس ہے۔ جس کی تکمیل دوسرے نسخوں کے دستیاب ہونے پر منحصر ہے۔ اس میں جابجا حضرت شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ سے متعلق حوالے ملتے ہیں ان کو یہاں اقتباس

---

[۱] کشکول کلیمی (اردو) ۲۹ - ۳۰
[۲] آپ کے حالات تکملۂ سیر الاولیاء: ۱۲۱ - ۱۲۶ میں موجود ہیں۔ (تفصیلات کے لیے تاریخ مشائخ چشت ملاحظہ ہو)
[۳] تکملہ سیر الاولیا: ۱۲۲

کیا جاتا ہے۔ یہ پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔

فرمودند کہ در لنگر حضرت شیخ فرید گنج شکر رضی اللہ عنہ میوہ دگل در ختان شور وتیخ درویشان را می دادند۔ ہم دریں باب فرمودند کہ روزے دو شخص آمدہ در خدمت حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ عرض کردند کہ مارا بیک دیگر معاملہ ہست کسے را امر فرمائید کہ اظہار ما ہر دو شنیدہ بانفصال آں پرداز د۔ پس حضرت بابا صاحب شیخ نظام الدین و شیخ بدر الدین اسحٰق را رضی اللہ عنہما۔ حکم فرمودند کہ از ایشاں مدعائے ہر واحد شنیدہ بحسب شرع شریف انفصال آں نمائید۔ پس ہر دو بزرگواراں کہ از خلفائے عظام و علمائے متبحر بودند بحسب امتثال امر شیخ خود معاملہ از ہر دو شنیدہ متعجب شدہ باز بخدمت شیخ رسیدہ معروض داشتند کہ ایشاں بایکدیگر بنحوے گفتگو کردہ اند کہ از استماع آں در رقص وگریہ آمدہ ایم۔ پس شیخ قدس سرہ در جواب فرمود کہ ایں ہر دو فرشتہ بودند برائے تعلیم شما آمدہ بودند پس شمارا باید کہ فیما بین خود چنیں لطف ونرمی باوجود نزاع در معاملہ می کردہ باشید"

(خلاصۃ الفوائد ـ قلمی)

(حضرت میاں نور محمد مہاروی ؒ نے) فرمایا کہ حضرت شیخ فرید گنجشکر رضی اللہ عنہ کے لنگر میں (خشک) میوہ اور کھاری اور کڑوے درختوں کے پھول (پیلو اور کریل) درویشوں کو دیئے جاتے تھے۔

اسی ضمن میں یہ فرمایا کہ ایک دن حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں دو شخصوں نے آکر عرض کیا کہ ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے آپ کسی کو حکم دیجئے کہ ہم دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کر دے۔ پس بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اور شیخ بدر الدین اسحٰق کو (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) حکم فرمایا کہ ان دونوں سے ان کا مدعا سن کر شرع کے مطابق طے کر دو۔ دونوں بزرگوں نے جو (بابا صاحب کے) خلفائے عظام میں سے تھے اور شریعت کے عالم متبحر بھی تھے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کا جھگڑا دونوں شخصوں سے سنا اور تعجب کرتے ہوئے پھر شیخ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ انھوں نے آپس میں اس طرح بات چیت کی ہے کہ ہم پر اسے سنکر رقص اور گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ شیخ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دونوں فرشتے تھے جو تمھیں تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ لہٰذا تمھیں بھی چاہیئے کہ آپس کے جھگڑوں کو اسی لطف و نرمی سے طے کیا کرو۔

دو درویشوں کا یہ واقعہ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں بھی نقل ہوا ہے۔ دوسرے مجموعوں میں بھی ملتا ہے۔

فرمودند کہ حضرت محبوب الٰہی در خدمت حضرت فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بشرف بیعت از دہلی آمدہ بہرہ مند گردید باز در دہلی رفت نزد بقالے کہ از و قرض بر داشتہ بود بیشتر در ادائے آں تہاون می فرمودند

فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی (حضرت فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دہلی سے آکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر دہلی گئے تو ایک بنیا تھا جس سے آپ نے قرض لے رکھا تھا اور اس کے ادا کرنے میں ڈھیل ہوتی رہتی تھی

این بار خود بخود در رفتہ از عہدہ نصف آں خود را
خلاص نمودند بقال حیران گشتہ ازاں پرسید
کہ چندیں روز کجا رفتہ بودی ؟ فرمود در اجودھن
گفت از جائے اسلام آمدی تا این
کار کردی ۔ و پس این بیت فرمودند ۔

سالکا اسلام گر آساں بدے
ہر کسے چوں شبلی و ادہم شدے

(خلاصۃ الفوائد قلمی)

اب آپ خود بخود اس کے پاس گئے اور آدھا قرض
ادا کر دیا بنیا حیران ہوا اور پوچھا کہ آپ اتنے دنوں سے
کہاں تھے ؟ فرمایا : اجودھن میں ۔ کہنے لگا کہ ٹھیک
ہے "اسلام" کے گھر سے آرہے ہو جبھی تو تم
نے ایسا کیا ۔" پھر آپ نے یہ شعر پڑھا (ترجمہ)

اے سالک اگر اسلام آسان
بات ہوتی تو ہر شخص
خواجہ شبلی اور ابراہیم ادھم
بن جایا کرتا ۔

۳ ۔ در کتابے این بے ہیچ نوشتہ دیدہ کہ حضرت
باباصاحب شیخ فریدالملۃ والدین رضی اللہ عنہ
در اول وقت قبل از بیعت پیر می فرمودند
برائے ملاقات درویشے کہ بر سر کوہ بلند
مکان خود کردہ و کنج گزیں از خلق شدہ بود
رفت بعد از حکایات کہ فیما بین کردند فرمودند
کہ دریں جا سبب روزی شما چیست ؟ وجہ وجہ
می رسد ۔ آں درویش ہم برآمد (کذا) فرمودند
کہ ایں سنگ را بردار ۔ و بر دیگرے بزن
حضرت فرمودہ او بجا آورد ۔ اتفاقاً ازاں میان کہ سنگ شکستہ
شد کرمے با برگ گیاہ سبز در دہان داشت برآمد ۔ پس
گفت دریں جا خدائے تعالیٰ ایں را روزی می
رساند و مرا نمی رساند ؟

(خلاصۃ الفوائد قلمی)

اس حقیر نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ
حضرت بابا شیخ فریدالملۃ والدین رضی اللہ عنہ
اپنے پیر سے بیعت ہونے سے پہلے کسی درویش
سے ملنے گئے جس نے ایک اونچے پہاڑ پر اپنا
گھر بنایا تھا اور خلق سے کنارہ کشی کر کے بیٹھ گیا
تھا ۔ آپ نے آپس کی بات چیت میں اس سے پوچھا
کہ یہاں آپ کی روزی کا کیا ذریعہ ہے ؟ اور وہ کس
طرح پہنچتی ہے ۔ اس درویش کو غصہ آگیا اور کہا کہ یہ
پتھر جو سامنے پڑا ہے اٹھاؤ اور اسے دوسرے
پتھر پر مارو ۔ حضرت نے اس کے کہنے کے مطابق
کیا ۔ اتفاقاً جیسے ہی وہ پتھر درمیان سے ٹوٹا ایک
کیڑا جس کے منہ میں سبز گھاس کا تنکا تھا نکل آیا
اس فقیر نے کہا کہ جب یہاں خدا اس کیڑے کو
روزی پہنچاتا ہے تو کیا مجھے نہیں دے گا ۔"

یہ واقعہ غالباً حضرت شیخ نور محمد مہاروی کا ملفوظ نہیں ہے بلکہ قاضی محمد عمر حکیم جامع ملفوظات نے
اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے یہ واقعہ راحت القلوب[۳] میں ملتا ہے ۔ اور اس کا درست ہونا بہت مشتبہ ہے ۔

۴۔ حضرت من فرمودہ است کہ از اخلاق
درویشان است اگر کسے را اذیت و درد رسد

میرے حضرت نے فرمایا ہے کہ درویشوں کا اخلاق
یہ ہے کہ جب کسی کو درد و اذیت پہنچتی ہے تو انھیں

---

۱ فوائد الفواد ؛
۲ راحت القلوب ؛
۳ راحت القلوب کے پایۂ استناد پر ایک تفصیلی مضمون اسی شمارے میں شامل ہے
۴ سیر الاولیاء ؛

او را مثل او در دمی رسد چنانچہ درویشے در خدمت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ نشستہ بود از خادم ایشان حرکتے صادر شد کہ در نظر سلطان صاحب ناپسند آمد بدن او را بہ سوط مؤلم کردند پس در ان ساعت آں درویش را ماشند آں بر بدن مبارک اثر ضرب ظاہر شد. پس فرمودند ایں معنی از ہمہ غلبہ وحدت وجود می باشد ازاں کہ نزد ایشاں وجود واحد است وایں کثرت وہمی کہ نمودار است از تکوینات و صفات آں متصور است

(خلاصۃ الفوائد. قلمی)

کبھی اس کی جیسی ہی تکلیف ہوتی ہے چنانچہ ایک درویش سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا ان کے خادم سے ایک ایسی حرکت صادر ہوئی جو سلطان صاحب کو نا پسند ہوئی اور اس شخص کے جسم پر کوڑے لگائے گئے. اس وقت اس درویش کے بدن مبارک پر بھی اس چوٹ کا اثر ظاہر ہوا پھر آپ نے (حضرت مہاروی نے) فرمایا کہ ایسا وحدت الوجود کے غلبہ سے ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وجود ایک ہی ہے اور یہ کثرت (جو نظر آتی ہے اوہمی ہے یہ اسی وجود کی صفات اور مختلف تجلیات کی (کثرت ہے.

۵- فرمودند کہ شخصے را از اولاد بابا صاحب قدس سرہ در وقت مطالعہ کتاب تشنگی غالب آمد نزد وے یک آوند پُر از روغن زرد موجود بود آں را آب تصور دیدہ بکار بردند از کمال اشتغال مطالعہ ہیچ امتیاز نہ فرمودند

(خلاصۃ الفوائد قلمی)

فرمایا کہ بابا صاحب قدس سرہ کی اولاد میں سے کسی کو کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے پیاس لگی ان کے پاس گھی سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا اسے پانی سمجھ کر پی گئے اور مطالعہ میں محویت کی وجہ سے کوئی تمیز نہ کر سکے.

(۶) فرمودند کہ سالک را باید لیل ونہار علی الدوام در تقوی و زہد و ورع کوشش بلیغ کند تا حق تعالے او را مرتبہ بیخودی نصیب گرداند کہ اہم مطالب است چنانچہ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ فرمودہ است از خود رستن و بحق پیوستن

(خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ رات دن ہمیشہ تقوی، زہد اور پرہیزگاری میں کوشش کرے تاکہ اسے بے خودی کا مرتبہ حق تعالے نصیب کرے جو سب سے بڑا مطلب ہے جیسا کہ بابا فرید گنج شکر قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ۔ "خود سے چھوڑ تو حق سے ملو۔"

(۷) ونیز قبلۂ من فرمودہ است سالک را باید کہ از سہ چیز خود را دور دارد یکے حکم قضا کردن دوم ضامن کسے شدن سوم امانت کسے نزد خود نگاہداشتن. ازانکہ ایں وصیت از پیران ما بمریدان خود جاری شدہ آمدہ است وہم فرمودند چنانکہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر

اور نیز ہمارے قبلہ (حضرت مہارویؒ) نے فرمایا ہے کہ سالک کو چاہیے کہ تین چیزوں سے خود کو بچائے ایک تو قضا کا حکم کرنا دوسرے کسی کی ضمانت دینا تیسرے کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا اس لئے کہ یہ ہمارے پیروں کی وصیت اپنے مریدوں کے لئے جاری ہوئی

بہ شیخ نظام الدین دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہما وصیت فرمودہ است چوں مہمانان ومسافران برتو آیند وترا فاقہ باشد شکر خدا تعالےٰ بجاآری کہ ایں نعمتے است بس عظیم و فرمودند کہ چنیں شیخ بمرید کامل می فرماید"
(خلاصۃ الفوائد قلمی)

آئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر نے شیخ نظام الدین دہلوی (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کو وصیت فرمائی تھی کہ جب تمھارے پاس مہمان اور مسافر آئیں اور تمھیں فاقہ ہو تو خدا کا شکر ادا کرنا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور فرمایا کہ یہ ایک شیخ نے ایک مرید کامل سے فرمایا ہے!

۵۔ **انوار الصفی** } انوار الصفی فی اظہار اسرار الجلی والخفی حکیم حسین علی خاں ردولوی[۱] کی تالیف ہے اور اس کتاب میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ت ۹۴۴ھ) کے دادا حضرت شیخ صفی الدین ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات جمع ہوئے ہیں[۲]

حضرت شاہ صفی الدین ردولوی (ت ۸۱۹ھ) حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی (کچھوچھہ) سے خلافت رکھتے تھے اور سید اشرف سمنانی، حضرت خواجہ علاء الحق بنگال سے اور انھیں مخدوم اخی سراج سے خلافت حاصل تھی جنھوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت بنگال، اڑیسہ اور آسام میں کی۔ بلکہ وہیں سے یہ سلسلہ مشرق بعید اور چین تک پہنچا تھا۔

حضرت شاہ صفی الدین کے صاحبزادے مخدوم محمد اسمٰعیل ہوئے ان کے صاحبزادے حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ ہیں۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

شجرۂ نسب حضرت مخدوم صفی الدین ردولوی

- شیخ نظام الدین
  - شیخ نصیر الدین
    - شیخ صفی الدین ردولوی
      - شیخ محمد اسمٰعیل
        - شیخ عبدالصمد (اسوہرکی)
        - شیخ عزیز اللہ
        - شیخ عبدالقدوس گنگوہی (گنگوہ)
          - حضرت شیخ رکن الدین (مولف لطائف قدوسی)
        - شیخ حبیب اللہ عرف شیخ منجھن (کھجورہ)
    - قاضی رضی الدین (قاضی ردولی)
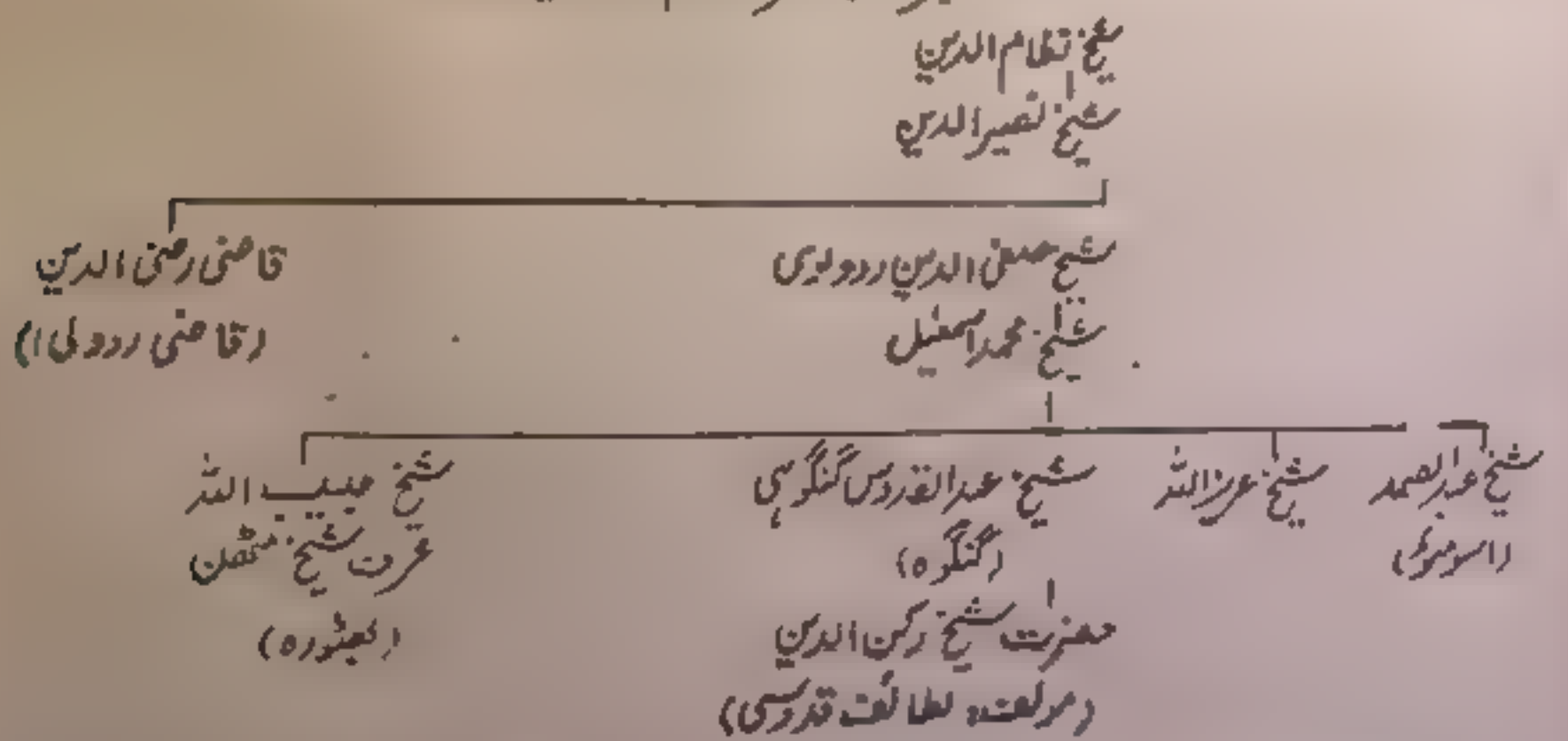
[۱] حکیم حسین علی خاں حضرت شاہ عبدالرحمٰن مرحوم لکھنوی سے بیعت ہوگئے تھے۔ شاہ صاحب کے حالات میں "انوار الرحمٰن لتنویر الجنان" مشہور ہے اور اس کا خلاصہ نور الرحمٰن صاحب بجنوری نے "نور الرحمٰن" کے نام سے کیا تھا۔ [۲] حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے متعلق ایک مفصل کتاب اعجاز الحق قدوسی کی لکھی ہوئی پاکستان میں شائع ہو چکی ہے [۳] انوار الصفی کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ مطبع گلزار محمدی لکھنؤ سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا (انوار العیون صفحات ۲۲)

انوار الصفی میں اختصار کے باوجود فن سلوک کی بہت قابل قدر معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً مخدوم صفی الدین نے ایک بار فرمایا کہ درویش اپنی خلافت کے ساتھ عصا اور خرقہ و نعلین چوبیا وغیرہ کیوں عطا فرماتے تھے: [1]

مصلّا : استقامت طاعت وعبادت کی نشانی ہے۔
تسبیح : جمعیت خاطر پر دلالت کرتی ہے۔
شانہ : دفع شر کے لئے اور نشان خیر ہے۔
عصا : اس پر دلالت کرتا ہے کہ "واحد حقیقی پر تکیہ کرنا چاہیئے۔
مقراض : قطع علائق اور امیدوں کے اختصار کی نشانی ہے۔
سوزن : پیوند کرنے کے لئے ہے۔ مگر سوئی بغیر دھاگے کے نہیں دی جاتی۔
صراحی اور کاسہ : مہمانوں کو کھلانے پلانے کی دلالت ہے۔
نمکدان وطشت : اس کی علامت ہے کہ سفرہ (لنگر) حوالے کیا گیا۔
کفش ونعلین : ثبات قدم کی دلیل ہے۔

اسی طرح ایک صحبت میں فرمایا کہ انسان (طالب خدا) اور خدا کے درمیان چار حجاب ہوتے ہیں: دنیا۔ خلق۔ نفس اور شیطان۔ پھر ان کی تشریح یوں فرمائی: [2]
دنیا آخرت کا حجاب ہے، خلق عبادت کا حجاب ہے شیطان دین کا حجاب ہے اور نفس خدا کا حجاب ہے۔

ایک بار فرمایا کہ سالک کا علم بارہ طریق (مدارج) رکھتا ہے:

علم معرفت۔ علم طاعت۔ علم مکاشفہ۔ علم مشاہدہ۔ علم خطاب
علم سماع۔ علم وجد۔ علم معرفت روح علم معرفت نفس۔ علم معرفت عقل
علم توحید، اور علم معاملت [3]

یعنی مدارج سلوک کے آخری مرحلے میں توحید کا ذوق حاصل ہوتا ہے اور تکمیل سلوک کے بعد حسن معاملت با خلق جسے "تخلقوا باخلاق اللہ" (اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کہا گیا ہے۔
انوار الصفی کے باب ششم میں ہے کہ ایک روز حضرت شیخ صفی الدین ردولوی، حضرت شیخ داؤد بابا لاہی خلیفہ [4]

---

[1] انوار الصفی : ۲۱ - ۲۲
[2] انوار الصفی : ۲۴
[3] انوار الصفی [illegible] ۲۵
[4] شیخ داؤد پالہی کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا خلیفہ نہیں سمجھا جاتا۔ ان کا تذکرہ سیر الاولیا، اخبار الاخیار وغیرہ میں ہے مگر انھیں بابا صاحبؒ کا خلیفہ نہیں بتایا گیا ہے۔ پروفیسر نظامی نے بھی (لطائف اشرفی، انیس الارواح، شیخ فرید الدین گنج شکر۔ حاشیہ ص ۶۷) میں یہی لکھا ہے۔ لیکن انوار الصفی میں شیخ داؤد کا حوالہ کئی جگہ آیا ہے اور انھیں بابا صاحبؒ کا خلیفہ لکھا ہے

حضرت گنج شکرؒ کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ان کا مزار موضع پالی میں ہے جو ردولی سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے راستے میں دریائے گھاگرا کے کنارے سید درویش قاضی سے ملاقات ہوئی اور بعد کو ان کی دختر سے آپ نے عقد کر لیا جن کے بطن سے شیخ محمد اسمٰعیل ۱۲ ربیع الثانی ۸۹۰ھ کو پیدا ہوئے۔

انوار العیون میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا حوالہ متعدد بار آیا ہے۔ ایک موقع پر حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے مکتوب کا اقتباس ہے:

.... درمقامے کہ اصحاب ولایت عمرے گذرانیدہ اند اثر نسبت کلی۔ و در مرامے کہ ارباب نہایت ہم دیگر سرانیدہ اند قدرے است اصلی ... باید کہ گاہ گاہے در حجرۂ متبرکہ کلمۂ منورہ حضرت در دریائے توحید و جوہر معادن تفرید گنج شکر فرید قدس اللہ روحہ ہم صحبت محرمانہ دارند و در یک دیگر مکالمہ دوستانہ آرند کہ آں جائے بسیار بہ فیض آباد و مہبط انوار الٰہی و منزل انوار نامتناہی است۔ زنہار زنہار ایں دولت از دست ندہند و دولت زیارت و طوف مرقد منورہ حضرت شیخ داؤد کہ قریب افتادہ است گاہ گاہے باں دولت بہرہ مند شوند۔ آں جا دو دولت اند یکے مقبرۂ حضرت داؤد کہ دروے آثار فیوضات الٰہی و اظہار واردات نامتناہی زیادہ می نماید دوم مقدم شریف حضرت گنج شکر قدس اللہ روحہ در مسجد کہ پہلوئے روضۂ متبرکہ ایشان افتادہ است بسیار نزول فرمودہ اند . . . .

جن مقامات میں اصحاب ولایت نے عمریں گزاری ہیں ان میں پوری تاثیر ہے اور جس جگہ اہل کمال نے ایک دوسرے سے ملاقات کی ہے ان کی قدر و قیمت ہے۔ واقفی تمھیں چاہیے کہ دریائے توحید کے موتی اور کان تفرید کے جوہر حضرت شیخ فرید گنجشکر قدس اللہ روحہ کی مبارک کٹیا میں بھی صحبت محرمانہ رکھو اور باہم دوستانہ بات چیت کرو۔ کیونکہ وہ ایسی جگہ ہے جو فیض سے آباد ہے اور اللہ کے انوار لا متناہی وہاں نازل ہوتے ہیں ..... خبردار خبردار اس دولت کو ہرگز ہاتھ سے نہ دینا اور شیخ داؤدؒ کا مرقد منورہ جو قریب ہی واقع ہے اس کی نعمت سے بھی کبھی کبھی بہرہ مند ہوتے رہو وہاں دو نعمتیں ہیں ایک تو یہی حضرت داؤد کا مقبرہ جس میں فیوض الٰہی کے بے پایاں آثار ہیں اور بے کراں واردات آتی ہیں۔ دوسرے حضرت گنجشکر قدس اللہ روحہ کے قیام فرمانے کی جگہ جو ان (شیخ داؤد) کے روضۂ متبرکہ کے قریب کی مسجد میں ہے اور جہاں آپ (بابا فرید) نے بہت نزول فرمایا ہے۔

اس کتاب کے دوسرے اقتباسات جن میں حضرت بابا صاحبؒ کا حوالہ ہے یہ ہیں:

(۱) حضرت صاحب بعد مرور ایام از جونپور بر اودھ تشریف آوردند دران جا با علمائے شہر ملاقی شدہ۔ فاضلے ازاں جماعت برزبان راند کہ بابا صفی الدین می دانید کہ از اولیائے کرام بعد ممات کرا تصرف باقیست؟ جواب الشّیٰ فرمودند کہ روزے از روزہائے حضوری آستانہ مقدس حضرت پیر دستگیر خود ایں مسئلہ عرض کردہ بودم۔ ارشاد شدہ بود کہ اولیاء اللہ کہ

حضرت (شیخ صفی الدین ردولویؒ) کچھ مدت کے بعد جون پور سے اودھ تشریف لائے اور وہاں شہر کے عالموں سے ملاقات کی۔ اس جماعت علماء میں سے ایک نے کہا کہ بابا صفی الدین کیا آپ جانتے ہیں کہ اولیائے کرام میں سے مرنے کے بعد کس کس کا (روحانی) تصرف باقی ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جن دنوں اپنے پیر دستگیر (حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) کے آستانہ مقدس پر حاضری دیا کرتا تھا، ایک دن میں نے بھی

پنج کس در قبور خود مانند احیاء تصرف می کنند حضرت عبدالقادر جیلانی وحضرت شیخ معروف کرخی وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی وحضرت شیخ عقیل منبجی وحضرت شیخ حیاۃ حرانی رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ۔ آں وقت عرض کردم کہ ایں تصرف مشائخاں ولایت است از مشائخاں ہند کیست ؟ فرمودند کہ تعین این مراتب خالی از بے ادبی نیست اما بیشترے از خاندان چشت را باقیست بالتخصیص حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین رضی اللہ عنہ وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی وحضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر وحضرت سلطان نظام الدین محمد اولیاء بدایونی وحضرت مخدوم الانام علاء الحق والدین بنگالی رضوان اللہ علیہم [1]

اپنے پیر و مرشد کے سامنے یہ مسئلہ عرض کیا تھا اور انھوں نے فرمایا تھا کہ اولیاء اللہ میں پانچ ہستیاں ایسی ہیں جن کا زندوں کی طرح تصرف جاری ہے ۔ یعنی حضرت عبدالقادر جیلانی ۔ حضرت شیخ معروف کرخی حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت شیخ عقیل منبجی اور حضرت شیخ حرانی (اللہ ان سب سے راضی ہو) ۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یہ تو (باہر کی) ولایتوں کے مشائخ کا تصرف ہوا ۔ ہندوستان کے مشائخ میں ایسے کون بزرگ ہیں ؟ فرمایا کہ ان مراتب کا تعین کرنا بے ادبی سے خالی نہیں ہے ۔ مگر خاندان چشتیہ میں سے بہتوں کا تصرف باقی ہے خاص طور سے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین رضی اللہ عنہ ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر اور حضرت سلطان نظام الدین محمد اولیاء بدایونی اور حضرت مخدوم الانام علاء الحق والدین بنگالی (اللہ ان سب سے راضی ہو ۔)

۲ ۔ یکے از متعلماں استفسار کرد کہ حدود ولایت ہر یک اولیاء اللہ معین است یا نہ ۔ ارشاد شد کہ در ملفوظات حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دیدہ ام کہ عبداللہ نامی قوال بخدمت حضرت گنج شکر حاضر شد ۔ بعد چند روز رخصت طلبید کہ باز بہ ملتان رود ، درخواست فاتحہ خیریت کرد کہ در راہ ملتان خوف قطاع الطریق بود ۔ حضرت گنجشکر فرمودند کہ تا موضع فلاں تعلق بما دارد و از حوض سرحد شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ است تعلق بادشاں دارد ۔ القصہ قوال مذکور بداں حوض رسید کہ از آں جا سرحد ملتان بود و تعلق بہ شیخ الاسلام داشت از جانب حوض قطاع الطریقاں با شمشیر

طالب علموں میں سے ایک نے پوچھا کہ اولیاء اللہ (میں) کی ولایت کی سرحدیں مقرر ہوتی ہیں یا نہیں ؟ ارشاد ہوا کہ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں میں نے دیکھا ہے کہ عبداللہ نامی قوال حضرت گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا چند روز کے بعد رخصت طلب کی تاکہ پھر ملتان جائے اور خیریت کے لئے فاتحہ (پڑھنے) کی درخواست کی کیوں کہ ملتان کے رستے میں بٹ ماروں کا خوف بہت تھا حضرت گنجشکر نے فرمایا کہ فلاں گاؤں تک ہم سے متعلق ہے اور فلاں حوض سے شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی سرحد ہے وہ علاقہ ان سے متعلق ہے ۔ القصہ جب یہ قوال اس حوض پر پہنچا کہ جہاں سے ملتان کی سرحد شروع ہوتی تھی اور جو شیخ الاسلام کی ولایت میں تھا حوض کے ایک جانب سے لٹیرے

[1] انوار الصوفی : ۲۲ - ۲۳

ہائے برہنہ نمودار شدند. آں وقت قوال را فرمودۂ حضرت گنج شکر یاد آمد درخواست امداد از بہاء الدین ذکریا کرد کہ ایں زمین در ذمہ ضمانت شما ہست. ہماں زماں بہ فرمان اللہ تعالیٰ دزداں کہ نمودار شدہ بودند غائب شدند. بعد چند روز عبداللہ قوال بملتان رسید و از قدم بوسی حضرت شیخ بہاء الدین مشرف گشت. ازیں واضح می شود کہ حدود ولایت ہر یک اولیاء اللہ مقرر است

ہم چنیں حکایتے دیگر حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رضی اللہ عنہ در شہر ملتان در مسجدے نزول فرمودند حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ را بنور ولایت و فراست دریافتہ خادم را نزد خواجہ صاحب فرستادند و بر محافہ سوار کردند در خانقاہ خود آوردند و در ضیافت باقصیٰ غایت کوشیدند بعد از سہ روز حضرت خواجہ فرمودند کہ دعوت بے نمک است. حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دانستند کہ جہت سماع می گویند. قوالاں را امر کردند و حضرت خواجہ و اصحاب ایشاں را در خانقاہ آوردند و خود چوبے گرفتہ بہ دربانی بر در خانقاہ ایستادند. قوالاں بہ غنا پرداختند خواجہ را حالتے درگرفت کہ بر در و دیوار تاثیرش سرایت کرد. اصحاب و متعلقان شیخ بہاء الدین زکریا عرض کردند کہ در خانقاہ شیخ خلاف شرع می شود چہ گونہ جائز داشتند. حضرت شیخ بہاء الدین زکریا فرمودند کہ ایشاں عجب دیوانہ ہستند نمی بینند کہ دربانی کسے کہ ہم چو بہاء الدین

ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے نکل آئے. اس وقت قوال کو حضرت گنج شکر کا فرمانا یاد آیا اور شیخ بہاء الدین سے مدد کی درخواست کی کہ یہ زمین آپ کی ضمانت میں ہے. اسی وقت اللہ کے حکم سے وہ لٹیرے جو نکل کر آئے تھے کہیں غائب ہو گئے. چند روز کے بعد عبداللہ قوال ملتان پہنچا اور حضرت شیخ بہاء الدین کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا.

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک اولیاء اللہ کی سرحدیں (ولایت کی) مقرر ہیں.

اس طرح دوسری حکایت. حضرت قدوۃ الکبریٰ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رضی اللہ عنہ ملتان شہر کی ایک مسجد میں نازل ہوئے. شیخ بہاء الدین زکریا کو ولایت کے نور (کشف) سے ان کے ورود کا حال معلوم ہو گیا. اپنے خادم کو خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور انھیں پالکی میں سوار کر کے اپنی خانقاہ میں لے آئے اور ان کی مہمان داری میں حد درجہ کوشش کی. تین دن کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ دعوت بے نمک رہی. حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ آپ سماع کے لئے فرما رہے ہیں. قوالوں کو حکم دیا اور حضرت خواجہ اور آپ کے ساتھیوں کو خانقاہ کے اندر بٹھایا خود ایک لاٹھی لے کر دربانی کرنے کے لئے خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے. قوالوں نے گانا شروع کیا خواجہ کو کیفیت ہو گئی حتیٰ کی اس کی تاثیر در و دیوار میں سرایت کر گئی. شیخ بہاء الدین زکریا کے اصحاب اور متعلقین نے عرض کیا کہ شیخ کی خانقاہ میں خلاف شرع کام ہو رہا ہے! اسے آپ نے کس طرح گوارا کر لیا؟ حضرت شیخ زکریا نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی عجیب دیوانے ہیں. یہ نہیں دیکھتے کہ کون شخص ہے

[1] قدوۃ الکبریٰ سے اس کتاب میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی مراد ہیں.

می کند. متعلقان مبالغہ کردند. شیخ فرمودند کہ اگر توانید بروید و در خانقاہ منع کنید آنجا در مجلس خواجہ رفتند و در سماع درآمدند چناں ذوقے و لذتے درایشاں افتاد کہ ہرگز ندیدہ بودند چوں تنزل حال شد ایشاں عرض کردند کہ در سلسلہ ارادت آرند۔ خواجہ فرمودند کہ ایں ولایت برادرم بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ در خانوادۂ سہروردیہ است اینجا مرید کردن و خلافت دادن مرا نمی باید چوں حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ در قصبہ ہانسی رسیدند جماعتے را کہ ہمراہ آمدہ بودند در قید ارادت آوردند و فرمودند کہ ایں سرحد ولایت سہروردی و چشت است ازاں رو شمایاں تکلیف دادہ بودم پس ازیں معلوم شد کہ تا قصبہ ہانسی سرحد ولایت چشت است۔“ [۱]

جب کی دربانی بہاء الدین جب سختی کر رہے مگر متعلقین نے اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو جاؤ اور خانقاہ کے اندر جاکر روک دو۔ وہ لوگ خواجہ کی مجلس میں گئے اور خود بھی سماع میں شریک ہو گئے۔ انھیں ایسا ذوق اور لذت حاصل ہوئی کہ اس سے پہلے ہرگز نہیں دیکھی تھی جب حال کی کیفیت میں تنزل ہوا تو انھوں نے درخواست کی کہ ہمیں مرید کر لیجئے۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی بہاء الدین زکریا کی ولایت ہے اور خاندان سہروردیہ کی ہے یہاں مرید کرنا یا خلافت دینا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔ جب حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ قصبہ ہانسی میں آئے تو وہ جماعت بھی آپ کے ساتھ آئی تھی وہاں آکر ان کو مرید کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ (ہانسی) سہروردیہ اور چشت کی ولایتوں کی سرحد ہے اس لئے تمھیں یہاں تک تکلیف دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصبہ ہانسی تک ولایت چشت کی سرحد ہے۔“

۳۔ روزے حضرت صاحب در مجمع یاراں بجانہ مولانا کریم الدین رونق دہ بزم بودند دراں میاں ذکر سماع افتاد مولانا سماء الدین خلیفہ حضرت قدوۃ الکبریٰ رحمہم اللہ استفسار فرمودند حضرت صاحب ارشاد کردند کہ بحضور قدوۃ الکبریٰ ایں مسئلہ در بحث آمدہ بود صورتش اینست کہ ہر مسئلہ کہ مختلف فیہ است در حلت و حرمت وے او دلیرانہ دم نزنند ازاں جملہ مسئلہ سماع است کہ مطلقاً وے را حرام و حلال نتواں گفت بغیر قیدے۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ فرمودہ اند کہ سماع علی الاطلاق نہ حلال است و نہ حرام تا ندانند کہ سماع چیست و

ایک روز حضرت (شیخ صفی الدینؒ) مولانا کریم الدین کے مکان پر احباب کی محفل میں رونق افروز تھے اس وقت سماع کا ذکر چھڑ گیا۔ مولانا سماء الدین خلیفہ حضرت قدوۃ الکبریٰ (اللہ ان پر رحمت کرے) نے سوال کیا حضرت صاحب نے فرمایا کہ حضور قدوۃ الکبریٰ (سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) کی خدمت میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو مسئلہ اختلافی ہے اس کے حرام یا حلال ہونے پر دلیری سے زبان نہیں کھولنی چاہیئے۔ چنانچہ مسئلہ سماع بھی انھیں میں سے ہے کہ اسے نہ مطلق حلال کہہ سکتے ہیں نہ مطلق حرام مگر یہ کہ مشروط کیا جائے۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ سماع نہ مطلق حلال ہے نہ مطلق حرام ہے جب تک

---

[۱] انوار الصفی: ۳۹ ـ ۴۰

مستمع کیست واین سریست از اسرار
الہی و نوریست از انوار نامتناہی تاکدام
سعادت مند بود کہ دل وے مطلع خورشید
سماع و جان وے مشرق ناہید استماع
بود ، بیت

عشق در پردہ می نوازد
عاشقے کو کہ بشنود آواز
ہمہ عالم صدائے نغمۂ اوست
کہ شنید این چنین صدائے راز

عالم جان بازد عارف محرم راز باید کہ گوش
برسماع کند لان السماع امر خفی و نور جلی
و سر لم یطلع علیہ الا المحققون الراسخون
الربانیون الواصلون العارفون باللہ ولہم
الذوق ابتداءً والرب انتہاءً

و حضرت سلطان المشائخ فرمودند کہ سماع بر
چہار قسم است یکے حلال کہ شنوندہ را تمام
میل بجانب حق باشد وسوے مجاز ہیچ
میلش نبود دوم مباح کہ جانب حق میل
او زیادہ باشد و جانب مجاز کم ۔ سوم
مکروہ کہ میل او سوئے مجاز بسیار باشد
از حق ۔ چہارم حرام کہ میل او جانب مجاز
کلیتہً بود اصلا بسوے حقیقت نہ پردازد۔ [لہ]

۴ ۔ ۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ می فرمایند
کہ شرط سماع آنست کہ دراں سہ چیز نگاہ دارد
مکان و اخوان و زمان ۔ مکان باید کہ بقعہ
مشائخ یا موضعے پاکیزہ و کشادہ و روشن باشد

یہ نہ معلوم ہو کہ سماع کیا ہے اور سننے والا کون
ہے ؟ اور یہ ایک بھید ہے اللہ کے اسرار میں سے
ایک نور ہے اللہ کے بے پایاں انوار میں سے ۔ کون سعادت مند
ایسا ہوگا جس کا دل سماع کے خورشید کا مطلع بنے اور جس کی
جان سے سماع کا ستارہ (ناہید) طلوع ہو ۔ شعر

عشق ساز کے پردے میں نوازن ہے
کوئی عاشق کہاں ہے جو یہ آواز سمجھے
تمام عالم اس کے نغمے کی آواز ہے
اس صدائے راز کو سننے والا کون ہے ؟

جاں باز عالم اور رازداں کے محرم کو سماع
سننا چاہیئے کیوں کہ : سماع ایک امر خفی ہے
ایک نور جلی ہے اور ایک بھید ہے
جس سے اہل تحقیق ، راسخ العقیدہ ، اہل اللہ واصلین
اور عارفین ہی واقف ہو سکتے ہیں ان کو ابتداء میں ذوق
ملتا ہے اور انتہا میں رب (کا وصال)

اور حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع کی
چار قسمیں ہیں ایک حلال ہے جس سے سننے والے کا
میلان تمام تر جانب حق ہوتا ہے اور مجاز کی طرف
قطعاً نہیں ہوتا دوسرے مباح ہے جس میں جانب حق
میل زیادہ ہو اور جانب مجاز کم ہو ۔ تیسرے
مکروہ ہے جس میں مجاز کی طرف میل زیادہ اور
حق کی طرف کم ہو ۔ چوتھے حرام ہے جس میں
تمام میلان مجاز کی طرف ہو اور حق کی طرف
قطعاً نہ ہو ۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
کہ سماع کی شرط یہ ہے کہ اس میں تین باتوں کا لحاظ رکھے
مکان ، اخوان اور زمان ۔ مکان تو مشائخ
کا حجرہ ہو پاکیزہ ، کشادہ اور روشن جگہ پر

لہ نیز دیکھو ، سیر الاولیاء ص ۴۹۱
دور نظامیہ : ۲۴۳

دا خوان باید کہ یاران ودرولیشان اہل تمیز وصحبت باشند وزنان باید کہ دل از کلی اشتغال خالی بود وآداب سماع آنست کہ در سماع تا ذوقے بیابی نکنی... [1]

بندگی اسمٰعیل استفسار کردند کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ برائے زیارت مزار شیخ صلاح سہروردی و شیخ صلاح صوفی کہ در قصبہ رودلی آسودہ اند بجناب تاکید می فرمائید۔ کیفیت ایں بزرگواراں رحمہم اللہ آنچہ معلوم باشد بیان فرمودہ آید۔ ارشاد شد کہ شیخ صلاح صوفی در زمان سلطنت سلطان علاء الدین خلجی از دیار کرمان بہ ہندوستان رسید عارف صاحب اسرار بود خرقہ خلافت از سلسلہ برادر کلان خود شاہ شجاع کرمانی داشت و شیخ صلاح صوفی محض محبت شیخ صلاح سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کہ صاحب ولایت ایں قصبہ رودلی بردہ و شیخ داؤد خلیفہ حضرت مخدوم فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہم کہ در موضع پالہی مئو سہ کروہ غرب رودلی آسودہ اند توطن رودلی اختیار نمودہ بودند ......

روزے حضرت صاحبؒ برائے زیارت مزار فائض الانوار شیخ داؤد خلیفہ حضرت فریدالدین گنجشکر رضوان اللہ تعالےٰ علیہما بہ موضع پالہی مئو کہ دو کروہ مغرب از رودلی واقع است تشریف بردند دراں جا از اتفاقات وقت از سید درولیش قاضی قصبہ کوبیا درکہ جانب شمال از رودلی چہار فرسنگ وکنار دریائے گھاگھرہ است

اور اخوان میں دوست اور درویش اہل تمیز ولائق صحبت ہوں اور زنان یہ کہ دل تمام اشتغال سے خالی ہو۔ اور آداب سماع یہ ہیں کہ جب تک سماع میں ذوق نہ پاؤ نہ کرو۔

بندگی اسمٰعیل (فرزند حضرت شیخ صفی الدین رودولویؒ) نے استفسار کیا کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ (سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) شیخ صلاح سہروردی اور شیخ صلاح صوفی کے مزارات کی زیارت کے لئے جو رودلی میں آسودہ ہیں، جناب کو تاکید فرماتے ہیں ان بزرگواروں کی کیفیت جیسا کہ معلوم ہو بیان فرمایئے ارشاد ہوا کہ شیخ صلاح صوفی تو سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں کرمان سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ صاحب اسرار عارف تھے اور انھیں خرقہ خلافت اپنے بڑے بھائی شیخ شجاع کرمانی سے ملا تھا اور شیخ صلاح صوفی صرف شیخ صلاح سہروردی سے محبت رکھتے تھے جو صاحب ولایت قصبہ رودلی ہیں اور شیخ داؤد خلیفہ حضرت مخدوم فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جو پالہی مئو گاؤں میں رودلی سے مغرب کی طرف تین کوس پر آسودہ ہیں انھوں نے رودلی میں توطن اختیار کیا تھا....

ایک دن حضرت صاحبؒ حضرت شیخ داؤد خلیفہ حضرت فریدالدین گنجشکر رضوان اللہ تعالےٰ علیہما کے مزار فائض الانوار کی زیارت کے لئے پالہی مئو تشریف لے گئے جو رودلی سے جانب غرب دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں اتفاق سے سید درویش سے ملاقات ہوئی جو قصبہ کوبیا در کے قاضی تھے جو رودلی سے چار فرسنگ کے فاصلے پر جانب

[1] انوار الصفی : ۸۵

ملاقات حاصل گشته قاضی صاحب بدریافت
حالات علم و زہد و تقویٰ و تجرد حضرت صاحب
از یاران ہمراہی حضرت صاحب مشورہ کردند
کہ دخترے دارم لباصاحب عصمت و عفت
اگر باچنیں شخص صاحب صورت ازدواج بندد ایں مناسب
خواہد بود یاراں حضرت باشارہ قاضی صاحب
ایں سخن بآں حضرت رسانیدند۔ حضرت صاحب
را اگرچہ خاطر از دنیا و اہل دنیا سرد بود و طبیعت
جانب تفرّد مائل - امّا بحکم کمال اتباع سنت
سنیۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ النکاح سنتی
وارد شدہ ایں امر را منظور فرمودہ بہ قصبہ کوئیلا
در تشریف بردند و ادائے ایں سنت فرمودہ
با اہلیہ خود بردولی قدوم آوردند ... "بعد چندے
فرزند ارجمند .... محمد اسمٰعیل بتاریخ دوازدہم
ربیع الثانی سنہ ہفت صد و ہشتاد و نہ ہجری
متولد شدند ... " [1]

.... اے فرزند شنیدہ ام کہ روزے حضرت سلطان المشائخ
نظام الحق والدین محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ می فرمودند
کہ طالب صادق تا راہ نرود بمنزل مقصود نرسد
و اگر کسے خواہد تا نشستہ باشد بمنزل
رسیدن نتواند۔ مجاہدہ شرط است - والذین
جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و فرمود حاصل از
مجاہدہ جذب القلوب الی غیر اللہ والاستغراق
فی طاعۃ اللہ یعنی مجاہدہ گردانیدن دل است
از غیر خدا بسوئے استغراق در طاعت خدا و نیز
سلطان المشائخ فرمودہ اند کہ صوفیاں ریاضت ہائے
قوی کردہ اند و شہوت ہا از پیش برگرفتہ و مدتے مدید
در خلوت نشستہ و دل بکلمۂ لا الہ الا اللہ پرساختہ اند۔ [2]

شمال ہے اور دریائے گھگھرے کے کنارے ہے۔
قاضی صاحب نے ان کے حالات جان کر اور
اور علم و زہد اور تقویٰ و تجرد وغیرہ کا حال دیکھ کر
حضرت کے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ میری ایک
لڑکی ہے بہت پاکیزہ اور صاحب عفت۔ اگر ایسے
شخص سے اس کا عقد ہو جائے تو مناسب ہوگا حضرت
کے ساتھیوں نے قاضی صاحب کے اشارے سے
یہ بات حضرت تک پہنچا دی۔ حضرت صاحب کا دل
اگرچہ دنیا اور اہل دنیا سے سرد ہو چکا تھا اور طبیعت
تفرد کی طرف مائل تھی مگر کمال اتباع سنت کے
زیر اثر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے: نکاح میری سنت ہے۔ اس بات کو منظور فرمایا
اور قصبہ کوئیلا در تشریف لے گئے اور اس سنت
کو ادا فرما کر اپنی اہلیہ کے ساتھ ردولی تشریف لائے
... کچھ زمانے کے بعد فرزند ارجمند .... محمد اسمٰعیل
۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ کو پیدا ہوئے۔

.... اے فرزند میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت
سلطان المشائخ نظام الحق والدین محمد بدایونی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب صادق جب تک
راستہ (مقامات سلوک کا) نہ چلے گا منزل کو نہیں
پہنچ سکتا اور اگر کوئی یہ چاہے کہ بیٹھا رہے تو منزل
کو نہیں پہنچے گا۔ مجاہدہ شرط ہے "جو لوگ ہماری راہ
میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں اپنے وصال کے راستے
دکھا دیتے ہیں" (قرآن) اور فرمایا کہ مجاہدہ کا حاصل یہ ہے
کہ دل غیر اللہ سے کھینچے اور اللہ کی عبادت میں استغراق
پیدا ہو اور سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صوفیوں
نے بہت زبردست ریاضتیں کی ہیں اور اپنی خواہشات کو
سامنے سے ہٹایا ہے اور مدتوں تک خلوت میں بیٹھے ہیں
اور دل کو کلمہ لا الہ الا اللہ سے معمور کیا ہے .....

---

[1] انوار العیون ، ۴۵

[2] انوار العیون ۵۳ - ۵۴

بابا فریدؒ کے اشلوک

(از جناب محمود نیازی)

گرو گرنتھ صاحب میں " بابا فریدؒ کے اشلوک " کے نام سے ایک علیحدہ باب ہے جس میں ملتانی زبان کے ۱۱۲ اشلوک ہیں۔ ان اشلوکوں کو حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان اشلوکوں کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی ہیں کوئی تو ان کو شیخ ابراہیم فریدؒ ثانی [1] کے بتاتا ہے اور کسی کے نزدیک یہ کسی اور شیخ ابراہیم نامی بزرگ کے ہیں اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان اشلوکوں میں شیخ ابراہیم فرید ثانی اور بابا فریدؒ دونوں کا کلام ملا ہوا ہے۔ چنانچہ مشہور پنجابی مصنف بابا بدھ سنگھ [2] کا بھی خیال ہے کہ گرنتھ صاحب میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنجشکرؒ اور شیخ ابراہیم فرید ثانی کا کلام مخلوط ہے۔ اس غلط فہمی کو پھیلانے والا ایک یورپی مورخ میکالف ہے جس نے لکھا ہے کہ گرنتھ صاحب میں بابا فریدؒ کی بانیاں اور شیخ ابراہیم کے اشلوک ہیں۔ [3] اسی بنیاد پر ہمارے یہاں کے تذکرہ نگاروں اور مورخین نے بھی شکوک کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر نظامی اپنی انگریزی کتاب [4] میں لکھتے ہیں :۔

ہمیں معاصرین کی ایک شہادت بھی نہ مل سکی کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اتنی بڑی تعداد میں اشلوک چھوڑے ہیں۔ بابا صاحبؒ کے متعلق حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے جانشینوں نے تمام حالات تفصیل سے دیے ہیں جن میں ان کی روزانہ زندگی کے معمولات اور ادبی مشاغل کی تفصیل بھی شامل ہے اگر حقیقت میں اتنے بڑے بزرگ کا یہ کام ہوتا تو اس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔" پروفیسر صاحب آگے چل کر یہ بھی تحریر فرماتے ہیں " ان اشلوکوں میں تخلص فرید استعمال ہوا ہے لیکن بابا صاحبؒ نے اپنا تخلص مسعود رکھا ہے فرید نہیں۔"

---

[1] شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کو حضرت شیخ سلیم چشتی کا مرشد طریقت بتایا گیا ہے۔ وہ دس واسطوں سے حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد میں اور جانشین تھے یہ دس واسطے اس طرح تھے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکرؒ، دیوان بدرالدین سلیمانؒ، دیوان علاؤالدین موج دریاؒ، دیوان معزالدینؒ، پیر فضل الدینؒ، خواجہ منور شاہؒ، دیوان بہاؤالدین ہارونؒ، پیر شیخ احمد شاہؒ، پیر عطاء اللہؒ، خواجہ شیخ محمدؒ اور شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ۔ شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کی وفات ۱۵۵۲ء میں ہوئی تھی۔ کتابوں میں ان کے متعدد لقب لکھے ہیں جیسے فرید ثانی، ثالث فرید، شیخ ابراہیم کلاں، براہم اور بل راجہ وغیرہ

[2] ان کی دو کتابیں معروف ہیں " بھمبیا بول " اور " ہنس چوگ "۔

[3] SIKH RELIGION BY MAX AUTHUR MACAULF 6 VLMS. 1909A.D.

[4] THE LIFE & TIMES OF FARID UDDIN GANJE SHAKAR BY PROF. K.A. NIZAMI PUBLISHED BY MUSLIM UNIVERSITY PRESS ALIGARH 1955AD P.P. 121

گرنتھ صاحب میں جو کلام بھی شامل ہے وہ گرو نانک صاحب کا جمع کیا ہوا ہے اور وہ ان کی بیجک میں بھی شامل تھا لیکن اس کلام کو گورو ارجن دیو صاحب نے ۱۵۸۱ء سے ۱۶۰۴ء تک ترتیب دیا۔ صاحب گلزار فریدی تحریر فرماتے ہیں کہ گورونانک صاحب اور شیخ ابراہیم فرید ثانی کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ ابراہیم فرید ثانی کی اجازت سے یہ کلام گرنتھ صاحب میں شامل کیا گیا تھا اجازت کی ضرورت اس لئے تھی کہ حضرت بابا صاحبؒ کے وارث اور جانشین شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ تھے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے عربی و فارسی کے علاوہ مقامی زبانوں میں بھی کوئی کلام چھوڑا تھا یا نہیں اور ایسے کلام میں انہوں نے اپنا تخلص مسعود اختیار کیا یا فرید۔ اس سلسلے میں ہمیں سب سے مستند شہادت حضرت ملک محمد جائسیؒ کی ملتی ہے۔ شرح اکھروٹ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

" حضرت خواجہ گنج شکرؒ در زبان ہندی و پنجابی لطیفے اشعار فرمودند چنانکہ در مردم مشہور اند۔ اشعار از دوہرہ و سورۃ امثال آں نمودہ "

حضرت جائسیؒ کے قول سے دو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے مقامی زبانوں میں بھی شعر فرمائے تھے اور وہ عام طور پر لوگوں میں مشہور تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اشعار دوہوں کی قسم کے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے جو کچھ علما اور خواص کے لئے ارشاد فرمایا وہ تو تاریخوں اور تذکروں میں محفوظ ہو گیا لیکن آپ کا کلام جو مقامی زبانوں میں عوام کے لئے تھا وہ عوام کے سینوں میں ہی محفوظ رہا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کو تمام اشلوک بر وقت نہ مل سکے ہوں یا انہوں نے ٹھیٹھ مقامی زبان ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیے ہوں۔

حضرت بابا صاحبؒ نے کافی عرصہ تک ملتان میں قیام فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ ۱۷ - ۱۸ سال کی عمر میں تکمیل علوم ظاہری کے لئے ملتان کے قدیم ترین مدرسہ منہاج الدین میں داخل ہوئے اور صاحب سیر العارفین کے قول کے مطابق جب تک تعلیم پوری نہ ہوئی آپ کا قیام ملتان میں ہی رہا۔ ان اشلوکوں کی زبان بھی ملتانی ہے اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشلوک آپ نے زمانۂ قیام ملتان میں ہی تصنیف فرمائے تھے جو وہاں کے لوگوں تک ہی محدود رہے اور جب چار سو برس کے بعد گرنتھ صاحب کی ترتیب ہوئی تو ان اشلوکوں کو ایک لڑی میں پرو کر شامل گرنتھ کر لیا گیا۔ اس زمانے کے صوفیائے کرام کی تعلیم و تلقین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ عوام تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے عوامی زبان کو ہی پسند کرتے تھے۔ ان اشلوکوں کے علاوہ بھی حضرت بابا صاحبؒ کا کلام ملتانی زبان میں دستیاب ہے ایک نمونہ ملاحظہ ہو

تِپی لیندی باور کی دیندی کہڑی رچ جو ماکڑہ نہ تو ی کچھی بندھتی جھج
منڈا منڈ منڈائیاں سر مونڈیں کیا ہوئے کیتنں بھیڈاں مبیاں سرگ نہ لدھی کوئی

مقامی زبانوں میں آپ نے جو بھی اشعار فرمائے ان میں تخلص فرید ہی ملتا ہے چنانچہ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے "شیخ فرید کا جھولنا" کے عنوان سے جو نظم نقل کی ہے اس میں فرید تخلص ہے۔ اس نظم کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں۔[1]

جل بادگی کرنا ہر گھڑی ایک تل حضور سوں ٹلنا نہیں اٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں
پاک رکھ توں دل کو غیر سی آج سائیں فرید کا آوتا ہے قدیم قدمی کے آونے سیں الازوال دولت کوں پاوتا ہے۔

نظامیہ سلسلہ اور خصوصاً فریدیوں میں متعدد اعمال مقامی زبانوں میں بابا صاحبؒ سے منسوب ہیں اور عام طور پر رائج ہیں مثلاً "بابا فرید کی دستک" کے نام سے جو عمل سینکڑوں برس سے چلا آ رہا ہے اس میں بھی تخلص فرید ہی استعمال ہوا ہے مسعود نہیں ملاحظہ ہو ؎

فریدا نگاری کا مری اور کاری لنس آپ بن مرجائیں گے چور باگا لیس

---

[1] اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام مصنفہ بابائے اردو مولوی عبدالحق ص ۱۲۱

فریدا چلیے بن کو قطب دلیہ بیہا گھو سانپ چور باگ بھیڑیا چاروں ڈاڑھ بندھاؤ
محمدؐ چلیے دساوری اوّل پانچا بند سانپ چور باگ بھیڑیا چاروں رستے بند

شیخ ابراہیم کا لقب فرید ثانی تھا نہ کہ تمام اسمائے ان کا کلام جہاں بھی نقل کیا جائے اس کو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ شیخ فرید کا کلام بابا فرید کی پاٹیاں ہیں۔ شیخ ابراہیمؒ سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے پیران پیر اور مورث اعلیٰ کے اسم گرامی کو اپنے تخلص کے طور پر استعمال کریں اور نہ انھوں نے ایسا کیا ہوگا۔

حضرت بابا صاحبؒ کی کاٹھ کی روٹی "مشہور ہے۔ جس کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اپنے مسلسل روزوں کا افطار اپنے لکڑی کے پیالے کو گھس کر کرتے تھے جس سے اس پیالے کے تمام کنارے ختم ہو گئے تھے اور اس نے روٹی کی مانند شکل اختیار کر لی تھی۔ مشہور ہے کسی درگاہ میں آج تک یہ روٹی موجود ہے۔ اب ایک اشلوک دیکھئے جس میں روٹی کی تلمیح واضح طور پر موجود ہے کیا اس شعر کو شیخ ابراہیمؒ سے منسوب کیا جا سکتا ہے ؎

فریدا روٹی میری کاٹھ دی، لاون میری بھکھ جنہاں کھادیاں چوپڑیاں، سوہے سہنگے دکھ

حضرت بابا صاحبؒ کا لقب "شکر گنج" ہے۔ صاحب سیرالاولیا نے اس لقب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ متواتر روزے رکھتے اور سنگریزوں سے روزہ افطار کرتے کیونکہ کوئی چیز روزے کے افطار کے لئے میسر ہی نہ ہوتی تھی دہن مبارک میں وہ سنگریزے پیچکر شکر میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ شکر کے سوداگر والا قصہ بھی معروف ہے جس کو بیرم خاں نے بھی نظم کیا ہے ؎

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کو بچپن سے ہی شکر اور مٹھاس کا شوق تھا آپ کی والدہ محترمہ ترغیب نماز کے لئے آپ سے فرماتیں " جو بچے صبح کی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اللہ تعالےٰ ان کو شکر دیتا ہے" اپنی بات کو نبھانے کے لئے وہ رات کے وقت روزانہ کاغذ کی پڑیا میں شکر رکھ کر مصلّے کے نیچے رکھ دیتی تھیں اور یہ پڑیا صبح کو نماز کے بعد بابا صاحبؒ کو مل جاتی تھی جب حضرت کی عمر دس بارہ برس کی ہو گئی اور نماز کی ترغیب کی ضرورت باقی نہ رہی تو والدہ محترمہ نے مصلّے کے نیچے شکر رکھنا بند کر دی تھی لیکن اس کے بعد بھی حضرتؒ کو غیب سے روزانہ شکر ملتی رہی۔ حضرت بابا صاحب کو شیرینی کا شوق اس درجہ تھا کہ آپکی فاتحہ مونگ کی میٹھی کھچڑی یا حلوے پر ہوتی ہے۔ اب ایک اشلوک ملاحظہ ہو جس کو کھنڈ (شکر گنج) کی تلمیح واضح طور پر موجود ہے)

فریدا شکر کھنڈ نوات گڑ ماکھیو ما جھا دودھ سبھے وستو مٹھیاں، رب نہ پجن تدھ

اس قسم کے متعدد اشلوک موجود ہیں جنہیں شکر، گڑ، مصری اور دوسری میٹھی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشلوک حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکرؒ کے علاوہ کسی اور کے نہیں ہو سکتے ہیں۔

حضرت بابا صاحبؒ اور ان اشلوکوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کو پڑھنا چاہئے:-
(۱) خزینۃ الاصفیاء (۲) جواہر فریدی (۳) گلزار فریدی (۴) سیرالاولیاء (۵) نصیحت نامہ از بابا فرید، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری عدد ۳۴۰ (۶) بالا جنم ساکھی (۷)

حضرت بابا فریدؒ کے مرشد اور چشتی اصولِ تعلیم

(پروفیسر پریتم سنگھ صدر شعبہ گورو نانک اسٹڈیز، گورو نانک یونیورسٹی امرتسر)
ترجمہ: انیس احمد فریدی فاروقی ایم اے (علیگ)

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ پہلے پنجابی بزرگ ہیں جنھوں نے خانوادۂ عالیہ چشتیہ کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ آپ ان چند نفوس قدسیہ میں سے ایک ہیں جن کی منظومات کو سکھوں کے مقدس صحیفے میں باعزت مقام دیا گیا ہے۔ بابا فرید کو پنجابی شاعری کا باوا آدم بھی مانا جاتا ہے۔ اس لئے کہ آپ نے سب سے پہلے پنجابی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اہل پنجاب نے عموماً اور سکھوں نے خصوصاً بابا فرید کا ۸۰۰ سالہ جشن ولادت بڑی شان و شوکت کے ساتھ منانے کا ارادہ کیا ہے۔

اس یادگار نے بابا فرید کے طلباء کو آپ کی حیات اور علمی تصنیفات کے متعدد پہلوؤں کا از سر نو مطالعہ کرنے کا ایک بیش بہا موقع فراہم کیا ہے۔ اسی ضمن میں راقم الحروف کو بابا فریدؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی سوانح کا مطالعہ کرنے کی رغبت پیدا ہوئی۔ اگرچہ ان بزرگوار کی عملی زندگی سے متعلق معتبر مواد دستیاب نہیں ہوتا پھر بھی یہ موضوع دلکش نظر آیا کیونکہ اس کی بدولت ان چشتی بزرگوں کے فلسفہ و طرز تعلیم کے بارے میں بصیرت حاصل ہوتی ہے جنھوں نے کتنے ہی معمولی انسانوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ مشہور و معروف روحانی شخصیتوں میں تبدیل کیا ہے۔

بابا فرید کی سوانح حیات پر جتنا ادبی مواد ہمیں فارسی، پنجابی اور اردو زبانوں میں ملتا ہے، اس میں بدقسمتی سے محض جسمانی عبادات و ریاضات شاقہ سے متعلق تفصیلات کی بھرمار نظر آتی ہے جس نے ان کے مرشد کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کے دوسرے اخلاقی، عقلی، جذباتی اور روحانی پہلوؤں کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

اس مضمون میں ایک نامکمل سی کوشش کی گئی ہے کہ پہلے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے سوانحی حقائق کے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو لیا جائے اور پھر ان حقائق سے اخذ کردہ نکات کی روشنی میں مرید اور مرشد کے اس باہمی رشتے سے متعلق بنیادی اور ضروری باتوں کو سمجھا جائے جس کو قرون وسطیٰ میں ہندوستان کے صوفی بزرگوں نے ایک بہترین تنظیم یافتہ سلسلہ کے ذریعہ قائم کیا تھا۔

(۲)

ایک رسالہ فوائد السالکین کی تالیف بابا فرید سے منسوب کی جاتی ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ بابا فرید کی اپنے پیر و مرشد شیخ قطب الدین سے ۵۸۲ھ ہجری مطابق ۱۱۸۶ء عیسوی میں ہونے والی چند ملاقاتوں اور مجلسوں کے احوال کا یادگار مجموعہ ہے

جو لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ ایسا ہی ایک اور رسالہ "دلیل العارفین" کے نام سے ملتا ہے، جس کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ یہ شیخ قطب الدین کی اپنے پیر و مرشد خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری سے ملاقاتوں اور مجلسوں کے احوال و کوائف پر مشتمل لفظاً بہ لفظاً مستند یادگار ہے۔ اگر ان دونوں کتابوں کی اصلیت ثابت اور متعین ہو جائے تو ہمارا کام بہت کچھ آسان ہو جاتا لیکن شیخ نظام الدین اولیاء نے امیر حسن سجزی کی مولفہ کتاب "فوائد الفواد" میں ان کتابوں کی اصلیت سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح شیخ نظام الدین کے خلیفہ مجاز شیخ نصیر الدین چراغ دہلی جو بعد میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے، مولانا حمید قلندر کی تالیف "خیر المجالس" میں کسی معتبر یادگار کتاب کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اس کے علاوہ شیخ عثمان ہارونی کا مجموعہ "انیس الارواح" جس کو شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی تالیف بیان کیا جاتا ہے، نیز فوائد السالکین" مولفہ شیخ فرید الدین اور "راحت القلوب" ملفوظات بابا فرید مولفہ شیخ نظام الدین اولیاء بھی ان مشتبہ ملفوظات کے زمرے میں شامل ہیں۔

ان یادگار تالیفات کے وجود سے قطعی انکار اور ان کے غیر معتبر ہونے کے پیش نظر اس مضمون نگار کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ وہ بھی ان تمام ملفوظات کو جعلی اور مشتبہ سمجھ کر چھوڑ دے اور ماخذ کی فہرست میں شامل نہ کرے۔

اس طرح شیخ قطب الدین کے سوانحی حقائق کو تیار کرنے کے لئے اس مضمون نگار کو صرف تین کتابوں یعنی امیر حسن کی "فوائد الفواد" مولانا حمید قلندر کی "خیر المجالس" اور امیر خورد کرمانی کی جامع تصنیف "سیر الاولیاء" پر اکتفا کرنا پڑا۔

مزید یہ کہ ان ماخذ میں سے کوئی بھی قطب صاحب کا ہم عصر نہیں معلوم ہوتا۔ "فوائد الفواد" کی تالیف ۱۳۰۷ء میں شروع ہوئی اور ۱۳۲۲ء میں تکمیل کو پہنچی۔ شیخ نظام الدین اولیاء جو اس کتاب کی مرکزی شخصیت ہیں اور جنہوں نے کہیں کہیں حضرت شیخ قطب الدین کا تذکرہ بڑے احترام سے کیا ہے اپنے مرشد اعظم کو ان کے زمانہ حیات میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھ سکے تھے حقیقت یہ ہے جس وقت شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین سے پہلی بار ملاقات کی ہے اس وقت شیخ کاکی کا وصال ہو چکا تھا۔

"خیر المجالس" ۱۳۵۴ء اور ۱۳۵۵ء کے درمیان لکھی گئی ہے "سیر الاولیاء" اس سے کچھ بعد کو مکمل ہوئی۔

بہر کیف ان تینوں کتابوں کے مصنفین کو ان کی کاوشوں کا اگر کوئی صلہ دیا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ انھوں نے ماخذ تک رسائی میں عموماً بڑی احتیاط، انتہائی شعور اور دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس مضمون نگار کی ان سے زیادہ قدیم اور معتبر کتب معلومات تک رسائی نہیں ہو سکی

(۳)

ذیل میں شیخ قطب الدین کے سوانحی تفصیلات سے متعلق ضروری باتوں کی ایک سلسلہ وار فہرست دی جاتی ہے۔ اس کو ماخذ اول یعنی "فوائد الفواد" کے مطالعہ کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔

(۱) شیخ نے اپنے نکاح کے تین دن کے بعد اپنی نئی نویلی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ شادی کے زمانے میں بیوی سے قربت اور اس کا حسن آپ پر اس طرح اثر انداز ہوئے کہ عبادت کے معمولات

میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ اور آپ کے اصلی مقصدِ حیات یعنی اذکار و اشغال سے توجہ ہٹنے لگی تھی۔

(مجلس ۱۴ رجب ۷۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۳۱۳ء)

(۲) غالباً زوجہ ثانیہ کے بطن سے آپ کے دو فرزند ایک ساتھ تولد ہوئے تھے ان میں سے ایک تو کم سنی ہی میں انتقال کر گیا تھا، دوسرا باپ سے مانوس نہیں ہوا اور علیحدہ رہنے لگا تھا۔

(مجلس ۷ ذوقعدہ ۷۱۰ھ مطابق مارچ ۱۳۱۱ء)

(۳) آپ نے قباچہ کو اخلاقی امداد دی تاکہ وہ ملتان کو غیر مسلم حملہ آوروں (منگولوں) کی جارحیت سے محفوظ رکھ سکے۔

(۱۷ رجب ۷۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۳۱۳ء)

(۴) آپ نے اپنی تدفین کے لئے خود ہی جگہ منتخب کی، اور مالک کو اس زمین کی پوری قیمت ادا کر دی۔

(۱۷ رمضان ۷۲۳ھ مطابق ستمبر ۱۳۲۳ء)

(۵) اواخر عمر میں آپ پورا قرآن مجید حفظ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

(۲۱ شوال ۷۱۱ ہجری مطابق فروری ۱۳۱۲ عیسوی)

(۶) ہر رات کو سونے سے پہلے تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا آپ کے معمولات میں سے تھا اور اس کی مواظبت فرماتے تھے۔

(۱۴ رجب ۷۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۳۱۳ء)

(۷) ایک مرتبہ قوالوں کی زبان سے یہ شعر سنا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(یعنی رضائے الٰہی کے خنجر سے قتل کئے گئے لوگ ہر لمحہ غیب سے نئی زندگی پاتے رہتے ہیں)

اس سے وجد طاری ہو گیا۔ وجد و کیفیت کا غلبہ اس حد تک بڑھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ متواتر ۴ دن رات آپ اسی شعر کو بار بار سنتے رہے۔ بالآخر وجد و شوق کے عالم میں رقص کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔

(۱۰ رمضان المبارک ۷۱۹ھ مطابق نومبر ۱۳۱۹ عیسوی)

(۸) وصال کے وقت آپ کے خلیفہ مجاز شیخ فریدالدینؒ موجود نہیں تھے۔ لیکن آپ نے وصیت فرما دی تھی کہ میرے انتقال کے بعد خلافت کی نشانیاں یعنی خرقہ عصا، جانماز اور نعلین شیخ فریدالدینؒ کو دیدی جائیں۔

(۱۸ ربیع الاول ۷۱۸ھ مطابق مئی ۱۳۱۸ء)

اس تمام معلومات میں خیر المجالس نے جو اضافہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) شیخ قطب الدین ترکستان کے قصبہ اوش سے کوچ کر کے یہاں تشریف لائے تھے۔

(۳۲ ویں مجلس)

(۲) اپنے والد کے انتقال کے وقت آپ محض ایک طفل مکتب تھے۔

(۳۲ ویں مجلس)

(۳) آپ شیخ فریدالدین مسعودؒ سے ملتان میں اس وقت ملے جب وہ ایک مسجد میں درسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے۔ بعد کو وہیں آپ نے انکو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔

(۶۵ ویں مجلس)

سیر الاولیاء شیخ کی سوانحی تفصیلات سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات کا اضافہ کرتی ہے:

(۱) آپ اتنے غریب تھے کہ ابتدائی زمانے میں آپ کو اپنے خورد و نوش کے لئے قرض لینا پڑتا تھا لیکن بعد میں محض توکل اور فتوح پر گزر بسر کرتے تھے۔

(۲) آپ ماہ رجب ۵۲۲ھ مطابق جولائی ۱۱۲۸ء میں بغداد کی مسجد امام ابواللیث سمرقندی کے اندر خواجہ معین الدین سجزیؒ کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل ہوئے تھے۔

(۳) آپ ہم عصر سیاسی حکمرانوں سے بالکل میں

جول نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے کئی مرتبہ التمش کا دربار کی بننے سے، انکار کیا۔ صرف ایک مرتبہ آپ نے یہ عہد توڑا اور وہ اس وقت جبکہ ایک سرکاری عہدہ دار نے "خواجہ معین الدینؒ کے فرزندوں کو، ایذا پہنچائی تو آپ نے بلبن کے دربار میں جاکر اس کو برطرف کرادیا۔

(۴) خواجہ قطب الدین کی خدمت میں اس کثرت سے لوگ رجوع ہونے لگے کہ شیخ الاسلام نجم الدین صغریؒ کی شہرت اور وقار کو زوال ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر شیخ صغریؒ نے اپنے قدیم دوست اور خواجہ قطب الدینؒ کے مرشد خواجہ معین الدینؒ سے سخت شکایت کی۔ خواجہ معین الدینؒ نے یہ طے کیا کہ وہ شیخ صغریؒ کی حیثیت کو برقرار رکھیں گے اور خواجہ قطب الدینؒ کے مرکز کو دہلی سے اجمیر کی طرف منتقل کردیں گے۔ اس پر سلطان شمس الدین التمش اور ہزاروں ساکنان دہلی نے احتجاج کیا اور اصرار کیا کہ خواجہ قطب الدین کو دہلی ہی میں رہنے دیا جائے۔ بالآخر حضرت خواجہ معین الدینؒ کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور "آپ نے اس شہر کو شیخ قطب الدین کی پناہ میں چھوڑ دیا۔"

(۵) ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق نومبر ۱۲۳۵ء کو شیخ قطب الدین کا وصال ہوا۔

(۴)

ان ماخذ سے خواجہ قطب الدین سے متعلق چند اور نکات کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) آپ نماز کے سختی سے پابند تھے۔ حتیٰ کہ جب ضعف و نقاہت سے غشی طاری رہنے لگی اور نزع کا وقت قریب آپہنچا، اس وقت بھی بروقت نماز کی ادائیگی سے غافل نہیں رہے۔

(۲) آپ پر استغراق کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کو اپنے فرزند کی صحت یابی کے لئے بھی دعا کرنے کا

دھیان نہیں آیا حالانکہ بعد میں آپ فرماتے تھے کہ اگر میں اس کے لئے خدا سے زندگی طلب کرتا تو ضرور ملتی۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے بڑی حیرت اور تعجب سے کہا تھا "یہ کیسی مشغولیت تھی۔ حقیقی دوست کے ساتھ کہ آپ نے اپنی اولاد کی زندگی اور موت تک کو بھلا دیا تھا۔"

(۳) اواخر عمر میں جب لوگ آپ سے ملاقات کرنے آتے تو تھوڑی دیر کے بعد آپ ان سے معذرت چاہتے اور پھر یاد الٰہی میں محو ہو جاتے تھے۔

(۴) ایک درجہ ایسا آیا کہ "آپ نیند سے بیزار ہوگئے" اور ہمہ وقت بیدار رہنے لگے۔ آپ نے دن اور رات کو بالکل عبادت اور یاد الٰہی کے لئے وقف کردیا۔

(۵) آپ صوم دوام (متواتر روزہ رکھنے) کے قائل نہ تھے۔ شیخ نظام الدینؒ فرماتے تھے کہ "اگر ایسا ہوتا تو شیخ فریدالدینؒ اوائل زندگی میں ہی اس پر عمل کرتے" درحقیقت شیخ قطب الدینؒ نے ایک مرتبہ بابا فرید کو بھی چلہ کرنے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ ایسے کرنے سے شہرت ہوتی ہے۔"

یہاں خواجہ معین الدینؒ کے وہ مختصر اور جامع الفاظ یاد آتے ہیں جو آپ کے لب مبارک سے اس وقت نکلے تھے جب خواجہ قطب الدین کے دہلی سے اجمیر کو ہجرت کرنے کے خلاف دہلی کے عوام نے احتجاج کرنے سے آپ کی شہرت اور مقبولیت مسلم ہوگئی تھی۔ شیخ معین الدینؒ نے دہلی ہی کو مرکز بنانے کی اجازت عطا فرمائی مگر اس وقت اشارۃً فرمایا تھا کہ "عزلت گزینی کو ترجیح دی جائے۔" شیخ قطب الدینؒ نے جواباً آپ کو یقین دلایا کہ ان کو نہ تو ریاکاری اور ظاہرداری پسند ہے اور نہ شہرت کمانے کی ہوس ہے۔

شیخ قطب الدین نے بابا فرید گوٹھے کے دور رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور یہ کہ جو کچھ غیب سے ملے اسی

سے روزہ افطار کیا جائے

(۶) کہتے ہیں کہ شیخ قطب الدینؒ نے بابا فریدؒ کو چلہ معکوس کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یہ بڑی سخت ریاضت تھی جو چالیس دن تک جاری رہی تھی۔ یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا شیخ قطب الدینؒ نے حضرت بابا فرید کی قوت صبر و برداشت، اہلیت اور جمعیت خاطر کا امتحان لینے کی غرض سے یہ ہدایات دی تھیں یا یہ ان صلاحیتوں اور خوبیوں کو ان کے اندر پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔

(۷) بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی شیخ نوجوان ہی تھے اور قصبہ اوش سے باہر نکلے بھی نہ تھے کہ آپ نے کوئی وظیفہ مقررہ تعداد میں کسی مخصوص مقام پر اس نیت سے پڑھنا شروع کیا تھا کہ خواجہ خضرؑ سے آپ کی ملاقات ہو جائے۔ لیکن اس وظیفہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ "اس کے ذریعہ مال و دولت حاصل ہو جائے تاکہ ان کا قرضہ جلد ادا ہو سکے۔"

بعد میں جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ملک اختیار الدین ایبک امیر حاجب نے کچھ نقد رقم بطور نذرانہ آپ کو پیش کی۔ مگر آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ سیر الاولیاء کے مصنف نے آپ کی قناعت اور استغنا کا بیان کرتے ہوئے یہ کرامت بھی بیان کی ہے کہ حاجب نے جب آپ کے مصلے کے نیچے نظر ڈالی تو سونے کی نہر جاری نظر آئی۔

(۸) آپ کو موسیقی کا اعلیٰ ذوق تھا اور فن شاعری کے قدردان تھے۔

(۸) یہاں شیخ قطب الدینؒ کے کشف باطن کی دو مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایک تو بابا فریدؒ کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کرتے وقت آپ نے اس صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ دوسرے جب شیخ جلال الدین تبریزیؒ آپ کے مکان کی طرف آ رہے تھے اور غلطی سے ایک تنگ اور پیچ دار راستہ پر چل پڑے تھے تو آپ نے ان کو آگاہ کیا تھا۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت تمیزہ اور قدر شناسی کی صلاحیت سے نوازا تھا۔

شیخ بدر الدین غزنوی جو آپ کے قدیم راسخ الاعتقاد اور ذی علم مریدوں میں سے تھے اور ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے آپ کے زمانے پر بابا فرید کے حق میں دعویٰ خلافت و جانشینی سے دست بردار ہو گئے۔ حالانکہ بابا فرید جہینہ کا صرف ایک عشرہ اپنے مرشد و معلم کی خدمت میں گزارتے تھے اور بقیہ ایام میں دہلی سے باہر رہتے تھے۔

(۱۰) آپ کی طبیعت میں ظرافت مزاح بھی تھا۔ آپ ایک ہی مرتبہ سلطان شمس الدین التمش سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اودھ کے حاکم رکن الدین حلوائی ایسی جگہ بیٹھ گئے جو آپ کی نشست گاہ سے بلند تھی ان کی اس حرکت پر سلطان کو غصہ آگیا۔ مگر آپ نے بطور مزاح فرمایا "جب کبھی کاک (روٹی) اور حلوہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو حلوے کو ہمیشہ روٹی کے اوپر ہی رکھا جاتا ہے۔"

(۵)

مذکورہ بالا معلومات اگرچہ قلیل ہے لیکن یہ اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ چشتی طریقۂ تعلیم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں معلم یا مرشد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ شاگرد یا مرید کے لئے وہ سب کچھ تھا اور اس کو کل اختیارات حاصل تھے معلم یا مرشد ہی نصاب تعلیم متعین کرتا تھا، وہی کتب درسیہ تجویز کرتا تھا، وہی مرید یا شاگرد کے لئے عملی امتحانات کی اقسام اور ان کی مدت مقرر کرتا تھا اور وہی حقیقی معنوں میں تعلیم کا کام انجام دیتا تھا۔ اور اس کی نگرانی کرتا تھا۔ تمام امتحانات کا طریقہ

وہی تجویز کرتا تھا، سزا کا دینا اور انعامات کی تقسیم بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ ترقی یا تنزل کے احکام بھی وہی جاری کرتا تھا۔ مرشد کو یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ وہ تحصیل وتکمیل علم کی نشانی یعنی دستار وخلعت پہننے کا مجاز کرے اور سند عطا کرکے اعزاز میں اضافہ کرے۔ بالغرض مرشد اختیارات طالبان راہ سلوک وتصوف پر ایسے اہم ، ناگزیر ، افضل اور اعلیٰ تھے کہ ان کا کوئی دوسرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مرید کو اس طرح تربیت دی جاتی تھی کہ وہ مرشد کے وجود کی ضرورت اور جواز ، لیاقت اور صلاحیت پر کامل وراسخ عقیدہ رکھے اور اس کا احترام کرے۔ اس سے امید کی جاتی تھی کہ وہ مرشد کی متابعت یا اطاعت کو بے چون وچرا قبول کرے گا۔ مرشد کی مکمل رہنمائی اسی شخص کو حاصل ہو سکتی تھی جو بد ذوق ، نکتہ چین ، معترض اور مفسد نہ ہو کیسی بدعقیدہ ، گمراہ یا اختلاف کرنے والے کو خانقاہ میں داخل کرنا خانقاہ کے آداب اور تنظیم کے منافی تصور کیا جاتا تھا۔

چشتی طریقہ تعلیم کی ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مرشد اور مرید کے درمیان گہرے اور قریبی رشتے اور رابطے پر زور دیا جاتا تھا۔ خانقاہ میں داخل ہونے والے اکثر امیدوار اپنا پورا وقت وہیں رہ کر گزارتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مرشد بڑی آسانی کے ساتھ مریدوں کی تعلیمی رفتار اور ذہنی رجحان پر نظر رکھتا تھا، اور ان کے روزمرہ معمولات اور برتاؤ کو بڑے قریب سے دیکھ سکتا تھا۔ جب مرشد کو مرید کی اہلیت وصلاحیت پر پورا اعتماد ہو جاتا تھا کہ اب یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کو مدرسہ ترک کر دینے کی اجازت دے دی جاتی تھی اور ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اپنی خود تربیت کرے مگر شرط یہ تھی کہ مرید وقتاً فوقتاً مرشد کو اپنی ترقی کے بارے میں مطلع ضرور کرتا رہے۔

چونکہ سلسلہ تعلیم مدت العمر جاری رہتا تھا اس لئے جب مرید کا مرشد سے رشتہ قائم ہو جاتا تھا تو وہ ہمیشہ باقی رہتا تھا۔ مرشد اور مرید زندگی میں ایک ایسی ممتاز ومنفرد حیثیت رکھتے تھے کہ ان کے جملہ حقوق وفرائض محفوظ رہتے تھے۔ مرید خواہ وہ مرشد کے گھر ہی کا آدمی کیوں نہ ہو۔ اس بات کو ملحوظ رکھتا تھا کہ خلوت وجلوت میں مرشد کے اور اس کے درمیان فرقِ مراتب اور امتیاز رہے اور اس کا ادب کیا جائے۔

چشتی تعلیم کا رجحان اصول اور اس پر ذاتی عمل کی طرف تھا، اور طریقہ تعلیم مثالی اور واقعاتی تھا۔ بزرگ شیوخ کی زندگی کے معمولی واقعات سے بھی اخلاقی درس حاصل کیا جاتا تھا۔ مرشد خود ایک ماہر مقرر ہوتا تھا، اور اس کی تقریر سے ان واقعات کی اثر انگیزی میں اور بھی اضافہ ہوتا تھا۔

مرشد کے ذہن میں یہ بات واضح اور روشن ہوتی تھی کہ جو تعلیم وتربیت مرید کو دی جارہی ہے، اس کا مقصد مرید کے باطن میں اقدار شناسی کا ایسا جوہر پیدا کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ باطنی یا حقیقی کے مقابلے میں ظاہری کی، باقی کے مقابلہ میں فانی کی اور روحانی کے مقابلہ میں مادی اور جسمانی قدروں کی نفی کر سکے گا۔ یہ کوئی معمولی نصب العین نہ تھا اور نہ اس کا حاصل کرنا اتنا سہل تھا۔ اس لئے مرشد نے نظام تعلیم کو کچھ اس طرح قائم کیا تھا کہ اس کے ذریعہ مرید کا جسم ، دماغ ، عقل دل ، اور روح بیک وقت مصروف کار رہتے تھے۔ قرآن مجید کا دقیق مطالعہ ، مجوزہ کتب درسیہ مثلاً عوارف المعارف کا درس عربی اور فارسی زبانوں میں لیاقت ، فقہ وحدیث کی تحصیل ، کسب حلال بے لوث خدمت زہد وتقویٰ صوم وصلوٰۃ ، ریاضات ومجاہدات ، اذکار واشغال ، توجہ ومراقبہ سماع اور شاعری ایسے ذرائع تھے جن کی بدولت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کا عمل جاری رہتا تھا۔ یہی عمل جز کو بیدار کرکے کل سے واصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا تھا۔ اسی تفنیاتی درجہ تک پہنچنے کے بعد مرشد کا ارادہ مرید کے ارادے میں ضم ہو جاتا تھا۔ اور یہی وہ منزل ہے جس کے بیان سے الفاظ عاجز ہو جاتے ہیں۔

حضرت بابا فریدؒ کے تصوف کا جمالیاتی پہلو

(از ڈاکٹر پیار سنگھ صاحب گورو نانک یونی ورسٹی امرتسر)

حضرت بابا شیخ فریدالدین گنجشکرؒ کے ملفوظ راحت القلوب کا ترجمہ بعنوان روزنامچہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکر اس وقت پیش نظر ہے۔ یہ کتاب اردو میں دوبار شائع ہو چکی ہے۔ پہلی بار سنہ ۱۹۱۱ء میں بزم فرید کے نام سے اور دوسری بار مذکورہ بالا نام سے سنہ ۱۹۲۵ء میں اس کے مترجم ملا سید محمد واحدی ہیں اور ناشر خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ روایت ہے کہ اسے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے اپنے شیخ طریقت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی زبانِ مبارک سے سن کر جمع کیا تھا۔ نئی تحقیقات کی بنا پر یہ روایت مشتبہ سمجھی جاتی ہے تاہم اس میں جو کچھ ہے وہ دوسرے مستند ملفوظات سے اخذ کردہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسے سلسلۂ فریدیہ کے دستور العمل کی حیثیت دی جاتی ہے تو کچھ غلط نہیں کیا جاتا کیونکہ اس میں شیخ کی تعلیمات بھی ہیں۔ اور ان کے ذاتی احوال اور کوائف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور جب تک تمام محققین اس کی عدم صحت پر متفق نہ ہو جائیں بابا صاحب کے نام اور کام کے ذکر میں اس اہم کتاب کو برابر دیکھا جاتا رہے گا۔

تصوف جہاں اخلاقیات کا حامل ہوتا ہے وہاں اس میں حسن و عشق کی کارفرمائیاں بھی قدم قدم پر نظر آتی ہیں۔ البتہ بعض صوفیوں کے ہاں ہم دیکھتے ہیں کہ غلبہ اخلاقیات کا زیادہ ہے۔ اور بعض کے ہاں حسن و عشق کے طوفان نظر آتے ہیں۔ جو ضابطوں اور قاعدوں کو خاطر میں کم ہی لاتے ہیں۔ حضرت بابا صاحب کے تصوف کی خوبی یہ ہے کہ جہاں اخلاقیات کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے وہیں حسن و عشق کا بازار بھی خوب گرم ہے۔ اور ان دونوں میں ایسا توازن ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ پلڑا بھاری اخلاقیات کا ہے یا جمالیات کا۔

راحت القلوب اور حضرت بابا صاحب کے دوسرے ملفوظات اور تذکروں میں ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ بابا صاحب کو بات بات پر رقت ہو جاتی ہے۔ رقت جس کے لغوی معنی "بہہ جانا" ہیں وہ قلبی کیفیت ہے جس میں انسان بے حد حساس ہو جاتا ہے۔ اور آبگینۂ دل پر ذرا سی بھی ٹھیس لگتی ہے تو وہ پھوٹ بہتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ قلب میں یہ کیفیتیں دل کا یہ سوز اور گداز سراسر عشق و محبت کا کرشمہ ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی کو کسی سے لگاؤ نہ ہو اور وہ کسی سے تعلق نہ رکھے۔ اس کے دل میں درد پیدا نہیں ہو سکتا اور لگاؤ اور تعلق ہمیشہ احساس اور جمال کا عکس ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے بابا صاحب کی رقیق القلبی دراصل ان کے شدید احساس جمال کو ظاہر کرتی ہے وہ ایسی چیزوں سے متاثر ہو جاتے ہیں ایسی باتوں پر ان کی آنکھ آنسو بہانے لگتی ہے۔ جن پر عام طور پر آنکھ نم نہیں ہوا کرتی۔۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے دل کا آئینہ اس قدر صاف شفاف ہے کہ اس پر حسن کا خفیف سے خفیف عکس بھی پوری طرح نظر آجاتا ہے اور یہ حساس جمال آنکھ کے آنسو کا روپ دھار لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ انھیں ایک دفعہ سماع یعنی قوالی کی خواہش ہوئی۔ اور انھوں نے کہا کہ گانے والے کو بلاؤ۔ اتفاق سے اس وقت کوئی گانے والا موجود نہیں تھا۔ اس لئے انھوں نے اپنے دوست شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے خطوط طلب فرمائے اور ان کو پڑھنے کا حکم دیا اور جب یہ خط پڑھے گئے ہیں تو ان پر وہی حال طاری ہوگیا بالکل ویسا ہی سرور وکیف لوگوں نے ان میں دیکھا جو سماع کے وقت ہوا کرتا تھا۔

ایک طرف ان کے احساس جمال کا یہ کرشمہ دیکھئے ہیں اور دوسری طرف سنجیدگی اور اخلاقیات کا یہ معیار کہ انہی بے تکلف دوست حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے اپنے خط میں انھیں لکھ دیا تھا کہ ہم میں اور آپ میں عشق بازی ہے حضرت بابا فرید نے ان کو فوراً جواب میں لکھا کہ ہم میں آپ میں عشق تو ہے لیکن "بازی" (یعنی کھیل) نہیں ہے!

اگرچہ لوگ ایسا نہیں سمجھتے تاہم حقیقت یہ ہے اخلاق بھی جمال ہی کا ایک روپ ہوتا ہے۔ اس کا تعلق "جمیل" کی ذات سے نہیں صفات سے ہوتا ہے۔ اور جن صوفیوں کے ہاں اخلاقیات کا غلبہ دکھائی دیتا ہے وہ دراصل صفات کے زیر اثر ہوتا ہے۔ صوفی اصطلاح میں اللہ تعالےٰ حسن مطلق ہے۔ اور وہ خیر محض بھی ہے۔ اس کے اوصاف حسنہ کو جوا ولیاء اور انبیاء کی پاک شخصیتوں سے مترشح ہوتے ہیں اخلاقیات کا نام دیا جاتا ہے۔ البتہ جو لوگ حسن ذات کے شیدائی ہوتے ہیں۔ وہ خیر وشر اونے اعلےٰ ہر چیز میں معشوق حقیقی کے جلوے ڈھونڈتے ہیں اور پاتے ہیں۔

صوفی نظریے سے مذکورہ بالا استدلال بہت حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن روزمرہ کی زندگی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب تک عاشق حسن ذات اور حسن صفات سے یکساں اثر پذیری کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اور جب تک وہ اپنی دونوں کیفیات میں توازن نہ رکھ سکے۔ اس کو ایک کامیاب اور کامل انسان کا درجہ نہیں مل سکتا۔ سماج پر دونوں کی گرفت علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ ایک جذبہ غیریت کے پردے اٹھاتا ہے۔ دوسرا خیر وشر کے فرق کو قائم رکھتا ہے۔ زندگی میں صرف غیریت کو ختم کردینا ہی کام نہیں آتا ہے۔ غیریت کے پردے اٹھا دینے والا ہر وقت جلوہ دوست میں محو ضرور رہتا ہے۔ اس کو برائی میں بھی شان خداوندی نظر آتی ہے۔ اس کے سامنے ایک کے سوا دوسرا رہتا ہی نہیں۔ لیکن انسانی سماج صرف اسی کیفیت کا طلبگار اور ضرورت مند نہیں ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ کیفیت اکثر اوقات زندگی سے فرار کا راستہ دکھاتی ہے یہ حال کسی فرد کے لئے تو مناسب ہو سکتا ہے لیکن کسی جماعت کے لئے کسی سوسائٹی کے لئے ہرگز مفید نہیں ہے۔ اس کے لئے تجلیات ذات کے ساتھ تجلیات صفات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو خیر و شر کے فرق کو قائم رکھے۔ جو اخلاقیات کے نظام کو بکھرنے نہ دے۔ جو سماج کی تعمیر کر سکے۔ ہاں اس سماج میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے فرد اور فرد کے باہمی تضاد اور دوری کو کم کرنے کے لئے ذات کی کیفیات بھی درکار ہوتی ہیں یہ کیفیات نہ ہوں تو محض اخلاقی نظام آدمی کو زاہد خشک بنا کر رکھ دے۔ آدمی کے دل سے زندگی کا سارا رس سوکھ جائے۔ آدمی کی حیثیت مشین کی سی ہو جائے اس لئے حضرت بابا صاحب جہاں شر کو رد کرتے ہیں۔ وہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ درویشی پردہ پوشی ہے۔ درویش کو چاہئے کہ آنکھیں اندھی کرے کہ برا نہ دیکھے کان بہرے کرے کہ برا نہ سنے زبان گونگی کرے کہ برا نہ بولے اور پیر توڑ کر بیٹھ جائے تاکہ ناجائز جگہ نہ جائے۔[1]

[1] روزنامچہ بابا صفحہ

یہاں بردہ پوشی اور اندھے بہرے گونگے اور لنگڑے بلنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ واقعی آدمی آنکھیں پھوڑ لے اور ٹانگ توڑ لے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے درگذر سے کام لے۔ ایک شخص نے بابا صاحب کو بہت تنگ کیا۔ کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ بابا صاحب ضبط کرتے رہے۔ برسہا برس صبر و برداشت میں گذار دیے۔ کبھی جواب میں کوئی کارروائی نہیں کی یہ جلوہ حسنِ ذات کا تھا۔ لیکن جب حد گذر گئی تو حسنِ صفات نے تجلی دکھائی اور بابا صاحب کی زبان سے کچھ ایسے الفاظ نکلے جو تیر قضا بن گئے اور شخص مذکور فالج میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

بابا صاحب کے تصرف میں احساس جمال کا یہ تناسب اور توازن ایک ایسی خصوصیت ہے جس کو ان کے جانشین کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ہاں بھی بہر، بابا صاحب کی سی چشم گریاں اور دل بریاں نظر آتے ہیں۔ بات بات پر ان کے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر وہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ بیروں سے بھی وہ اپنے پیر کے اسی حکم کے موافق پیش آتے ہیں کہ

فریدا جے تیں مارن مکیاں تنہاں نہ ماریں گھم
آپنڑے گھر جائیے پیر تنہاں دے چم

اے فرید جو تجھے اذیت پہنچائے تو اس کے جواب میں اس کو اذیت نہ پہنچا بلکہ اس کے گھر جا کر اس کے قدم چوم

شیخ نظام الدین کہا کرتے تھے کہ

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

جو مجھے رنج دے وہ خوب راحت پائے
اس کی عمر کے باغ کا ہر پھول بے کانٹے بھرے

لیکن اس عکس جمال ذات کے ساتھ ان کی پوری زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جہاں انہوں نے خیر و شر کی قید اٹھا دی ہو اور کسی کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دی ہو۔ ان کا تصرف بھی شیخ بابا فرید کے تصرف کی طرح جمال ذات اور جمال صفات سے یکساں فیضیاب تھا۔

بابا شیخ فرید شکر گنجؒ کا کلام معرفت الٰہی

(پروفیسر گوربچن سنگھ طالب)

حضرت بابا فرید صاحب کا مقام بہ حیثیت ایک روحانی پیشوا کے ہندوستان بھر میں مسلم ہے اور ان کے عقیدت مند پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور ہمارے سب ہی ہمسائے ملکوں میں موجود ہیں، مگر ان سے جو قرب پنجاب کے عوام کو ہے وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زبان اور مقام کی وحدت کے اعتبار سے جو قرب پنجاب والوں کو بابا صاحبؒ سے ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں کے لئے مشکل ہے جو یا تو ان کے بارے میں کوائف اور واقعات دوسروں کے لکھے ہوئے پڑھتے ہیں اور یا ان کے پاکیزہ کلام کو ترجمہ اور تفسیر کی زبان میں ہی جان سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بابا صاحب اپنی زبان میں جو پنجابی زبان کا ملتانی محاورہ ہے شعر گوئی کرتے تھے۔ آپ کو اس زمانے کے ظاہری اور باطنی علوم پر عبور حاصل تھا اور اس کی تحصیل کے لئے فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے ان زبانوں میں آپ قرآن، حدیث، فلسفہ، فقہ اور دوسرے علوم پر علماء سے بحث فرمایا کرتے تھے۔ مگر سادہ عوام کے ساتھ آپ ان لوگوں کی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ اس برگزیدہ مرد خدا کے عرفان سے فیض یاب ہوتے تھے دلی ہانسی اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں عرصہ تک رہنے کے سبب آپ اکثر ہندوی زبان میں بات چیت فرماتے تھے اور اس کا رنگ بھی آپ کے کلام پر ہے، اجودھن (پاک پٹن) کے علاقہ میں جو لوگ بود و باش رکھتے تھے وہ اس زمانہ میں اور اب بھی جانگلی (جنگلی) کہلاتے تھے، سوائے اپنی روزمرہ کی زبان کے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو روحانی ارتقا اور اخلاقی زندگی کے نکات کسی اور زبان میں نہیں سمجھائے جا سکتے تھے تاوقتیکہ اس زبان کا استعمال نہ کیا جائے۔ جس کے محاورہ اور الفاظ سے وہ اپنی عام زندگی میں آشنا تھے ہمارے ملک کے دیگر صوفیا سنت اور روحانی پیشوا یہی طریق استعمال کرتے رہے ہیں دوسرے ملکوں میں بھی مذہبی مبلغ اور اخلاق کے معلم اسی طرح اپنا پیغام عوام تک پہنچاتے رہے ہیں۔

مسلمان مورخین نے بابا صاحب کے فارسی اشعار کا ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں اس کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ ایک آدھ قطعہ ہندوی کا بھی ان کی تصنیف کا کہیں کہیں آیا ہے۔ اس کلام کی صحت اور واقعیت سے غالباً انکار نہیں کیا جا سکتا بزرگوں کا یہ شعار رہا ہے کہ سننے والے کی زبان اور اس کی استعداد کو سامنے رکھ کر اپنا کلام اس کے مطابق کرتے تھے۔ پنجابی زبان میں جو آپ کا کلام ہے اس کا ذکر مسلمان مورخین نے بالعموم نہیں کیا۔ جواہر فریدی میں جو جہانگیر کے زمانے کی تصنیف ہے ایک دوہا دیا ہوا ہے۔ جو بابا صاحبؒ کی تصنیف کا بتایا گیا ہے۔ اس دوہے کے الفاظ یوں ہیں:۔

دھڑ سولی تن پنجرے تمیاں تو کت کاک
اجیوں رب نہ باہڑے سر دھن اساڈے بھاگ

(میرا دھڑ سولی پر لٹکا ہوا ہے ریاضت شاقہ کے

کے سبب، اور تن پنجر بن گیا ہے کوے تلووں کو نوچ رہے ہیں، لیکن خدا اب بھی نہیں ملا! کیا کہنے ہیں اس قسمت کے!)

یہ دوہا گورو گرنتھ صاحب میں درج ایک شلوک سے ملتا جلتا ہے۔ اس کا شمار دوہاں (نوے) ہے وہ شلوک یوں ہے:

فریدا تن سکا پنجر تھیا تلیاں کھونڈ کاگ
اج سو رب نہ بہڑیو دیکھو بندے دے بھاگ

(اے فرید میرا تن سوکھ کر پنجر بن گیا ہے اور میرے تلووں کو کوے نوچ رہے ہیں۔ مگر آج تک خدا نہیں ملا۔ عجیب قسمت ہے اس انسان کی!)

بابا فرید صاحبؒ کے پنجابی کلام کو مسلمانوں نے بھلا دیا اس کے کیا سبب ہیں یہ تحقیق اور تاریخ ہی بتلا سکے گی۔ اور فی الحال اس کے لئے ذرائع فراہم نہیں کئے جا سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی وقت گورو نانک صاحب اپنی روحانی تعلیم کے پرچار کے دوران اجودھن تشریف لے گئے (جس کا نام اکبر نے پٹن یا پاک پٹن رکھا)۔ بابا صاحبؒ کے احترام سے وہاں گورو نانک صاحبؒ کی ملاقات بابا فرید صاحب کے بارھویں جانشین شیخ ابراہیم سے ہوئی۔ آپ کے ساتھ گورو صاحبؒ کی روحانی ارتقاء کے معاملے میں گفتگو گورو نانک صاحبؒ کی زندگی کے حالات کی کتاب میں درج ہے جس کا نام جنم ساکھی ہے۔ اس دوران آپ کو شیخ ابراہیم صاحب کے جد اعلیٰ اور پنجاب کے بزرگ ترین صوفی سنت بابا شیخ فرید کا کلام دستیاب ہوا۔ گورو نانک صاحبؒ نے اس کلام کو جو عوام کی زبان پنجابی میں تھا نقل فرمایا اور اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد کو یہ کلام جو فارسی حروف میں لکھا ہوا تھا، سکھ مذہب کے رسم الخط گورمکھی میں لکھا گیا۔ اور جب سترھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں گورو ارجن دیو نے جو سکھ مذہب کے پانچویں گورو تھے، اس مذہب کے مقدس صحیفہ گرنتھ صاحب کی تدوین کی تو اس میں بابا شیخ فرید صاحب کا یہ کلام بھی درج کیا گیا۔ اس وقت سے اس کلام کو احترام کے اعتبار سے وہی مقام اور مرتبہ حاصل ہے جو گورو نانک صاحب اور دوسرے گورو صاحبان کے کلام کو۔ ہر سکھ پر یہ فرض عائد ہے کہ اس کلام کا احترام کرے، جہاں یہ لکھا ہو اور پڑھا جائے اس کے سامنے ادب سے سر جھکائے اور اس کی تلاوت یا غنا کے دوران کوئی ایسی حرکت نہ کرے جیسے ہاتھوں سے تالی بجانا جس سے اس پاکیزہ کلام کے تئیں سوء ادب کا احتمال ہو سکے۔ گورو نانک صاحب کی تعلیم کے ارکان میں صلح کل، بلندی اخلاق، خدا سے وصال کی جستجو، اور انسان کو اس کے ضمیر کے اندر چھپے ہوئے گناہوں سے باخبر کرنا، یہ اور دیگر اس قسم کے جزو شامل ہیں۔ گورو صاحبؒ نے بابا صاحب کی تعلیم میں بھی یہی ارکان نمایاں دیکھے اور اسے پسندیدگی کا درجہ دیا اور اس کو اپنے دینی عقائد کی روایات میں شامل کیا۔ گورو گرنتھ صاحب میں کئی ایک بھگتوں اور بزرگوں کا کلام اسی طریق سے شامل کیا گیا ہے جس سے بابا شیخ فرید صاحب کا یہ کلام۔ ان بھگتوں میں شیخ بھیکھن، کبیر صاحب، بھگت نام دیو، سنت روی داس اور رامانند جی وغیرہ دوسرے بھگتوں کے علاوہ شامل ہیں۔ اس اعتبار سے گورو گرنتھ صاحب میں بلا تفریق ملت اور طبقہ (ذات) کے ہر وہ کلام جو دستیاب ہو سکا اور جس میں توحید، مساوات اور بلندی اخلاق کے مضمون شامل تھے درج کیا گیا۔ اس اعتبار سے بابا فرید صاحب کا کلام ایک ایسے صحیفے میں محفوظ ہے جو سکھ مذہب کا روزمرہ کا ورد ہے۔ بے شمار سکھوں کو یہ کلام سراسر زبانی یاد ہے۔ اس پر متعدد تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور اس کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو بار بار دہرایا

جاتا ہے۔ انسان کو اس دنیا کی چیزوں کی بے حقیقتی، موت کا یقینی سفر اور دنیا کے لالچ سے کنارہ کش ہو کر خدا کی طرف لو لگا کر زندگی بسر کرنے کی تلقین ہے (اس تعلیم کو بھارتی فلسفہ کے مطابق ویراگ (دنیا سے بے لطف ہو کر جینا) اور اسلامی فلسفہ میں زہد (دنیا سے منہ موڑنا) کہا گیا ہے۔ اس پاکیزہ تعلیم سے دل صاف ہوتا ہے۔ روح کو تسکین پہنچتی ہے اور پتھر سے پتھر دل پگھل کر انسانی ہمدردی اور نیکی کی جانب مائل ہوتا ہے۔

اس تعلیم کی تفصیل تو بابا صاحب کے تمام تر کلام کو پڑھ کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں دو شبد (قطعے) اور ۱۳۰ شلوک شامل ہیں۔ یہ کلام اسی ترتیب سے درج ہے جس سے گرو گرنتھ صاحب میں مندرج اور کلام۔ اس کا خاتمہ ان پاک الفاظ سے ہوتا ہے جن میں خدائے پاک کا نام لے کر اس کی رحمت اور برکت کی دعا مانگی گئی ہے یہ الفاظ ہیں۔ ایک اونکار ست گر پرشاد، (ایک پاک خدا کے نام سے ابتدا جس کا عرفان اسی کی رحمت سے ہو سکتا ہے) بابا فرید صاحب کے کلام سے چند نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کلام تمام قران تصنیفات میں مل جائے گا جو اردو انگریزی اور دوسری زبانوں میں بابا فرید میموریل سوسائٹی کی جانب سے شائع کیا گیا ہے اس انجمن کا سردفتر پٹیالہ کے مقام پر پنجابی یونیورسٹی میں ہے اور اس کی ابتدا پنجاب میں فرید کوٹ کے مقام سے ہوئی جس کی بنیاد بابا صاحب کے نام پر پڑی۔ وہاں بابا صاحب کی یاد میں ٹی ای ایل ایک ہسپتال پنجاب سرکار کی جانب سے قائم کیا گیا ہے۔

کلام بابا فرید صاحبؒ

عشقِ الٰہی: فرید، شکر کھنڈ نوات گڑ ماکھیو ماجھا دودھ

سبھے وستو مٹھیاں رب نہ پجن تدھ

(اے فرید یہ کہ شکر کھانڈ مصری گڑ شہد اور بھینس کا گاڑھا دودھ یہ سب چیزیں شیریں ہیں مگر اے خدا جو مٹھاس تیری محبت میں ہے وہ ان میں نہیں)

فریدا گلیاں چکڑ دور گھر نال پیارے نیہہ
چلاں تاں بھجے کمبلی رہاں تاں ٹٹے نیہہ
بھجو سجو کمبلی اللہ ورسیو میہ
جائے ملاں تنہاں سجناں تٹے ناہیں نیہہ

(اے فرید گلیوں میں کیچڑ ہے۔ محبوب کا گھر دور ہے۔ مگر اس کی محبت کشش کر رہی ہے۔ میں جاؤں تو کملی بھیگتی ہے پر نہ جاؤں تو پیار ٹوٹتا ہے۔ کملی بھیگتی ہے بھیگنے دو۔ مینہ برستا ہے تو اللہ کی مرضی سے جو برسے برسنے دو۔ میں ضرور محبوب سے ملوں گی میرا پیار نہ ٹوٹے)

کوئل کے منہ سے کہلواتے ہیں، سوال کے جواب میں:

کالی کوئل تو کت گن کالی
اپنے پریتم کے ہوں برہے جالی

(اے کالی کوئل تو کس کارن کالی ہو گئی ہے؟ میں اپنے محبوب کے ہجر میں جل جل کر کالی ہو گئی ہوں)

دنیا کی بے ثباتی

جت دیہاڑے دھن وری ساہے لئے لکھائے
ملک جے کنی سنیدا منہ دکھالے آئے
جند نمانی کڈھیے ہڈاں کو کڑکائے
ساہے لکھے نہ چلنی جندو کو سمجھائے
جند ووہٹی مرن ور لے جاسی پرنائے
آپن ہتھیں جول کے کے گل لگے دھائے

(جس دن موت کا مہورت ہے اور موت کا دولہا زندگی کی دلہن کو لینے آئے گا اور ملک الموت کان کر

منہ دکھائے گا۔ بے چاری زندگی ہڈیاں کر کر کا کر نکال جائے گی اس وقت جو معبود وقت ہے وہ ٹلے گا نہیں یہ اپنی زندگی کو سجھا دے۔ زندگی دلہن ہے اور موت دولھا، اس کو عقد میں لے کر لے جائے گا۔ پھر اپنے ہاتھوں سے زندگی کو رخصت کر کے کس سے گلے لگ کر تو روئے گا؟)

فریدا جے جاناں تل تھوڑڑے سنبھل مُک بھری
جے جاناں شہ نڈھڑا تھوڑا مان کری

(اے فرید اگر میں جانتی کہ زندگی کے تل تھوڑے ہیں تو سنبھل کر مٹھیاں بھرتی نہ بکھیرتی۔ اگر میں یہ جانتی کہ پیارا جوانی میں مست ہے تو میں تھوڑا غرور کرتی)

فریدا ایہنی نکی جنگھئیں تھل ڈونگر بھوئیم
اج فریدے کوجڑا سے کوہاں تھیوم

(اے فرید ان چھوٹی چھوٹی رانوں نے ریگستان اور پہاڑ کبھی عبور کئے ہیں۔ مگر آج یہ کیفیت ہے کہ وضو کا کوزہ بھی سو کوس دور پڑا دکھائی پڑتا ہے)

فریدا کتھے تینڈے ماپڑے جنھاں توں جنیوں
اوہ تینھاں دن بدلے لوں اجے نہ پتینوں

(اے فرید کہاں ہیں تیرے ماں اور باپ جنھوں نے تجھے جنا۔ وہ تو کب کے روانہ ہو گئے مگر تو ابھی تک غافل ہے)

اخلاق، انکسار

فریدا جو تے مارن مکیاں تنھاں نہ ماریں گھم
آپنڑے گھر جائیے پیر تنھاں دے چم

(اے فرید جو تجھے گھونسے ماریں ان کو تو نہ مار ان کے پاؤں چوم کر اپنے گھر جا)

فریدا چھپڑ ای دیکھ جے ساعیں لوڑیں سبھ
اک چھجے پیار ڈے تاں سائیں دے در وا ٹیئے

(اے فرید تو ذرا سنے کی گھاس بن جا۔ اگر اپنے مالک سے ملنا چاہے۔ ٹوٹ پھوٹ کر ایسے ہو جا کہ پاؤں تلے کچلا جائے، تب کہیں مالک کا در نصیب ہو گا)

فریدا صاحبی کر چاکری دل دی لاہ بھرانْد
درویشاں نوں لوڑیئے رکھاں دی جیراند

(اے فرید مالک کا بردہ ہو جا، دل سے اور سب بھرم نکال دے۔ درویشوں کو درختوں کی طرح بردبار ہوتا ہے جو گرمی سردی اور کلہاڑے کی ضرب سہتے جھیلتے ہیں)

اک پھکا نہ گالائے سبھناں میں سچا دھنی
ہیاؤ نہ کیہی ٹھاہ مانک سبھ امولوییں

(کسی سے دل کو دکھانے والی بات نہ کہہ۔ سب میں وہ سچا مالک بستا ہے۔ کسی کا دل نہ توڑ، سب انسان بے بہا موتی ہیں)

سبھناں من مانک ٹھاہن مول مچانگواں
جے تو پریا دی سک ہیاؤ نہ ٹھاہے کہیں دا

(سب کے دل موتی ہیں کسی کو توڑنا اچھا نہیں۔ اگر تجھے پیارے سے ملنے کی تمنا ہے تو کسی کا دل مت توڑ)

شیخ فرید گنج شکرؒ

(پروفیسر محمد مجیب)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ سچا دوست وہ ہے جو سوچتا رہے کہ دوست کے لئے وہ کیا کر سکتا ہے اور جس کا اس طرف خیال ہی نہ جائے کہ دوستی سے خود اس کو کیا حاصل ہوگا۔ یہی سچی محبت کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ محبت کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے آدمی اپنے آپ کو بھول جائے۔ سب کچھ دے اور بدلے میں کچھ نہ مانگے، یہ بھی نہ چاہے کہ محبت کے بدلے اس سے محبت کی جائے۔

ماں باپ، بھائی بہن، بیوی، شوہر، دوست سب محبت کے دعویدار ہوتے ہیں مگر یہ محبت جذبات کا فریب بھی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں بے غرضی کی بنیادی شرط پوری نہیں ہوتی، اور جب کبھی محبت کی وجہ سے نقصان یا دکھ پہنچنے لگتا ہے تو سب مجبور ہو کر سوچتے ہیں کہ انھوں نے کیا دیا اور اس کے بدلے میں انھیں کیا ملا، اور کیا نہیں ملا۔ یہ ایک قدرتی بات ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں۔ انسان فائدہ کا امیدوار نہ ہو نقصان اٹھانے پر بھی تیار رہو تب بھی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ جس سے گزرنے کے بعد اس کا صبر اور تحمل جواب دے دیتا ہے۔ تب محبت کے لئے کوئی سہارا نہیں رہتا۔ طبیعت دنیا سے آدمیوں سے بیزار سی ہو جاتی ہے۔ ایک منزل تک انسان سے انسان کی محبت رہنما کا کام کرتی ہے اور یہ سمجھنا صحیح ہوتا ہے کہ خدا سے محبت اسی کو ہو سکتی ہے جو انسانوں سے محبت کرتا ہو۔ مگر اس منزل کے آخر تک پہنچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے سچی محبت وہی کر سکتا ہے جسے خدا سے اور صرف خدا سے محبت ہو۔ ایک منزل پر انسان محبت کے معاملوں میں اپنے رجحان اپنی طبیعت کے مطابق چلتا ہے، اپنے اختیار سے کام لیتا ہے۔ چاہے زبان سے وہ کہے کہ عشق پر زور نہیں، اس کے آگے جو منزل ہے وہاں محبت یا تو فنا ہو جاتی ہے یا خدا کا حکم بن جاتی ہے۔

آج کل خدا اور انسان کے درمیان ملت اور شریعت کی دیواریں اس طرح حائل ہیں کہ یہ سمجھنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے کہ خدا کا حکم کیا ہے اور اس حکم کی تعمیل کیسے کی جا سکتی ہے۔ لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا حکم کیا ہے اپنے دل کے سوا ہر جگہ نظر دوڑاتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ وہ بھی قانونی حکم کی طرح کچھ ہوگا، اور کہیں لکھا ہوا مل جائے گا، بے شک وہ لکھا ہوا بھی ملتا ہے، مگر اسے وہی سمجھ سکتا ہے جس نے پہلے اپنے ذہن اور اپنے دل کو پاک کر لیا ہو اور رضا جوئی کی مشق کر کے بصیرت حاصل کی ہو۔ اکثریت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ خدا کا حکم بیان کرنے کی ذمہ داری کسی اور پر ڈال دے۔ لیکن ایک زمانے میں ایسے آزاد بندے بھی ہوا کرتے تھے جنھیں کسی دوسرے کا ایسا توسط گوارا نہ تھا جو ان کے اور خدا کے درمیان غیریت کی دیوار بنا کر کھڑی کر دے وہ ایسے رہنما کو تلاش کرتے جو ان کے دل کی بات کو سمجھ سکتا، توبہ کرتے، یعنی علم کی خاطر دنیا سے بالکل منہ پھیر لیتے، فاقے کر کے پیٹ کی غلامی سے نجات حاصل کرتے، مسلسل عبادت کر کے اپنے الگ وجود کا احساس مٹا دیتے یہ سب تیاری تھی۔ اس منصب کا حق ادا کرنے کے لئے جسے دل کو دریافت کرنا یعنی خواہش اور غرض کی آلودگی

کو دور کر کے دلوں تک پہنچا اور "تالیف قلوب"، یعنی بگڑے اور بچھڑے اور سہمے اور خود غرض یا غرور میں ڈوبے ہوئے دلوں کا ملانا، ایک لڑی میں پرونا تھا۔ یہ کام صرف محبت کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ لیکن کوئی محبت کرنا چاہتا تو کیسے کرتا۔ حکومت اور اقتدار کی ہوس ایسی تھی کہ حاکموں کے ہاتھ بے گناہوں کے خون میں ڈوبے رہتے تھے۔

شیخ فرید گنج شکرؒ ۱۱۷۳ء میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ۱۲۶۵ء میں وفات پائی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب دہلی کی سلطنت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور تلوار کے زور پر ہی قائم رہ سکتی تھی۔ شیخ فرید کے ایک ہم عصر شیخ کمال الدین زاہد تھے جن کی دینداری ان کے علم کی طرح ہر طرف مشہور تھی۔ سلطان بلبن نے ان کو دربار میں بلایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ جامع مسجد کی امامت قبول کریں۔ انھوں نے انکار کر دیا، اور جب سلطان نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ مسلمانوں کے پاس بس ایک چیز، ان کی نماز باقی رہ گئی ہے، کیا بادشاہ چاہتا ہے کہ وہ بھی ان سے چھین لے؟ دراصل عالموں کا یہ منصب تھا کہ دینی قدروں کو اپنی زندگی میں نمایاں کریں۔ مگر یہ محبت کا پیغام کس کو اور کیسے سناتے جب لوگ حکومت کے دست نگر تھے۔ اور ان کا سارا وقت ایک دوسرے سے جھگڑنے میں گزرتا تھا۔

جون پور کے دو عالموں میں اس بات پر بحث شروع ہوئی کہ بلی کی رال پاک ہوتی ہے یا نجس اور ختم ہوئی ایسی گالی گلوچ پر جس نے پوری بستی کو شرمندہ کر دیا۔ محبت کے آداب سیکھنے کا آرزومند سوداگروں میں جا کر بیٹھتا تو دیکھتا کہ وہ عالموں سے بھی زیادہ حکومت اور حاکموں کے دست نگر ہیں اور دستکاری کرنے والے خود اس کے محتاج تھے کہ کوئی ان کے دکھ درد کو سنے۔ وہ لوگ جو دنیا سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھے عبادت کرتے اور دلوں کی دریافت اور تالیف قلوب میں مشغول رہتے، ایک بڑا ہی نایاب اور مفید کام کرتے جسے کرنے کے لیے بڑی ہمت درکار تھی اور جو کسی اور طریقے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انھوں نے دنیا کو چھوڑا تو محبت کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑا۔

شیخ فرید شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ ان کی طبیعت سخت ریاضتیں کرنے کی طرف مائل تھی اور ان کے پیر انھیں ٹوکتے رہتے تھے۔ کہ زیادہ ریاضت کرو گے تو لوگوں کو خیال ہوگا کہ تم انھیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو۔ شیخ فرید کو جب خلافت نامہ مل گیا تو انھوں نے اجودھن کو اپنا مرکز بنایا اور وہیں توکل کی زندگی گزارتے رہے۔ انھوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اور ان کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ جن کی تاریخی سند بہت کمزور ہے مگر ہمیں کافی ایسی باتیں معلوم ہیں جن کے سہارے ان کی زندگی کا نقشہ بنایا جا سکتا ہے۔

جب وہ مرید ہو چکے تھے تو ایک مرتبہ شیخ فریدؒ نے اپنے پیر سے پوچھا کہ بہت سے لوگ تعویذ لکھوانے آتے ہیں، فرمائیے کیا کروں۔ پیر نے جواب دیا کہ معاملہ نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تمھارے۔ تعویذ پر خدا کا نام ہوتا ہے لکھ دیا کرو۔ آج کل ہم تعویذ لکھوانے کے قائل نہیں ہیں۔ بیمار ڈاکٹر کے پاس یا ہسپتال میں جاتا ہے۔ جسے اپنا کوئی کام کرانا ہوتا ہے وہ درخواستیں لکھتا ہے سفارش کرتا ہے، ایک طرح سے کام نہیں بنتا تو کسی دوسری طرح سے کوشش کرتا ہے۔ آج کل ایسی آسانیاں ہیں جو پہلے نہیں تھیں۔ پھر بھی لوگ پریشان رہتے ہیں اور انھیں اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ اور آج کل کسے فرصت ہے کس کو کہ بیٹھ کر دکھ درد کی باتیں سنے۔ ایسی باتیں سننا اور سنتے رہنا، ہر مصیبت زدہ سے جو ان کے پاس آتا ہمدردی کرنا، شیخ فریدؒ اور ان کے جیسے قدم

حصول اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسی تعویذ لکھنے کے کام کو لیجئے۔ شیخ فرید اسے برسوں کرتے رہے۔ پھر انھوں نے اسے اپنے مرید شیخ نظام الدین اولیاؒ کے سپرد کر دیا۔ وہ دیکھنے لگے کہ اس میں کتنا وقت لگتا ہے۔ اور اسے اپنے ذمے لیتے ہوئے گھبرائے۔ بابا شیخ فریدؒ نے فرمایا، تم ابھی سے پریشان ہو، جتنی دعائیں لکھنی ہوں گی اس وقت کیا کروگے۔ جب بہت سے حاجت مند تمہارے دروازے پر آئیں گے اور تم سے دعاؤں کی درخواست کریں گے۔ ایک موقعے پر ایک اور آدمی شیخ فریدؒ کے پاس آیا۔ اس کے بیمار بھائی کی حالت بہت خراب تھی۔ اس نے اپنی پریشانی بیان کی۔ شیخ فرید نے فرمایا، تمہاری جو حالت اس وقت ہے ویسی حالت میری تمام عمر رہی ہے۔ لیکن میں نے کسی کو بتایا نہیں اس پر بھی ایسے لوگ تھے جنھیں شیخ فریدؒ کی توجہ کافی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

یک مرتبہ ایک بوڑھے فراش نے ان سے کہا شیخ فریدؒ تم ملنے والوں سے کچھ بیزار سے لگتے ہو خدا کا شکر ادا کرنے کا بہتر طریقہ اختیار کرو۔ شیخ فریدؒ نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

ان کی ہدایتوں میں سے ایک یہ تھی کہ بھلائی کرنے کے بہانے ڈھونڈتے رہا کرو۔ بھلائی کرنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ سب اپنی تنگیوں اور پریشانیوں اور خواہشوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ شخص بہت خوش قسمت ہے جسے بھلائی کرنے اور اس طرح محبت کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا موقع ملے۔ فراش نے ٹھیک کہا تھا کہ اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ لوگ آتے ہیں، اپنا دکھ درد بیان کرتے ہیں اور دل پر محبت کا اثر لے کر واپس جاتے ہیں۔

ترتیلی ترجمہ قرآن مجید

از

شمس العلماء امام المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ورتل القرآن ترتیلا (اور پڑھ کر قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر) مگر عام طور پر مسلمان اس حکم سے غفلت برتتے ہیں حضرت خواجہ حسن نظامیؒ صاحب نے قرآن مجید کی کتابت ایک خاص طریقے سے اس طرح کرائی ہے کہ قرآن مجید کے اس حکم ترتیل کو پوری طرح ملحوظ رکھا جا سکے اور پھر پورے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے اور متن کا خط اس قدر جلی اور روشن رکھا گیا ہے کہ کمزور نظر والے بھی آسانی سے تلاوت کر سکیں اور ترجمہ پڑھ لیں نیز یہ کہ ترجمے پر بھی اعراب لگا دیے ہیں تاکہ جو لوگ محض ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں اور اردو رسم الخط سے ناواقف ہیں وہ بھی زیر زبر کی مدد سے ترجمہ پڑھ لیں اور قرآن مجید کے معنوی خزانوں سے مستفید اور مستفیض ہوں یہ ترجمہ لفظی ہے اور علیحدہ علیحدہ خانے کھینچ کر لکھا گیا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص آسانی سے معلوم کر لیتا ہے کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے۔ اور اس طرح بہت جلدی اسے عربی زبان سے واقفیت ہو جاتی ہے پھر کمال یہ ہے کہ لفظی ترجمہ ہونے کے باوجود عبارت کے ربط اور روانی میں کہیں فرق نہیں آیا ہے اور مفہوم بالکل واضح اور صاف سمجھ میں آتا ہے۔

اس قرآن مجید کا تیسرا ایڈیشن بھی اب ختم ہونے کے قریب ہے سائز منادی سے بڑا ہے۔ صفحات ایک ہزار دو سو۔ عمدہ کاغذ عکسی طباعت دیدہ زیب اور مضبوط جلد ہدیہ چالیس روپے علاوہ محصول۔

خواجہ اولاد کتاب گھر۔ درگاہ حضرت نظام الدین نئی دہلی

حضرت بابا فریدؒ کے خلفاءؒ

پروفیسر خلیق احمد نظامی فریدی، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
(ترجمہ: جناب انیس احمد فریدی فاروقی ایم۔اے علیگ)

سیر الاقطاب کے مصنف نے حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر بتائی ہے[۱] مگر امیر خوردؒ نے صرف مندرجہ ذیل خلفاء کا حوالہ دیا ہے:

(۱) شیخ نجیب الدین متوکلؒ
(۲) مولانا بدر الدین اسحاق
(۳) شیخ جمال الدین ہانسویؒ
(۴) شیخ نظام الدین اولیاءؒ
(۵) شیخ عارفؒ
(۶) شیخ علی صابرؒ
(۷) مولانا فخر الدین صفاہانیؒ[۲]

متاخرین نے اس فہرست میں چند اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ شیخ اللہ دیا اور مولانا معین الدین عبد اللہؒ (مولف معارج الولایت) نے شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ، شیخ وہارؒ، شیخ زین الدین دمشقیؒ، شیخ علی شکر ریزؒ

---

[۱] سیر الاقطاب صفحہ ۱۶۵
معین الدین عبد اللہ (معارج الولایت قلمی جلد ا صفحہ ۲۶۷) شیخ فرید کے خلفاء کے بارے میں عجیب بیانات دیتے ہیں ان کے قول کے مطابق بابا فریدؒ کے ۱۰۰۰ بری، ۸۰۰۰ بحری، ۴۰۰ ہوائی، ۴۰۰ فضائی، اور ۴۰۰ کوہ قاف پر خلفاء تھے۔ یہ بیان توہمات سے پر ہے اور ہمارے التفات کے لائق نہیں۔
[۲] سیر الاولیاء (صفحہ ۱۵۵ — ۱۶۷)
سیر الاولیاء صفحہ ۲۲۵ پر شیخ فخر الدین صفاہانی کا نام بر سبیل تذکرہ دیا گیا ہے مفصل حالات نہیں ملتے۔ وہ بلگرام میں سکونت رکھتے تھے۔ شیخ کے ایک اور خلیفہ شیخ واحد تھے۔ سید محمد گیسو درازؒ ان کو بابا فرید کا خلیفہ تحریر فرماتے ہیں (جوامع الکلم) مگر ان بزرگ کے بھی مفصل حالات دستیاب نہیں ہوئے۔
[۳] آپ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کے مخصوص خلفاء میں تھے بقول اللہ دیا انھوں نے بابا فرید سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا لیکن متقدمین نے اس قول کی تصدیق نہیں کی۔
[۴] سیر الاقطاب (صفحہ ۱۷۷) مگر متقدمین سے کسی نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔
[۵] سیر الاقطاب (صفحہ ۱۷۷) بقول معین الدین عبد اللہ، شیخ زین الدین بابا فرید کے اخلاف میں تھے (معارج الولایت قلمی صفحہ ۲۸۳ جلد ا)
[۶] سیر الاقطاب کے سوا کسی کتاب میں شیخ علی شکر ریز، شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج و شیخ جمال کامل کا ذکر نہیں ہے۔ بقول معین الدین عبد اللہ غالباً شیخ علی صابر اور شیخ علی دمشقی ہی، شیخ علی شکر ریز اور شیخ علی شکر بار کے نام سے مشہور ہوئے۔ معارج الولایت جلد ا صفحہ ۲۶۷)

شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج، شیخ جمال کامل، داؤد[1] پالہی، محمد شاہ غوری، مولانا محمد ملتانی[2]، مولانا علی بہاری[3]، محمد نیشاپوری[4]، مولانا حمید الدین[5]، شیخ یوسف[6]، شیخ منتخب الدین[7]، شیخ علی لاحق[8] اور مولانا تقی الدین[9] کو بھی حضرت کے خلفاء میں شامل کیا ہے، مگر چونکہ متقدمین سے کسی مصنف نے اس کی توثیق نہیں کی اس لیے متاخرین کی دی ہوئی اس فہرس کو

---

[1] مولانا داؤد پالہی مشہور مرید و معتقد تھے مگر شیخ فرید کے خلفاء میں نہ تھے۔ مختلف تذکروں میں آپ کے زہد و تقویٰ کی تعریف کی گئی ہے۔ کتب تصوف میں ان کے بارے میں خیر المجالس (صفحہ ۱۱۹-۱۲۰) اخبار الاخیار (صفحہ ۸۰) گلزار ابرار (قلمی) اور معارج الولایت قلمی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] فوائد الفواد اور سیر الاولیاء دونوں نے ان کو شیخ فرید کا مخلص اور معتقد بیان کیا ہے۔ شیخ نے ان کو خلافت عطا نہیں فرمائی۔

[3] مولانا محمد ملتانی کا نام فوائد الفواد صفحہ ۵۵ پر مذکور ہے۔ کبھی کبھی وہ شیخ فرید کے جماعت خانے میں آتے تھے۔ معاصرین میں سے کسی نے معین الدین عبد اللہ کے اس قول کی کہ وہ شیخ کے خلفاء میں سے تھے تصدیق نہیں کی۔ (معارج الولایت صفحہ ۲۵۸)

[4] مولانا علی بہاری کا سرسری حوالہ فوائد الفواد میں ملتا ہے۔ نہ معلوم معین الدین عبد اللہ نے کس بنیاد پر انکو شیخ کے خلفاء میں شامل کر دیا ہے، یہ کہ وہ شیخ کے محبوب خلیفہ تھے اور اسی وجہ سے انھوں نے قبرستان میں جا کر شیخ کی صحت یابی کے لیے دعا کی تھی ان کا خلیفہ ہونا ثابت نہیں کرتا۔

[5] محمد نیشاپوری۔ متقدمین نے ان کو شیخ کا مرید تحریر کیا ہے (فوائد الفواد صفحہ ۶۰) لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خلافت پر فائز تھے۔

[6] مولانا حمید الدین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شیخ سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ نے ان کو کسی گاؤں میں قیام کرنے کے لیے فرمایا تھا: "تو دراں دیہ برو، ساکن شو کہ تو ایں زمان مثل ستارہ شدی کہ ستارہ در مقابل مہتاب نور ندہد تو دراں دیہ برو ساکن شو" (فوائد الفواد صفحہ ۲۰۵)

[7] شیخ یوسف: (فوائد الفواد صفحہ ۳۲-۳۱) سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ نے کوئی روحانی خدمت ان کے سپرد نہیں کی۔

[8] شیخ منتخب الدین۔ آپ کا خلیفہ ہونا قرین قیاس ہے، اگرچہ متقدمین میں سے کسی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے۔ بقول امیر خورد جب بابا فرید نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا تو ہدایت فرمائی کہ وہ اسکو ہانسی میں شیخ جمال الدین کو اور دہلی میں قاضی شیخ منتخب کو دکھا دیں (سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۶) اس کا مطلب یہ ہے شیخ منتخب ان قدیم خلفاء میں سے تھے جن پر شیخ کو پورا اعتماد تھا۔ بقول معین الدین عبد اللہ وہ مولانا برہان الدین غریب کے برادر بزرگ تھے۔ اور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دیوگیر میں قیام کرتے تھے۔ (معارج الولایت صفحہ ۲۶۲-۲۶۱)
مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف روضۃ الاولیاء میں شیخ منتخب الدین کا تذکرہ معارج الولایت کی بنیاد پر کیا ہے۔

[9] شیخ علی لاحق۔ (معارج الولایت صفحہ ۲۶۷-۲۶۶) پر شیخ علی لاحق کا مبہم سا تذکرہ دیا گیا ہے۔ اس کی نقل بعد کے مصنفین نے کی ہے۔ مثلاً خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۲

[10] شیخ تقی الدین۔ معین الدین عبد اللہ نے ان کو مولانا داؤد پالہی کا بھائی بتایا ہے (معارج الولایت صفحہ ۲۶۸)

کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔
حضرت بابا فریدؒ کے چند سربرآوردہ اور معروف خلفاء کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ[1]

آپ بابا فریدؒ کے قدیم ترین مریدوں میں سے تھے۔ حضرت شیخؒ جب اپنے کسی مرید کو خلافت نامہ عطا فرماتے تو شیخ جمال سے اس پر دستخط کرانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ امیر خوردؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کیا ہے جنھوں نے کسی طرح بابا فریدؒ سے خلافت نامہ حاصل کر لیا تھا، لیکن جب وہ شیخ جمال کے پاس دستخط کرانے کے لیے پہنچے تو انھوں نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور خلافت نامے کو چاک کر دیا۔ شیخ جمال کے اس فعل سے آزردہ ہو کر وہ بابا فریدؒ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے اس معاملے میں معذوری ظاہر کی اور فرمایا۔

"پارہ کردۂ جمال را ما نتوانیم دوخت"[2]
جمال کے پھاڑے ہوئے کو میں نہیں سی سکتا

بابا فرید شیخ جمال پر بڑی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بابا فریدؒ نے محض اسی محبت و شفقت کی بنا پر ہانسی میں شیخ جمال کے یہاں بارہ سال تک قیام فرمایا تھا۔ فرماتے تھے کہ "جمال ہمارا جمال (حسن) ہے۔" ایک روایت کے مطابق شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے شیخ جمال کے بدلے میں اپنے تمام مریدوں کو دینے کے لیے فرمایا تھا۔ بابا فریدؒ نے جواباً فرمایا کہ اس طرح کا تبادلہ مال میں تو ممکن ہے، مگر جمال (حسن) میں ممکن نہیں۔"

بابا فریدؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے وقت شیخ جمال ہانسی کے خطیب تھے۔ جیسا کہ پہلے تحریر ہوا بابا فریدؒ اونچے درجے کے مریدوں سے اس بات کے متقاضی ہوتے تھے کہ وہ حکومت وقت سے اپنے تمام تعلقات بالکل منقطع کر لیں۔ چونکہ خطیب کا عہدہ ریاست کے زیر انتظام ہوتا تھا اس لیے شیخ جمال کو بھی یہ عہدہ ترک کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء اجودھن جاتے ہوئے شیخ جمال کے یہاں قیام پذیر ہوئے شیخ جمال نے ان سے التماس کیا کہ وہ شیخ فریدؒ کو ان کی بدحالی اور عسرت سے مطلع کر دیں۔ جب شیخ نظام الدین

---

[1] سوانح حیات کے لیے فوائد الفواد، صفحہ ۴۳، ۵ سیر الاولیاء، صفحہ ۱۷۸-۱۹۰، جوامع الکلم صفحہ ۲۳۳ اخبار الاخیار صفحہ ۶۸-۷۰ گلزار ابرار قلمی، مرآۃ الاسرار قلمی صفحہ ۸۷-۸۵، جواہر فریدی قلمی مدارج الولایت قلمی جلد اصفحہ ۵۳-۲۵۰ کا مطالعہ کیا جائے سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۰ کے قصے نا قابل اعتبار ہیں۔

[2] پارہ کردۂ جمال را ما نتوانیم دوخت، سیر الاولیاء صفحہ ۱۷۹

متاخرین نے اس واقعہ سے متعلق بے بنیاد قصے اختراع کر لیے ہیں۔ جن کا قول ہے کہ کلیر ضلع سہارنپور کے مشہور بزرگ کا خلافت نامہ شیخ جمال نے چاک کر دیا تھا جس نے سلسلہ کی صابری شاخ اسی وجہ سے عرصہ دراز سے شیخ جمال کی مذمت کرتی رہی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب یہ قضیہ ختم ہو چکا ہے۔

اولیاء نے یہ پیغام پہنچایا تو شیخ فرید فرمانے لگے :

" اورا بگوئے چوں ولایت بکسے دادہ شود او را واجب است استمالت "

(ان سے کہو کہ جب کسی کو ولایت دی جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ رہے ۔)[1]

شیخ جمال الدین نے اپنے پیر و مرشد کو دیکھنے کی غرض سے سات مرتبہ اجودھن کا سفر کیا۔ جب خرابی صحت طویل سفر کرنے میں مانع ہوئی تو انھوں نے اپنی خادمہ کو بطور قاصد روانہ کیا۔ بابا فریدؒ نے خادمہ سے دریافت فرمایا میرا جمال کیسے ہے ؟ " خادمہ نے جواباً عرض کیا " جب سے خواجہ آپ کے مرید ہوئے ہیں انہوں نے اپنے گاؤں ، جب ائیداد ملکیت اور عہدہ خطابت سب کو خیر باد کہہ دیا ہے ، اب وہ سخت فاقہ کشی اور مصائب میں مبتلا ہیں ۔ " بابا فریدؒ اس اطلاع سے خوش ہوئے اور فرمانے لگے " الحمد للہ ! جمال اب خوش ہے ۔ "

شیخ جمال بڑے جید عالم تھے ۔ دو کتابیں[2] ۔ ایک دیوان فارسی اور ایک عربی تصنیف ملہمات آپ سے یادگار ہیں ۔

شیخ جمال نے اپنے پیر و مرشد کے حین حیات میں ہی وصال فرمایا ۔

ان کی خادمہ جو ام المومنین ، کے نام سے مشہور تھیں ، شیخ جمال کے صاحبزادے مولانا برہان الدین[3] کو حضرت شیخ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں ۔ مولانا برہان الدین اس وقت صغیر سن تھے ۔ لیکن اس نو عمری کے باوجود حضرت شیخ نے ان کو خلافت نامہ عطا فرمایا تھا[4] ۔ اور ہدایت فرمائی تھی کہ وہ دہلی جا کر شیخ نظام الدین کی صحبت سے استفاضہ کریں ۔ خادمہ حضرت شیخ کی اس وسیع القلبی پر متعجب ہوئیں کہ کس طرح انہوں نے ایک کم سن لڑکے کو خلافت سے سرفراز فرمایا ۔ خادمہ نے عرض کیا " خواجہ برہان الدین بالا ہے " (یعنی محض ایک نو عمر لڑکا ہے) حضرت نے جواب دیا " چودھویں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے " (یعنی چودھویں کا چاند بھی پہلے چھوٹا ہی ہوتا ہے)

شیخ برہان الدین کچھ عرصے تک شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت میں رہے ۔ لیکن اس دوران میں انھوں نے کسی کو مرید نہیں کیا ۔ فرمایا کرتے تھے کہ " حضرت نظام الدین محمدؒ کی موجودگی

---

[1] شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے لفظ استمالت کی تشریح اس طرح کی ہے ،

توجہ القلب الی اللہ من کل الوجوہ

ماسوا اللہ کے ہر چیز سے قلب کو پھیر لینا ۔

[2] یہ دیوان دو جلدوں میں ہے ۔ ایک غزلوں پر دوسری قطعات و رباعیات پر مشتمل ہے ۔ ملہمات ۱۳۰۶ھ میں انور میں طبع ہوئی ۔ اقوال تصوف سے بھرپور ہے ۔

[3] شیخ جمال کے دو لڑکے تھے ۔ بڑے لڑکے مجذوب تھے کبھی حالت صحو میں ہوتے تو عقلمندی کی باتیں کرتے تھے ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء سے کہا " العلم حجاب اکبر " جب ان سے اس کے معنی دریافت کئے گئے تو کہنے لگے علم حقیقت سے ممیز و ممتاز ہے اور جو کچھ حقیقت سے ممتاز ہے پردہ ہے ۔ "

[4] شیخ فرید نے ان کو مصلی اور عصا مرحمت فرمایا تھا ۔ یہ شیخ جمال کی ملکیت تھی ۔ شیخ نے فرمایا تھا " تم کو وہی حقوق حاصل ہیں جو تمھارے والد کو تھے "

میں میرے لیے کسی کو مرید کرنا مناسب نہیں ہے۔" حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ممتاز و معروف مرید حمید شیخ قطب الدین منور رح بھی ان ہی کے صاحبزادے تھے۔

شیخ نجیب الدین متوکل رح

آپ حضرت شیخ فریدؒ کے حقیقی برادر خورد تھے[1] تحصیل و تکمیل علم کی غرض سے دہلی آئے لیکن بعد میں یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی زندگی سخت فاقہ اور عسرت میں بسر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مجمع حاضرین سے فرمایا "شیخ نجیب الدین ۷۰ سال تک دہلی میں مقیم رہے۔ مگر ان کے پاس نہ تو کوئی جائیداد تھی اور نہ کوئی وظیفہ ملتا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ کی رضا پر راضی رہ کر خوشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ میں نے شہر میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔" ان کے پاس ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور اسی میں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کمرہ پر ایک ٹوٹا ہوا چھپر پڑا تھا جس میں وہ آئندہ و رونده سے ملاقات کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کے دن چند قلندر مبارک باد دینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نجیب الدین کے گھر میں ان کی خاطر مدارات کے لئے اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ شیخ نے ان کے خورد و نوش کے مہیا کرنے کے لئے گھر کی کسی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے انھوں نے اپنی اہلیہ کے دامن پر نظر ڈالی۔ مگر وہ اتنا شکستہ اور پیوند لگا ہوا تھا کہ معمولی قیمت میں بھی فروخت نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر انھوں نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا مگر اس کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ جب خاطر کے لئے کوئی چیز میسر نہیں آئی اور تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو شیخ نجیب نے محض ٹھنڈا پانی ان کو پیش کیا۔ دہلی کی ایک متقی اور فقیر منش خاتون بی بی فاطمہ اکثر شیخ نجیب کے فاقہ زدہ بیوی بچوں کی امداد کیا کرتی تھیں۔

حضرت شیخ فریدؒ نے ان کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ مگر ان کے مریدین کا کوئی حال محفوظ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے برادر بزرگ سے ملنے کی غرض سے انیس[19] مرتبہ اجودھن کا سفر کیا۔ انیسویں مرتبہ جب وہ شیخ فریدؒ سے رخصت ہونے لگے تو اس مرتبہ جیسا کہ معمول تھا حضرت شیخ رحؒ نے فاتحہ کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے ورنہ یہ دعا کی کہ برادر خورد پھر مجھ سے

---

[1] وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ جب وہ دہلی آتے تو شیخ نظام الدین ان کو چارپائی عطا فرماتے تھے لیکن احتراماً وہ کبھی جماعت خانے میں چارپائی پر نہیں سوتے تھے۔ کہا جاتا ہے جب وہ شیخ سے ملنے جاتے تو نئے کپڑے پہنتے اور ان پر عطر ملتے تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۸۳ - ۱۸۲)

[2] وہ محمد بن تغلق کے عہد میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور شیخ شمس الدین یحییٰؒ کے ہم عصر تھے۔ ان بزرگوں نے چشتی سلسلہ کی دیرینہ روایات کو بڑے نازک دور میں قائم رکھا تھا۔ ان تینوں بزرگوں نے سلطان کے احکام کی ذرہ بھر پروا نہیں کی۔

[3] شیخ فریدؒ کے بھائیوں کے نام مولانا جمالی نے سیر العارفین صفحہ ۳۳ پر دیے ہیں۔ ان کے سب سے بڑے بھائی کا کھتوال میں انتقال ہوا۔ بقول امیر خورد شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی بدایوں میں رہتے تھے۔

ملنے گئے ہوئے تھے۔ شیخ نجیب نے اپنے برادر بزرگ کو پھر کبھی نہیں دیکھا اور حضرت شیخؒ کے وصال سے چند ماہ پیشتر ہی راہیٔ ملک بقا ہوئے اور منڈ دروازے کے قریب شہر کے باہر مدفون ہوئے۔ فوائد الفواد میں دیے ہوئے دو حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علمی ذوق رکھتے تھے۔

مولانا بدرالدین اسحاقؒ

آپ بلخ کے مشہور و ممتاز عالم تھے۔ حضرت شیخ فریدؒ نے آپ کو بھی خدمات پر مامور فرمایا تھا۔ جماعت خانے کا کل انتظام اور نگرانی آپ کے سپرد تھی۔ حضرت شیخؒ کی جانب سے تعویذ وغیرہ بھی آپ ہی تحریر فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ خلافت ناموں کے مسودات تیار اور تحریر کرنے کی خدمت بھی آپ ہی انجام دیتے تھے۔ حضرت شیخ بدرالدینؒ نے اپنے پیر و مرشد کے حین حیات میں ملک شرف الدین کبری مقطع و بیال پور کے سوائے کہ جن کو حضرت شیخؒ نے حلقۂ بیعت و ارادت میں داخل کرنے کا صریح حکم فرمایا تھا، کسی کو بھی بیعت نہیں کیا۔

شیخ اسحاقؒ نے عربی صرف و قواعد پر ایک علمی کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام تصریف بدری تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس اس کتاب کا ایک دستخطی نسخہ تھا۔ اب یہ کتاب نادر الوجود ہے۔

حضرت شیخ فریدؒ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کو آپ کے حبالۂ عقد میں دیا تھا۔ حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمان کے ساتھ شیخ اسحاق کے تعلقات کچھ ناخوشگوار ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے سید محمود کرمانی کی ایماء پر آپ اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے تھے۔ اور وہاں چھوٹے بچوں کو قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اتنی گہری اور راسخ عقیدت تھی کہ ان کے وصال کے بعد آپ بھی زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کی بے حد تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور آپ کے ممنون کرم تھے۔ آپ نے شیخ اسحاق کے اہل و عیال کو دہلی بلایا تھا اور ان کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت میں گہرا ذوق اور ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ

آپ حضرت شیخ فریدؒ کے خلفاء میں سب سے زیادہ ممتاز اور سربرآوردہ تھے۔ تقریباً نصف صدی تک دہلی میں مصروف کار رہے۔ بقول برنی آپ کی خدمت میں ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے اور سکون حاصل کرتے تھے۔ آپ کی بدولت چشتی سلسلہ منتہائے عروج تک پہنچا۔ آپ کے فیض یافتہ خلفاء اور مریدین نے ملک کے تقریباً تمام بڑے اور اہم علاقوں میں عملی طور پر روحانی مراکز کی بنا ڈالی۔ حضرت شیخ فریدؒ کے مریدین کے اخلاف و احفاد نیز خود شیخ فریدؒ کے اعقاب نے آپ کو روحانی پیشوا تسلیم کیا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو اوائل عمری ہی سے حضرت شیخ فرید سے والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ ایک دن بدایوں کے مکتب میں آپ ایک نعت پڑھ رہے تھے کہ ابوبکر نامی ایک قوال جو ملتان اور اجودھن کا سفر کر چکا تھا آپ کی خدمت

اس سفر کے دلچسپ تجربات بیان کرنے لگا ابوبکر نے سب سے پہلے شیخ بہاء الدین کریا میں حاضر ہوا اور پنجاب کے خانقاہ کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ پھر مکار شیخ کی تو با۔ ماں تک ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ وہ تو ناچ پیتے وقت بھی اسماء الٰہی کا ورد کرتی رہتی ہیں۔ مگر ان واقعات کو سنکر حضرت شیخ نظام الدین کا قلب مبارک بالکل متاثر نہیں ہوا۔ ہاں جب اس نے شیخ فریدؒ کے تقدس اور تقوے کا ذکر کیا تو آپ کی روح مبارک میں جوش اور تحرک پیدا ہو گیا آپ کو غائبانہ شیخ فریدؒ سے گہری عقیدت و محبت ہو گئی۔ اس طرح کہ آپ ہر نماز کے بعد شیخ فرید کا نام نامی زبان سے دہراتے تھے۔ حتیٰ کہ جب تک آپ شیخ کا تصور نہیں کر لیتے تھے اپنے بستر پر سونے کے لئے نہیں جاتے تھے۔ جب آپ کے احباب کو اس کا علم ہوا تو ایک موقع پر انھوں نے آپ کو حضرت شیخ فرید سے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا۔ مسلسل ۴ سال یوں ہی بیت گئے۔ جب آپ کا سن ۱۶ سال کا ہوا تو تکمیل علم کے لئے آپ نے دہلی جانے کا قصد کیا تاکہ دارالسلطنت کے مشہور و معروف علماء و فضلاء کی صحبت میں رہ کر شرف تلمذ حاصل کریں عوض نامی ایک معمر شخص آپ کے ہمراہ تھے۔ عوض حضرت شیخ فرید کی روحانی عظمت کے قائل تھے اور راسخ الاعتقاد تھے دوران سفر میں جب کبھی رہزنوں یا وحشی جانوروں سے ذرا سا بھی خطرہ ہوتا تو وہ بے ساختہ زور سے چلاتے۔''

اے پیر دور رو ۔ اے پیر! "ہم آپ کی حفاظت اور نگہداشت میں آگے بڑھ رہے ہیں" ؎

شیخ نظام الدینؒ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ کون سے بزرگ ہیں جن سے یہ عرض کر رہے ہیں عوض سے دریافت کیا تو انھوں نے بڑے ادب سے شیخ فرید کا نام لیا۔ اجودھن کے عظیم المرتبت بزرگ پہلے ہی آپ کے دن کا تصور اور رات کا خواب بنے ہوئے تھے۔ عوض نے جب ان کا حوالہ دیا تو شیخ نظام الدین کی عقیدت و جذبات کے شعلے اور بھی بھڑک اٹھے۔

عجیب اتفاق ہے کہ دہلی پہنچ کر وہ اسی سرائے میں ٹھہرے جو شیخ فریدؒ کے برادر خورد شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے بالکل پڑوس میں واقع تھی۔ شیخ نظام الدین اکثر شیخ نجیب کے مکان پر جاتے تھے اور ان سے گہرے روابط پیدا کر لئے تھے۔

شیخ نظام الدینؒ نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تعلیم حاصل کی اور جلد ہی دہلی کے علمی حلقوں میں اپنا مخصوص و منفرد مقام پیدا کر لیا۔ ایک دن وہ شیخ نجیب الدین کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرا تقرر قاضی کی حیثیت سے ہو جائے۔ شیخ نجیب الدین جن کو اس نوعمر عالم کی پیشانی پر روحانی عظمت کے آثار نظر آرہے تھے پُراسرار انداز میں فرمانے لگے۔ "خدا نہ کرے کہ تم قاضی مقرر ہو جاؤ۔"

شیخ نجیبؒ کی صحبت میں شیخ نظام الدینؒ کو حضرت شیخ فریدؒ سے روز افزوں محبت و عقیدت ہوتی گئی۔ ایک دن وہ یک لخت بغیر کسی ساز و سامان کے اجودھن

؎ چنانچہ گنج شکر بزرگوں نے چوروں اور قزاقوں سے حفاظت کے لئے مندرجہ ذیل شعر لکھ کر تعویذ کے طور پر دیا تھا۔

[illegible]

[illegible] (مترجم)

کے سفر کے لئے تیار رہے کے ابتدا سنہ ۶۵۵ ہجری مطابق ۱۲۵۷ عیسوی میں کسی چہار شنبہ کو انہوں نے حضرت شیخ سے ملاقات کی۔ حضرت شیخ کو ان کی شخصیت میں تعجب نہیں ہوا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دوسرے چشتی اسلاف کا حقیقی روحانی وارث و جانشین نظر آیا۔ آپ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ   سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ نظام الدین جن کے قلب میں جذبات کا دریا موجزن تھا، مشکل ہی سے یہ بتانے کی ہمت کر سکے کہ حضرت شیخ سے ملنے کا ان کو کتنا اشتیاق تھا؛ شیخ کے رعب سے آپ کانپ رہے تھے مشکل تمام زبان سے یہ جملہ ادا ہو سکا:

اشتیاق پائے بوسی عظیم غالب بودہ است

لکل داخل دھشۃ" (ہر نئے آنے والے کو گھبراہٹ ہوتی ہے) شیخ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا اسی دن شیخ نظام الدین حضرت شیخ فرید کے حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے اور اپنا سر منڈوایا۔

حضرت شیخ کے جملہ مریدین جو جماعت خانے میں رہتے تھے عموماً زمین پر ہی سوتے تھے مگر حضرت شیخ نے شیخ بدر الدین اسحاق کو حکم دیا کہ وہ دہلی سے آئے ہوئے اس نوجوان مرید کے لئے چارپائی مہیا کریں۔ اس طرح شیخ نے ان کی عزت افزائی فرمائی۔ شیخ نظام الدین کو چارپائی پر سونے میں بڑا تامل ہوا کیونکہ بہت سے علماء و حفاظ زمین پر سو رہے تھے۔ لیکن شیخ بدر الدین نے کہا کہ حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل ہر بات پر مقدم ہے۔

بیعت ہونے کے بعد شیخ نظام الدین نے اپنے پیر و مرشد سے عرض کیا "کیا مجھے تعلیم ترک کر کے عبادات اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو جانا چاہئے؟" شیخ نے فرمایا "میں کبھی کسی سے اس بات کا طالب نہیں ہوتا کہ وہ سلسلۂ تعلیم منقطع کر دے۔" "دونوں کو جاری رکھو۔ آخر میں جس کو غالب دیکھو اسی میں مشغول ہو جاؤ درویش کے لئے کچھ علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔"

ایک اور اہم اور قابل قدر نصیحت جو شیخ نے اپنے نوجوان مرید کو کی وہ یہ تھی کہ دشمنوں کو نرم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور حقوق کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ جب شیخ نظام الدین اجودھن سے واپس آئے تو سب سے پہلے ایک پارچہ فروش کا قرضہ جو ان پر واجب تھا ادا کیا۔ پھر ایک کتاب جو کسی سے انہوں نے مستعار لی تھی اور گم ہو گئی تھی اس کی قیمت ادا کی۔

حضرت شیخ کے زمانۂ حیات میں شیخ نظام الدین تین مرتبہ اجودھن حاضر ہوئے۔ دوسری مرتبہ جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ سے چھ پارے قرآن مجید کے تجویداً پڑھے، پانچ باب عوارف المعارف کے اور دوسری

---

۱ دیکھو نفحات الانس صفحہ ۲۵۲

شیخ نظام الدین نے پوری رات دہلی کی قدیم جامع مسجد میں گزاری۔ صبح کو موذن کی زبان سے انھوں نے یہ آیت سنی:

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ

(کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے لرز جائیں)۔ اس کے بعد آپ نے اجودھن کا قصد کیا۔ شیخ فرید کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

کر نہیں پڑھیں۔

جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء میں شیخ نظام الدین آخری مرتبہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شیخ بڑی شفقت سے پیش آئے اور بہت سی دعائیں دیں۔ فرمایا میں نے دونوں جہان تمہیں بخش دیئے ہیں۔ جاؤ اور ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرلو"

۱۳ رمضان المبارک ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء کو حضرت شیخ فریدؒ نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا جنھوں نے تاحیات چشتی سلسلے کی تعلیمات نیز تصوف و درویشی کے اصول کی اشاعت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ برنی نے حضرت شیخ نظام الدینؒ کی شہرت اور مقبولیت اور اثرات کا جو مفصل تذکرہ کیا ہے وہ پورا نقل کرنے کے قابل ہے

شیخ نظام الدین کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کھلا ہوا تھا۔ ہر قسم کے شخص خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے امیر ہوں یا جاہل، شہری ہوں یا دیہاتی، سپاہی ہوں یا جنگجو، آزاد ہوں یا غلام آپ کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل ہوسکتے تھے۔ یہ لوگ ممنوع اور ناجائز باتوں سے احتراز کرتے تھے کیونکہ وہ اپنے کو حضرت شیخ کا مرید تصور کرتے تھے اور اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا تو وہ اس کا اعتراف کرتا تھا اور اطاعت کا از سر نو عہد کرتا تھا۔ عوام الناس اطاعت و عبادت کی طرف مائل نظر آتے تھے۔ مرد اور عورتیں، جوان اور بوڑھے، دوکاندار اور ملازم، بچے اور غلام سب کے سب نماز ادا کرنے آتے تھے۔ ان میں بہت سے جو حضرت شیخ کے ہمراہ روزانہ نماز ادا کرنے آتے تھے، چاشت اور اشراق بھی پڑھتے تھے۔ شہر سے غیاث پور جاتے ہوئے راستہ میں بہت سے ایسے چبوترے بنائے گئے تھے جن پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ بہت سے کنویں کھدوائے گئے، پانی کے برتن رکھے گئے، فرش بچھائے گئے اور ہر چبوترے پر ایک حافظ اور خادم مقرر کیا گیا کہ حضرت شیخ سے ملنے والوں کو نمازیں ادا کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ پیر و مرشد کے ادب و احترام کی وجہ سے گناہ سے متعلق کوئی بات کرنے کی مجال نہ تھی اب موضوع گفتگو معصیت نہ تھی بلکہ نماز اشراق، چاشت اور تہجد کے بارے میں لوگ باتیں کرتے نظر آتے تھے۔ یعنی یہ کہ ان نمازوں میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں ہر رکعت میں کون سی سورت پڑھی جاتی ہے ان نمازوں کے بعد کون کون سی دعائیں پڑھی جاتی ہیں؟ حضرت شیخ ہر رات کتنی رکعت نماز ادا فرماتے ہیں اور ہر رکعت میں قرآن مجید کی کونسی سورت اور کونسا درود شریف پڑھتے ہیں؟ شیخ بختیارؒ اور شیخ فریدؒ کا کیا معمول تھا؟ جدید مریدین پرانے مریدوں سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے، وہ نماز، روزہ اور تقلیل غذا کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت شیخ اپنے نئے مریدوں کو پرانے مریدوں کے سپرد فرماتے تھے۔ پرانے مریدوں کا مشغلہ عبادت اور ریاضت کے سوا کچھ نہ تھا۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر سلف کے متعلق کتابیں یا بزرگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے تھے خدا نہ کرے کہ وہ دنیاوی معاملات سے متعلق گفتگو کریں یا دنیادار لوگوں کے گھروں کی طرف رخ کریں کیونکہ ان کو وہ خطا سمجھتے تھے اور گناہ جانتے تھے۔ زائد نفل نمازوں کی مداومت میں اس درجہ غلو تھا کہ سلطان کے دربار کے بہت سے امرا، محرر، سپاہی، منشی، محافظ، اور شاہی غلام حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے تھے۔ یہ لوگ چاشت اور اشراق تک ادا کرتے تھے۔ یہ قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو ایام بیض میں، روزہ رکھتے تھے۔ نیز ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں روزہ رکھتے تھے۔ شہر کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ تھا جس میں صلحا و اتقیا کا مجمع ہر سبب روز میں یا ہر ماہ میں نہ ہوتا ہو، اس میں صوفیانہ اشعار نہ سنے جاتے ہوں اور لوگوں پر رقت طاری نہ ہوتی ہو۔ شیخ کے کئی مریدین مسجدوں میں یا گھروں میں نماز تراویح ادا کرتے تھے۔ جو لوگ قائم اللیل تھے وہ رمضان کے پورے مہینے میں جمعہ کے دن اور ایام حج میں اکثر پوری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ذرا بڑے

رہتے کے مریدین تمام سال رات تہائی باتیں جو تحائف حصے تک بیدار رہ کر عبادت کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کچھ مریدین نے عبادت کے ذریعے اپنا منفرد روحانی مقام حاصل کر لیا۔"

"حضرت شیخ کے زیر اثر ملک کے اکثر مسلمانوں کا رجحان تصوف، ترک دنیا اور عبادت و ریاضت کی طرف ہو گیا وہ شیخ سے گہری عقیدت و ارادت رکھنے لگے۔ شہنشاہ علاؤ الدین اور اس کے اہل خانہ کی راسخ عقیدت اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ اعمال صالحہ کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں خوبیاں جلوہ گر ہونے لگیں۔ شراب، جوا اور دوسری حرام چیزوں کا ذکر بھول کر بھی ان کی زبان پر نہ آتا تھا۔ گناہوں اور دوسری برائیوں سے لوگوں کو اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ وہ اسے کفر اور نافرمانی سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے لحاظ کی وجہ سے لوگ احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے احتراز کرتے تھے۔ خوف کی وجہ سے دوکانداروں نے جھوٹ بولنا کم یا غلط تولنا اور لوگوں کو دھوکا دینا چھوڑ دیا تھا۔ اکثر علماء و فضلا جو حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر رہتے تھے محض تصوف و عقائد ہی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ قوۃ القلوب، احیاء العلوم اور اس کا ترجمہ عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ نیز قاضی حمید الدین ناگوری کی تصنیف لوائح اور لوامع جیسی کتابوں کے بہت سے خریدار نظر آتے تھے۔ اسی طرح امیر حسن کی فوائد الفواد حضرت شیخ کے ملفوظات اور اقوال کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے بکثرت فروخت ہونے لگی۔ لوگ کتب فروشوں سے عقائد سے متعلق کتابوں کو دریافت کرتے تھے۔ کوئی بھی رومال ایسا نہ تھا جس میں مسواک اور کنگھی بندھی ہوئی نظر نہ آتی ہو۔ نمازیوں کی تعداد، نیز بڑھی کہ پانی اور چمڑے کی مشکوں کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا مختصر یہ کہ خلق اکبر نے حضرت شیخ کو زمانہ مابعد میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کا ہم رتبہ پیدا فرمایا تھا، اور حضرت کو اس عشق حقیقی سے مزین فرمایا تھا جس کو عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین جامع صفات و کمالات بزرگ تھے اور جادۂ تصوف کی رہنمائی کا فن آپ کی ذات پر ختم اور مکمل ہو گیا تھا۔

ہر سال ۵ محرم کو جو حضرت شیخ الاسلام شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یوم وصال ہے، لوگوں کی بڑی تعداد شہر سے اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر حضرت شیخ کے مکان پر جمع ہوتی تھی۔

حضرت شیخ فرید نے فرمایا تھا "نظام الدین تم ایک ایسے درخت ہو گے جس کے سکون بخش سائے میں لوگ آرام کریں گے"

حضرت شیخ نظام الدین نے اپنے پیر و مرشد کی ان توقعات اور امیدوں کو سچا اور پورا کر دکھایا۔

شیخ علاء الدین علی بن احمد صابر

آپ چشتی سلسلے کی صابری شاخ کے بانی و مؤسس تھے۔ آپ کو شیخ فرید کے مشہور خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس عظیم المرتبت بزرگ کا ابتدائی تذکرہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے کسی کتاب میں آپ کا حوالہ نہیں دیا۔ شاہجہاں کے دور حکومت سے آپ کے بعض واقعات کثرت سے ملتے ہیں اسی زمانے میں سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کا تذکرہ کیا ہے اور ان حالات کا ذکر بھی کیا ہے جن میں آپ کی وفات کے سو برس سال بعد آپ کے مزار کا کلیر میں پتا چلایا گیا تھا۔ بہر حال صابر کی*

*: حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

سلسلہ تاریخ کی روشنی میں اسی وقت آیا جب شیخ احمد عبد الحق (المتوفی سنہ ۸۳۷ھ مطابق سنہ ۱۴۳۳ء) نے ردولی ضلع بارہ بنکی میں تصوف اور روحانیت کا ایک عظیم مرکز قائم فرمایا اور اس سلسلے کی تعلیمات کی اشاعت عام فرمائی۔

شیخ عارفؒ

فوائد الفواد[4] اور سیر الاولیا[5] میں آپ کا سرسری اور اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ نے ان کو سیوستان روانہ فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں کے گورنر نے آپ کو ایک سو تنکے سرخ کے اور حضرت شیخ فرید کی خدمت میں پیش کرنے کی ہدایت کی۔ شیخ عارف نے صرف ۵۰ تنکے حضرت شیخ کو پیش کئے اور بقیہ اپنے پاس رکھ لئے۔ جب وہ شیخ کے پاس پہنچے تو شیخ مسکرا کر فرمانے لگے "عارف! تم نے اس رقم کی برادرانہ تقسیم کی ہے" عارف یہ الفاظ سن کر بڑے پشیمان اور نادم ہوئے اور بقیہ رقم شیخ کے سامنے رکھ دی اور معافی چاہی۔ بابا فرید نے ان کو سر منڈوانے کی ہدایت فرمائی اور ارادت کی تجدید کی گئی۔ اس توبہ و تجدید کے بعد شیخ عارف گہری عقیدت اور ارادت کی زندگی گزارنے لگے۔ حضرت شیخ نے ان کو خلافت نامہ عطا فرمایا اور دوبارہ سیوستان چلے جانے کا حکم فرمایا۔ خلافت نامہ حاصل کرنے کے بعد وہ پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور اکابر شیوخ ہی اس کو انجام دے سکتے ہیں۔ مجھ جیسا کمزور و ناتواں اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔" حضرت شیخ نے ان کو مکہ مکرمہ جانے کی اجازت عطا فرمائی جہاں سے وہ پھر کبھی واپس نہیں آئے۔

(حاشیہ متعلق صفحہ گذشتہ)

[1] مختصر حالات کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۶۹۔ سیر الاقطاب ص ۱۷۷ – ۱۸۴ مرآۃ الاسرار (قلمی) ص ۶۲۶ – ۶۳۱۔ معارج الولایت (قلمی)، جلد اول ص ۲۶۴ – ۲۶۳

[2] سیر الاقطاب ص ۱۸۳۔ کلیر ضلع سہارنپور میں رڑکی کے نزدیک واقع ہے۔

[3] مختصر حالات کے لئے: سیر الاقطاب ص ۲۲۲ – ۲۳۵۔ اخبار الاخیار ص ۱۸۴ – ۱۹۲ مرآۃ الاسرار (قلمی) ص ۹۱۷

[4] فوائد الفواد ص ۲۰۶ – ۲۰۵

[5] سیر الاولیا ص ۱۸۴ – ۱۸۵

فریدی مشن اور جدید تبلیغی تقاضے

(خواجہ حسن ثانی نظامی)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ہر اس شخص کو مرید کرلیا کرتے جو مرید ہونے کا خواہشمند ہوتا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی علیہ الرحمۃ کے دل میں خطرہ گذرا کہ حضرتؒ سے پہلے کے بزرگ تو ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر حضرت کی اس روش کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟

سلطان المشائخؒ نے نور باطن سے اس خطرے کو محسوس فرمالیا اور اپنی اس فیاضی کی دو وجہیں بتائیں ایک یہ کہ ان کے پیر و مرشد حضرت بابا فریدؒ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کی پرسش ہوئی تو وہ اس وقت تک جنت میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے جب تک سلطان المشائخ کے مریدوں کو ساتھ نہ لے لیں۔ دوسرے یہ کہ ہر زمانے کا تقاضا جدا ہوتا ہے اور نئے تقاضوں کے موافق ہی شیخ طریقت اپنی روش مقرر کرتا ہے۔ پرانے بزرگ جب تک کسی کو دنیا سے بالکل قطع تعلق کئے ہوئے نہیں دیکھتے تھے مرید نہیں کرتے تھے سلطان المشائخ نے اس احتیاط کو اس لئے ترک فرمایا کہ وہ معتبر لوگوں سے سنتے تھے کہ ان کا مرید ہونے کے بعد لوگ گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور فرائض ادا کرتے ہیں اگر حضرت مرید کرنے میں فیاضی نہ برتتے تو مخلوق جنت سے بھی محروم رہ جاتی اور گناہوں سے بچنے اور روزے نماز کی نیکی بھی اسکو نہ ملتی

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت جسکو امیر خورد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی مرتب کی کتاب حسرت نامے سے سیر الاولیاءؑ میں نقل کیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کو تصوف کے مبلغین کے لئے ایک رہنما اصول بن گئی ہے۔ اور اس کو سامنے رکھے بغیر نہ تو خانقاہی نظام کا صحت کے ساتھ جائزہ لینا ممکن ہوگا نہ آئندہ کا لائحہ عمل صحیح بنیاد پر بنایا جاسکے گا۔

حضرت سلطان المشائخؒ مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے ہیں تو ہجرت نبوی کو کم و بیش چھ سو برس ہوچکے تھے اور زمانہ سست روی کے باوجود اتنا بدل چکا تھا کہ شرائط بیعت میں رخصت سے کام لیا جانے لگا پھر آج کل کا کیا کہنا۔ خود سلطان المشائخ کو دنیا سے پردہ فرمائے ساڑھے چھ سو سال کی مدت ہوتی ہے آدمی رینگنے کے بجائے دوڑنے اور اڑنے لگا ہے۔ زمین آسمان گویا سمٹ گئے ہیں۔ لہذا تبدیلی جب اس وقت ناگزیر تھی تو اس وقت تو اس کے بغیر ایک قدم بھی اٹھانا ممکن نہیں ہے۔

موجودہ مشینی دور اور سہل پسندی کی فضا میں یہ توقع کرنا درست نہ ہوگا کہ للّٰہیت کا رنگ وہی رہے جو چھ سات صدی پہلے تھا مجاہدے اسی طریقے سے کئے جائیں جیسے شیخ شیوخ العالم حضرت بابا صاحبؒ نے کئے تھے۔ خانقاہی نظام کے تانے بانے اسی ڈیزائن پر قائم رہیں جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سامنے تھا۔

خانقاہ میں روٹی بیٹے کے طلبگار پہلے بھی بہت آتے تھے لیکن مستثنیات کو چھوڑ دیجئے تو معلوم ہوگا کہ اب صرف وہی آتے ہیں۔ محنت اور مشقت کے ملے سب کوئی

عہ صفحہ ۳۴۶ جزری دال ایڈیشن

تیار نہیں ہے۔ آجکل ورد وظیفہ اور نمازیں کم لوگ پڑھتے ہیں تعویذ کی طلب گاری زیادہ ہے۔ ہر چیز ریڈی میڈ چاہیے چھ سو برس کی مدت سے کوئی شہر کوئی قصبہ، کوئی گاؤں ایسا نہیں چھوڑا جہاں کسی بزرگ ہستی کا مزار نہ ہو۔ وہ بزرگ جنھوں نے مجاہدات اور محنت مشقت سے روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل کئے تھے اور جن کی قبریں تک فیض کا دریا بنی ہوئی ہیں۔ اور جب فیض یوں ہی مل جاتا ہو تو کسی خانقاہ نشین کو کیا پڑی ہے کہ مجاہدہ کرتا پھرے یا کسی مرید کو کیا ضرورت ہے کہ راشن کی لائن میں لگنے کے بجائے پیر صاحب کی جوتیاں سیدھی کرے؟ پہلے خانقاہ کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ وہاں کسی بزرگ کا مزار بھی ہو۔ اب اکثر و بیشتر خانقاہیں وہیں ہیں۔ جہاں کسی بزرگ کی آرامگاہ ہے اگلے وقتوں میں خانقاہ کا سجادہ نشین وہی ہوتا تھا جس کی گرہ میں کچھ روحانی مال اپنی محنت کا ہو۔ اب گستاخی معاف بزرگوں کی کمائی سب کو کافی ہو جاتی ہے۔

میری گذارش کا منشا طعن و تشنیع نہیں ہے صرف موجودہ صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کردوں کہ میں اس صورت حال سے مایوس قطعاً نہیں ہوں۔ ہماری خانقاہیں اور دوسرے الفاظ میں درگاہیں اب بھی بڑا کام کر رہی ہیں۔ وہ از کار رفتہ اور Out OF DATE ہرگز نہیں ہوئی ہیں جی ہاں! اور جیسی موجودہ زمانے کی روح ہے۔ ویسے ہی فرشتے اس کے لئے مہیا ہوتے ہیں۔

چھ سو برس پہلے کبیرہ گناہوں سے بچنا۔ روزے نماز کا پابند ہونا ایسی نیکی تھی جس کی خاطر اللہ کا ہاتھ بننے والے ہاتھ۔ وسعت گیری کو آگے بڑھتے تھے۔ آج نوبت بہ اینجا رسید کہ کوئی بھولا بھٹکا خانقاہ اور درگاہ کا رخ کرے اگر خدا کے وجود کا اقراری ہو جائے دکھ درد میں اسکو رب سمجھنے لگے حرام حلال کی تمیز کرنے لگے انسانیت کی کچھ ہمدردی اس میں جنم لے لے۔ دل میں تھوڑا سا سوز و گداز پیدا ہو جائے تو اس کو غنیمت

نہیں بہت کچھ جاننا چاہیے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی بزرگی اظہر من الشمس ہے۔ انھوں نے بابا صاحبؒ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا یہ شہرت صحیح ہے کہ آپ کے پاس ابدال آیا کرتے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا تم بھی تو ابدال ہو تم!

جو آدمی اپنے "حال" پر مطمئن ہو جائے۔ اس کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی خوب سے خوب تر کی جستجو مسلسل کامیابی کی پہلی شرط ہے۔ اس لئے اپنی خانقاہوں کو موجودہ حالت میں چھوڑ دینا تو درست نہ ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم اپنے Potential سے غافل ہو جائیں۔ اپنی خوبیوں اور اپنی کامیابیوں سے بے خبر ہیں قطب اور غوث، اور ابدال کے الفاظ کو جو معنی بھی پہنائے جاتے رہے ہوں۔ اور جانے والے روحانی نظام کو جس طرح بھی چلاتے رہے ہوں نئے اور پرانے آدمی کے مرتبے اور مقام کا تعین اس طرح نہ کیجئے کہ دو پلڑوں میں رکھ کر انھیں تولنے لگیں۔ سونے اور لوہے کے زمانے کا خیال کیجئے یہ دیکھئے کہ موجودہ حالات میں نیا آدمی روحانی نظام کو کس طرح سنبھالے ہوئے ہے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا دور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور نہیں تھا۔ نہ ان کے فوراً بعد آنے والے مردان خدا کا دور تھا۔ وہ ابدال کی اصطلاح میں پرانے معانی تلاش کر رہے تھے بابا صاحب نے ان کو نئے معانی بتائے۔ ان کو انکی ذمے داری سے آگاہ کر دیا۔ بتا دیا کہ تمہارا کام کرنے کے لئے کوئی اور نہیں آئے گا۔ اور یہ سند بھی عطا فرمادی کہ تم اپنا فرض جس طرح ادا کر رہے ہو وہ اطمینان بخش ہے۔

اب نئے آدمی کے لئے، ہمارے آپ کے لئے دیکھنے کی بات صرف یہ رہ گئی ہے کہ ہمارا کام ہماری ذمہ داری ہے کیا بزرگوں نے کیا چیز ہم کو تفویض کی تھی اور اس کام

اور ذمے داری سے ہم کس طرح عہدہ برآ ہو رہے ہیں دوسرے الفاظ میں بابا صاحب کا کوئی جانشین کیا آج اپنے بھائی، اپنے مددگار، اپنے مشتری سے یہ کہنے کا حقدار ہے کہ "تم کبھی تو ابدال ہو؟"

حضرت بابا صاحبؒ نے جب سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت اور جانشینی سے سرفراز فرمایا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ تم میں علم، عشق اور عقل تینوں چیزیں موجود ہیں اس لئے تم اس بات کے اہل ہو کہ تمھیں خلیفہ بنایا جائے۔

یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ مثالیں دے کر حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے علم عشق اور عقل کے کرشمے دکھائے جائیں۔ چلتے چلتے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں میری ناقص فہم میں انھوں نے سب سے بڑی تبلیغی ضرورت بر خیال فرمائی تھی کہ تمام نہاد اسلامی حکومتوں نے اسلام سے جو ایک طرح کی دوری نئے لوگوں میں پیدا کر دی تھی، اور جس دوری کی بنا پر اسلامی اصول گدڑی کے لعل ہو کر رہ گئے تھے، اس فاصلے کو کم کیا جائے کیونکہ قریب آنا شرط تھا۔ بعض خود بخود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے روایت کے پابند ماحول میں پنجابی زبان کو اپنایا۔ پنجابی زبان کی سرپرستی میں حضرت کے علم، عشق اور عقل تینوں کے جلوے نظر آتے ہیں صرف اسی ایک چیز نے بے شمار بندگان خدا کی ٹوٹی ہوئی ڈور خدا کی ڈور سے جوڑ دی۔

اس سنت کی روشنی میں اپنا جائزہ لیجئے تو پتہ چلے گا کہ بازار عشق میں آج کا خانقاہ نشین لاکھ بے مایہ سہی اس کی بے علمی اور کم علمی کی ساری کہانیاں درست لیکن بے عقل اسکو آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ داد دیجئے کہ اس نے خانقاہوں اور درگاہوں کے ہجوم کو گھٹنے نہیں دیا ہے۔ وہ ہر آنے والے کے لئے آغوش کھولے کھڑا ہے پذیرائی کے لئے تیار ہے مردِ جانشین کے پیاسوں کے لئے اگر اس کے اپنے پاس پانی نہیں ہے اگر وہ، انھیں خود

نہیں کھلا سکتا تو یہ بات بھی درست ہے کہ اس نے باپ دادا کے چھوڑے ہوئے اثاثہ پر قفل نہیں لگایا ہے، مورثین کی طرح اپنی میراث کو صندوق میں بند کر کے نہیں رکھا۔ لوگ اس سے بھاگے نہیں قریب آتے ہیں، کیونکہ اس نے بزرگوں کے دسترخوان پر عام دعوت دے رکھی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی غور طلب ہے علم اگر صرف کتابی علم کو کہتے ہیں تو لاریب آج کا خانقاہ نشین بہت کم علم ہے اور اسے اپنی اس کم علمی کی طرف دھیان دینا چاہئے، اور حصول علم میں محنت اس کے لئے لازم ہے۔ لیکن اس کے معلموں کو آفرین کہئے کہ انھوں نے اسے بہت سی کتابوں کا کتاب خواں نہیں صاحب کتاب بنا دیا ہے اور تصوف کا مقصد بھی دراصل یہی تھا کہ دنیا کا ڈرامہ اور ایکٹروں کے پارٹ صرف کتاب میں بند نہ رہیں کوئی ان کو اسٹیج کرنے والا بھی ہو۔ منبر کا وعظ عملی شکل بھی اختیار کرے۔ اسی آستانہ فیض کاشانہ کے خدام صاحبان میں سے ایک بزرگ کا قصہ میں نے کسی کے سفرنامہ حج میں پڑھا کہ چند برس قبل جبکہ حج گرمی کے موسم میں آتا تھا، عرفات کے میدان میں سخت گرمی تھی اور پانی کی ہر طرف بے تحاشا مانگ! ہر حاجی اس دن کو غنیمت جان کر ورد وظیفے میں لگا ہوا تھا۔ اور یہ بزرگوار صبح سے شام تک بس اسی طرح دیکھے گئے کہ پانی خریدتے ہیں۔ برف خریدتے ہیں اور پیاسوں کو پلاتے پھرتے ہیں۔ سفرنامہ لکھنے والے نے لکھا تھا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنا سارا قارون ایکسچینج اس روز پانی پر خرچ کر دیا ہوگا۔

یہ کرامت کوئی مکتب پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ تو فیضانِ نظر کی دین ہے۔ وہ فیضان جو گوشت پوست روح سب کو نوازے ہوئے ہے۔ فضل ربی ہے خانقاہ نشینوں کی قسمت ہے، اور ہر طرف امید کے چراغ اس سے روشن ہیں۔

تاریخ ایک عجیب انداز سے آجکل اپنے آپ کو

چھٹا رکن روٹی

(ماخوذ از نظامی بنسری نوشتہ حضرت خواجہ حسن نظامی)

خواجہ سید محمدؒ نے کہا حضرت سلطان المشائخؒ میرے والد حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کے حوالے سے فرماتے تھے کہ اجودھن کے قریب کوئی ملّا صاحب رہتے تھے۔ جن کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر حقارت سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ حضرت شیخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مجلس میں بہت لوگ موجود تھے۔ ملّا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصے بیان کرنے شروع کئے۔ حضرت شیخ العالم نے ان کے قصے سنتے سنتے ان سے پوچھا کہ مولانا اسلام کے رکن کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا پانچ ہیں ایک کلمہ دوسرے نماز، تیسرے روزہ چوتھے زکوٰۃ، پانچویں حج۔ حضرت شیخ العالم نے فرمایا میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے۔ ملّا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ سنا غلط سنا۔ حضرت نے جواب دیا جی نہیں میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ اس پر ملا صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا مجھے آپ لوگوں سے اسی لئے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم اور کم علم ہوتے ہیں لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جو پانچ رکن بیان کئے ہیں یہ حدیثوں میں موجود ہیں۔ فقہ میں موجود ہیں۔ آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیثوں میں ہے نہ فقہ میں ہے۔ شیخ العالم نے تبسم کے بعد فرمایا۔ نہیں مولانا وہ قرآن میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے فقہ میں بھی ہے۔ یہ سنکر مولانا کو اتنا زیادہ غصہ آیا کہ وہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا اللہ فرماتا ہے فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھو۔ اس لئے میں یہاں سے جاتا ہوں۔ شیخ العالمؒ نے بہت نرمی سے ان کو ٹھیرانا چاہا۔ مگر ملا صاحب نہ ٹھیرے اور چلے گئے۔

جب ملا صاحب حضرت بابا صاحبؒ کی مجلس سے ناراض ہو کر چلے گئے تو انھوں نے کچھ عرصے کے بعد حج کے سفر کا ارادہ کیا۔ اور پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے اور مکے معظمہ میں پہنچکر سات برس وہاں قیام کیا اس کے بعد ہندوستان کے جہاز میں سوار ہو کر واپسی کے خیال سے روانہ ہوئے۔ دو چار دن کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور ملّا صاحب کا جہاز طوفان کے صدمے سے تباہ ہو گیا۔ ملا صاحب جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر پہنچے اور تختے سے اتر کر خشکی میں آئے وہاں سوکھے پہاڑ تھے نہ درخت تھے نہ گھاس تھی۔ ملّا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے یکایک وہاں ایک آدمی آیا۔ جس کے سر پر خوان تھا اس نے آواز دی میں روٹی فروخت کرتا ہوں انھوں نے اس سے کہا میں عالم ہوں اور میں نے سات حج کئے ہیں اور میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے اور میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے اور میں تین رات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا میرے

پاس کھانا بھی ہے اور پانی بھی ہے۔ مگر میں دوکاندار ہوں۔ بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ انھوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو۔ اس نے جواب دیا ہاں الحمد للہ۔ ملا صاحب نے اس کو مسافروں مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کی نسبت وعظ سنایا اور سمجھایا کہ تو مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دے دے۔ اس نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ تو ملا صاحب نے اس سے کہا تو کیسا مسلمان ہے تجھے رحم نہیں آتا اس نے مڑکر جواب دیا اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دکانداری کا خاتمہ ہو جائے۔ اچھا میں رحم کرتا ہوں تم اپنی زبان سے یہ کہدو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا۔ ملا صاحب نے خیال کیا زبان سے کہدینا کوئی چیز نہیں ہے اور اس سے میرا ثواب نہیں جا سکتا اس لئے انھوں نے کہا میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا۔ اس شخص نے یہ سنتے ہی خوان ان کے آگے رکھ دیا اور انھوں نے پیٹ بھر کے روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر غار سے باہر گیا۔ اور ملا صاحب جھپٹ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے تاکہ دیکھیں وہ کدھر سے آیا تھا لیکن باہر نکلتے ہی ڈبہاڑوں کے چکروں میں کہیں غائب ہو گیا ہر چند تلاش کیا کہیں نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر ملا صاحب دریا کے کنارے آن بیٹھے کہ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گذرے یہاں تک کہ تین رات دن گزر گئے اور ان کی حالت بھوک اور پیاس سے پھر خراب ہو گئی۔ تب وہی شخص پھر سر پر خوان رکھے دکھائی دیا۔ اور اس نے اس شرط پر ان کو روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا۔ آج بھی جب وہ جانے لگا تو ملا صاحب اس کے پیچھے دوڑے مگر پھر وہ کہیں غائب ہو گیا اور تین رات دن تک غائب رہا اور جب ان کی حالت بھوک پیاس کے سبب بہت خراب ہو گئی تب وہ پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا۔ اس کے تین رات دن کے بعد پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔ آخر اب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لیکر آیا تو ملا صاحب نے کہا میں سات حج کا ثواب دے چکا ساری عمر کے روزوں کا ثواب دے چکا ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب دے چکا ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا اب میرے پاس کچھ باقی نہیں ہے جو میں تجھے دوں اس شخص نے کہا یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں اس پر لکھ دیجئے کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے سات حجوں کا ثواب فروخت کیا پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا اور آج میں ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں۔ چنانچہ ملا صاحب نے یہ عبارت لکھ دی اور اس کے بعد انھوں نے اپنا نام اور مقام اس کاغذ پر لکھ دیا اور وہ کاغذ اس کو دے دیا اس نے کھانا پانی ملا صاحب کے سامنے رکھا۔ اور ملا صاحب نے کھانے پینے کے بعد عاجزانہ انداز سے کہا خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو تاکہ میں تمھارے ساتھ وہاں چلوں اور اپنی روزی کے لئے کچھ محنت مزدوری کروں۔ اب میرے پاس تمھیں دینے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اس شخص نے خفا ہو کر کہا میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے برتن اٹھائے اور کاغذ جیب میں رکھا اور پہاڑ کی طرف چلا ملا صاحب تازہ دم تھے دوڑے

کہ اس کو پکڑ کر مجبور کریں اور آبادی کا راستہ پوچھیں وہ بھی بھاگا اور ملا صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے یہاں تک کہ آگے جا کر اس نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا اب ملا صاحب خوش ہوئے کہ اب میں اس کو پکڑ لوں گا اس لئے انھوں نے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا لیکن انھوں نے بھی ٹھوکر کھائی۔ اور گرے اور قبل اس کے کہ وہ اٹھیں وہ شخص اپنے برتن لے کر بھاگا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کر ملا صاحب سمندر کے کنارے آئے اور عادت کے موافق وہاں بیٹھ گئے۔ یکایک انھوں نے دور سے دیکھا کہ ایک جہاز جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنا عمامہ سر سے اتار لیا اور اس کو ہلا ہلا کر چیخنا شروع کیا کہ میری مدد کرو میری مدد کرو۔ جہاز والوں نے جہاز روک لیا اور ایک کشتی ان کے پاس بھیجی اس میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اور جہاز میں سوار ہوئے۔ اس جہاز میں حاجی لوگ سوار تھے اور ہندوستان جا رہے تھے۔ انھوں نے ملا صاحب کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام سے ملا صاحب ہندوستان پہنچ گئے۔ اپنے گھر میں آئے بال بچوں کو دیکھا اور اس کے بعد ایک دن حضرت شیخ العالم رض سے ملنے آئے۔

جب ملا صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت بڑے بڑے علماء اور مشائخ حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے حضرت بابا صاحب کی نظر ملا صاحب پر پڑی تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ آئیے ملا صاحب بہت عرصے کے بعد آنا ہوا ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ کہئے کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصے تک آپ یہاں نہیں آئے۔

ملا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا۔ اور حضرت کے قریب بڑی نخوت اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے حاضرین مجلس کو ملا صاحب کی یہ ادا بہت ناگوار ہوئی کیونکہ ملا صاحب حضرت کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا وہ حضرت کے ہمسر ہیں، یا حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ مگر حضرت بابا صاحب کے رعب کے سبب سب خاموش تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت کے مہمان کو ادب سے بیٹھنے کے لئے کچھ کہتا۔

آخر حضرت بابا صاحب رض نے ملا صاحب سے پوچھا" ہاں ملا صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت تک کیوں نہیں آئے تھے۔ ملا صاحب نے نہایت غرور و تکبر کے انداز میں جواب دیا جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا حج کرنے گیا ہوا تھا۔ سات برس تک معظمہ میں رہا۔ اور سات دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت کی اور سات حج کئے۔ حرمین میں نمازوں اور روزوں کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے وہ سب میں نے حاصل کیا اور اب سات برس کے بعد وہاں سے واپس آیا ہوں۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ بھی اٹھایا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت تمام اپنے گھر میں پہنچ گیا اور سب اہل و عیال کو سلامت اور خوش و خرم دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔

حضرت بابا صاحب نے ملا صاحب کا یہ بیان سنکر ارشاد کیا آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ سات حج کئے۔ سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں۔ سات رمضانوں کے روزے رکھے سبحان اللہ بڑی بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ اب تو ہم سے خفا نہیں ہیں؟ ملا صاحب نے جواب دیا اور میں خفا ہی کب تھا؟

حضرت رض نے فرمایا سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے میں اسی خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔

بابا صاحب نے کہا۔ مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی آپ یاد دلائیں شاید مجھے یاد آجائے۔

حضرت نے فرمایا۔ ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں آپ نے جواب دیا تھا اسلام کے پانچ رکن ہوتے ہیں۔ ایک کلمہ دوسرے نماز، تیسرے رمضان کے روزے۔ چوتھے زکوٰۃ۔ پانچویں کعبہ کا حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی بھی ہے۔ اس سے آپ خفا ہوگئے تھے اور خفا ہوکر یہاں سے چلے گئے تھے۔ اور قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی کہ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا اور ہم کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

یہ سن کر مولانا ہنسے۔ اور انہوں نے کہا ہاں ہاں مجھے یاد آگیا یہ ٹھیک ہے میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا مولانا میں اگرچہ بے علم یا کم علم ہوں۔ لیکن میں نے تو یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خفا ہوکر کہا لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجئے۔ حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا خادم ایک موٹی کتاب لے آیا۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا تم میرے پاس سے ذرا دور ہٹ جاؤ سب لوگ دور ہٹ گئے۔ حضرت نے مولانا کو اور قریب بلایا اور کتاب کے ورق الٹ الٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے جس کے لئے کتاب منگائی تھی۔ یکایک حضرت نے فرمایا لیجئے یہ عبارت موجود ہے مولانا نے غور سے جھک جھک کر دیکھا مگر اس کتاب میں کوئی حرف نظر نہ آیا۔ سادہ ورق تھا۔ چاہتے تھے کہ کہیں کہ یہ ورق تو سادہ ہے یکایک مولانا کو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انھوں نے پہاڑ کے کھوہ کے رہنے والے کو دی تھی جونہی مولانا نے اپنے ہاتھ کی تحریر پڑھی ایک چیخ ماری حضرت نے کتاب بند کردی اور مولانا حضرت کے قدموں میں گر پڑے اور توبہ کی اور اسی وقت بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اور اس دن سے سکوت اختیار کیا۔ پھر مرتے دم تک کبھی انھوں نے کسی سے بات نہ کی اور اکثر گریہ ان پر طاری رہتا تھا۔

اس مقام کے متعلق کچھ دلچسپ روایتیں بھی ہیں کچھ تو محکمہ اوقاف نے عرس کے پوسٹر میں لکھی ہوئی ہیں اور کچھ یہاں کے مجاور لوگ بیان کرتے ہیں۔ قلعہ نما عمارت کے جو کھنڈر باقی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمارت مغلوں کے ابتدائی دور میں تعمیر کی گئی ہوگی۔ حاجی شیر صاحب کے متعلق پتہ چلا کہ ان کا زمانۂ حیات دوسری صدی ہجری کا ہے۔[1] کھتوال مہابال نامی ایک ہندو راجہ کی راجدھانی تھی۔ یہ راجہ کمبوہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا فاتح اسلام محمد بن قاسم نے جب ملتان پر لشکر کشی کی تو یہ راجہ اس کے مقابل جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ (تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا) اس کے بیٹے کو دوسرے بہت سے شاہی قیدیوں کے ہمراہ عراق پہنچا دیا گیا۔ یہ راجکمار اس زمانے میں نوعمر تھا غالباً دس سال عمر تھی۔ عراق میں اسے آزاد کر دیا گیا اور اس نے کسی مسلمان بزرگ کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ ملک عرب میں گیا اور وہاں فریضۂ حج ادا کیا۔ اس کے بعد وہ حاجی شیر کے نام سے ملقب ہوا۔ یہی حاجی شیر ہیں جو دیوان صاحب کہلاتے ہیں۔ حاجی شیر نے حجاز میں کم و بیش دس سال کا عرصہ اولیاء اللہ کی صحبت میں گذارا۔

خدا کی شان ہے ان بزرگوں کے فیض صحبت سے حاجی شیر کا رتبہ اتنا بلند ہوا کہ وہ دوسروں کی روحانی رہنمائی کرنے کے قابل ہو گئے۔

حجاز سے حاجی شیر واپس کھتوال آ گئے اور دریا کے کنارے یاد خدا اور عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگے (یہ دریا ستلج تھا جو آج کل کھتوال سے ۵ میل کے فاصلے پر بہتا ہے) انھوں نے اپنی برادری کے لوگوں نیز اہل قصبہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ علاقے کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ لیکن ان کے رشتہ داروں کو حاجی شیر صاحب کی یہ سرگرمی اور جوش تبلیغ ایک آنکھ نہ بھایا۔ انھوں نے سازش کر کے حاجی شیر صاحب کو قتل کر ڈالا۔ ساتھ ہی ان کی بہن کو بھی جو مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں قتل کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں کی قبریں روضے کے اندر پاس پاس ہیں۔ عقیدتمند جب زائرین ان قبور کی زیارت کے لیے روضے میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے مجاور اس بی بی کا احترام بجا لانے کے لیے زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ مجاوروں کے پاس کچھ یادداشتیں ہیں جو زیادہ قابل اعتماد نہیں ان کی بنا پر حاجی شیر دیوان صاحب کی زندگی کے متعلق ذیل کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں ولادت ۱۱۶ھ عراق کو روانگی ۱۲۶ھ مشرکوں کے ہاتھوں قتل ۱۳۱ھ۔ اگر یہ تاریخیں درست تسلیم کر لی جائیں تو حاجی شیر محمد بن قاسم کے ہم عصر نہیں ہو سکتے۔

یہاں عام خیال یہ ہے کہ دیوان صاحب کا زمانۂ حیات بابا فرید کی ولادت سے بہت قریب کا ہے۔ درحقیقت بابا فرید کے دادا صاحب کے ہم عصر تھے جو منگولوں کے حملے کی وجہ سے کابل چھوڑ کر یہاں آ پہنچے تھے اور انھیں ملتان اور اوچ کے حاکم ناصر الدین قباچہ نے (۱۲۰۶-۱۲۱۲) کھتوال کا قاضی مقرر کیا تھا۔ بابا فرید صاحب کے جد اور دیوان صاحب میں ملاقات ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بابا صاحب کا خاندان مستقل طور پر کھتوال میں قیام پذیر رہا۔ بابا صاحب وہیں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بابا فرید کتنی مدت تک اپنے آبائی گاؤں میں مقیم رہے۔ بہرحال کچھ مدت بعد وہ اجودھن (موجودہ پاک پٹن) میں جنگل کے نزدیک آباد ہو گئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کر دیا اور لوگوں کو اپنی روحانی قوتوں سے فیضیاب کرنے لگے۔ بے شمار لوگ ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنی اپنی مرادیں پاتے۔ ان کے حسن کردار اور مواعظ دلپذیر سے متاثر ہو کر اردگرد کے علاقوں کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بابا صاحب نے اپنی بقیہ عمر یہیں گذاری اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ جب آپ کا مزار مقدس یہاں بنا تو عقیدتمندوں نے اجودھن کو پاک پٹن کا نام دے دیا جو آج تک قائم چلا آتا ہے۔

بابا صاحب کے والد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ کھتوال ہی میں قیام پذیر رہے۔ والد صاحب پہلے وفات پا گئے۔ والدہ گاؤں میں اکیلی رہ گئیں تو بابا صاحب نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ والدہ صاحبہ کو اجودھن لے آئیں۔ راستے میں گھنی جھاڑیوں کا جنگل تھا۔ خاتون کو پیاس نے ستایا تو بیٹا انھیں وہاں بٹھا کر خود پانی کی تلاش میں نکلا۔ واپسی پر ضعیفہ کو وہاں نہ پایا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ انھیں شیر اٹھا لے گیا اور پھاڑ کھایا۔ بعد میں ان کی ہڈیاں وغیرہ جنگل سے لا کر کھتوال میں دفن کر دی گئیں۔ اور اب ایک چھوٹے سے [illegible] میں ان کی قبر بنا دی گئی جو اب بھی موجود ہے۔

[1] سیر الاولیاء کی روایت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو مضمون شیخ [illegible]

حضرت باباصاحبؒ کی درگاہ ومزارات

(از مولانا وحید احمد مسعود فریدی)

درگاہ کا دروازہ جانب مشرق بند رہ درقیع ہے۔ اس کے سامنے اندر گور روضہ ہے۔ جاتے ہوئے سیدھے ہاتھ کو سماع خانہ ہے۔ روضے کے اندر جگہ مختصر ہے۔ اس کے مشرقی دروازے میں داخل ہوتے ہی پہلا مزار حضرت بدرالدین سلیمانؒ کا ہے اس کے قریب برابر دوسرا مزار حضرت والا کا ہے۔ مزار کے مغرب میں کافی جگہ ہے کہ لوگ بیٹھ سکیں۔ قرآن کی تلاوت کرسکیں اور نماز پڑھ سکیں۔ قبہ مبارک میں عورتوں کے داخلہ کی ممانعت ہے وہ شمالی دیوار کی جالی سے باہر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتی ہیں۔ جنوبی دیوار میں جو دروازہ ہے وہ بہشتی دروازہ ہے۔ یہ ہمیشہ بند رہتا ہے بجز عرس کے ایام میں کھولا جاتا ہے چھٹی محرم کو دوپہر تک جملہ زائرین شہر بدر کردیے جاتے ہیں اور باہر کیمپ میں جمع ہوتے ہیں۔ بعض خواص کو اندرون باد رہنے کے لئے اجازت نامے مل جاتے ہیں۔ شام[1] کو اپنی کچہری[2] سے دیوان صاحب حلقہ میں جلوس کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں اور روضہ کے قریب پہنچتے پہنچتے خواص کا اژدہام ہوجاتا ہے مشرقی دروازہ سے روضہ میں داخل ہوتے ہیں اور فاتحہ پڑھنے کے بعد اسی سے باہر آتے ہیں اور گھوم کر بہشتی دروازہ پر پہنچ کر اس طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جملہ رسوم ادا کرتے ہیں۔ جو سلطان المشائخ نے قائم کی تھیں۔ چنانچہ اس موقع پر قوال قوالی سناتے ہیں سجادہ صاحب کوڑیاں پھینکتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ تالی بجاکر بہشتی دروازے کا قفل کھولتے ہیں اور قبہ کے اندر داخل ہوجاتے ہیں۔ چند عزیز واقارب ان کے ساتھ جاتے ہیں اور دروازہ بند کرلیا جاتا ہے۔ اندر پہنچ کر شربت کھیری کھیوں پر شہدائے کربلا کی فاتحہ دی جاتی ہے۔ اور شربت اندر کے حاضرین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پھر لوح مزار پر دیوان صاحب زعفران پیستے ہیں اور ناند میں بھیگی ہوئی پگڑیوں کو اس زعفران سے رنگتے ہیں۔ پہلی دستار اپنے سر پر باندھتے ہیں۔ اس کے بعد مراتب کے لحاظ سے خاندانی حضرات کو دستار دیتے ہیں۔ اب قبہ کے مشرقی دروازہ سے نکل کر سماع خانہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ چوبدار مور کی دم کا جھنڈا لئے ہوئے آگے ہوتا ہے اور قوال قوالی سناتے ہوئے چلتے ہیں آدھی دور جاکر بہ تقلید سلطان المشائخ مزار کی طرف تین مرتبہ واپس آتے ہیں اس کے بعد سماع خانہ جاتے ہیں سلطان المشائخ سماع خانہ یوں تشریف لے گئے تھے کہ وہاں حضرت بدرالدین سلیمانؒ ان کے استقبال کے منتظر تھے۔ پھر روضہ کے مشرقی دروازہ کے قریب بلند مقام پر دیوان صاحب اس لئے بیٹھ جاتے ہیں کہ زائرین بہشتی دروازہ

---

[1] دیوان سید محمد مرحوم عموماً شام کو ہی آتے تھے بگران کے صاحبزادے دیوان غلام قطب الدین (موجودہ دیوان) بعد نماز عشاء بہشتی دروازہ کھولنے کے لئے کچہری سے چلتے ہیں۔ [2] دیوان صاحب کے مردانہ مکان کو کچہری کہا جاتا ہے۔

تحقیق و تنقید

راحت القلوب

(ایک تنقیدی جائزہ)

(از جناب نثار احمد فاروقی ۔ شعبۂ عربی دہلی کالج ۔ دہلی یونیورسٹی، دہلی ۶)

"راحت القلوب" حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (رضی اللہ عنہ) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی (قدس سرہ) کی تالیف بتایا جاتا ہے۔ اس کے قلمی نسخے متعدد کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں[1] یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔[2]

اس کا اردو ترجمہ ۱۹۱۱ء میں ملا واحدی دہلوی نے "بزم فریدیہ" کے نام سے شائع کیا تھا۔ پھر یہی ترجمہ ۱۹۴۴ء میں ہفتہ وار "منادی" دہلی میں بالاقساط شائع ہوتا رہا اور رمضان ۱۳۶۴ھ / اگست ۱۹۴۵ء میں، اسے حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنے مقدمہ و تکملہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا۔[3]

"راحت القلوب" کا استناد آج تک مختلف فیہ رہا ہے۔ ایک طبقہ تو اسے عقیدت اور محبت کی نگاہوں سے پڑھتا ہے، اور اس کی زیادہ فکر نہیں کرتا کہ، حقیقتاً یہ بابا صاحبؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے یا نہیں، اور اس کی تاریخی حیثیت اور قدر و قیمت کیا ہے؟

دوسرا طبقہ، اسے تاریخی اعتبار سے غیر مستند اور الحاقی قرار دیتا ہے۔ موخر الذکر فریق کی طرف سے اس کتاب پر شبہات تو وارد کئے گئے ہیں، لیکن اس کتاب کا مفصل، تنقیدی اور تاریخی جائزہ آج تک نہیں لیا گیا۔

اسے غیر مستند سمجھنے والوں میں پروفیسر خلیق احمد نظامی[4] اور پروفیسر محمد حبیب جیسے مورخ بھی شامل ہیں۔[5] اس میں شک نہیں کہ ہر زمانے میں کتب فروشوں نے مقبول مصنفوں سے غلط کتابیں منسوب کر کے شائع کی ہیں۔ صوفیائے کرام سے لوگوں کی عقیدت و محبت کو دیکھتے ہوئے سب سے زیادہ غلط انتساب ان سے ہی ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ فرید الدینؒ

---

[1] ملاحظہ ہو: اسپرنگر ۴۵۳، ریو ۹۰۲، ایوانوف ۱۹۱۔ دو قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرہ شیرانی میں ہیں۔ ایک کا مکتوبہ ہے

[2] صفحات ۶۸۔ سطر ۲۰ (اس کا متن طباعت کی غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔

[3] روزنامچہ حضرت بابا فرید اردو ترجمہ راحت القلوب، مترجمہ ملا واحدی دہلوی، صفحات ۱۳۰ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ مسطر ۲۱۔ متن کی غلطیوں کے علاوہ مترجم کے تسامحات بھی ہیں۔ بعض فقروں کا ترجمہ رہ گیا ہے کہیں ترجمہ غلط بھی ہوا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی ترجمے کی زبان بہت سلیس و رواں ہے۔

[4] حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سلسلے میں "غیر مستند" کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد حبیب نے "راحت القلوب" کو بھی شامل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حضرت نظام الدین اولیاء: حیات و تعلیمات۔ دہلی یونیورسٹی ۱۹۰۰ء)

سے کتنی ہی کتابیں منسوب ہیں جن کا شیخ عطار کی تصنیف ہونا قطعاً مشتبہ ہے۔ اسی طرح دیوان بو علی شاہ قلندر، دیوان معین الدین چشتی، دیوان قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ کا حال ہے۔ یہ غلط انتساب خود ان بزرگوں کی زندگی میں بھی کیے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں کتب مشائخ کا تذکرہ ہوا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ

"مردے مرا در اودھ کتابے نمود و گفت این نبشتهٔ خدمت مخدوم است۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود: "نے، تفاوت گفتہ است من ہیچ کتابے ننوشتہ ام۔"[1]

ایک شخص نے مجھے اودھ میں ایک کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ حضرت کی لکھی ہوئی ہے۔ خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نہیں اس نے غلط کہا۔ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۷۰۸ھ یعنی اپنی وفات سے پندرہ سال قبل تک حضرت محبوب الٰہی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی تھی۔

اس کی تائید مزید حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک ملفوظ سے ہوتی ہے۔ ان کی محفل میں کسی شخص نے شیخ عثمان ہرونی کے ایک ملفوظ کا حوالہ دے کر اپنے اشکال کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ

"این ملفوظ ایشان نیست۔ این نسخہا بر من ہم رسیدہ است و دراں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشان نیست۔ بعد ازاں فرمودند کہ خدمت شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ الاسلام قطب الدین و خواجگان چشت و قدس اللہ ارواحہم و از مشائخ شجرهٔ ما ہیچ شیخ تصنیف نکردہ است۔

یہ ان کا ملفوظ نہیں ہے۔ ایسے نسخے مجھ تک بھی پہنچے ہیں اور ان میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو ان بزرگوں کے اقوال سے مناسبت نہیں رکھتے۔ پھر فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین اور شیخ قطب الدین اور دوسرے چشتی بزرگوں نے (قدس اللہ اسرارہم) اور ہمارے شجرے کے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

بندہ عرضداشت کرد کہ در فوائد الفواد آمدہ است کہ شخصے بخدمت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز عرضداشت کرد کہ من بر شخصے کتابے دیدہ ام از تصنیف شیخ۔ خدمت شیخ فرمودند: او تفاوت گفتہ است۔ من ہیچ کتابے تصنیف نکردہ ام و خواجگان ما نیز نکردہ اند باز بندہ عرضداشت کرد کہ این نسخہا درین وقت پیدا شدہ است، ملفوظات شیخ قطب الدین و شیخ عثمان ہرونی۔ درحیاتِ خدمت شیخ بود؟

بندہ نے عرض کیا کہ فوائد الفواد میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک شخص کے پاس ایک کتاب آپ کی تصنیف کردہ دیکھی ہے تو حضرت نے فرمایا کہ اس شخص نے غلط کہا۔ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی نہ ہمارے شیوخ میں سے کسی نے تصنیف کی۔ بندہ نے پھر عرض کیا کہ یہ کتابیں مثلاً ملفوظات شیخ قطب الدین اور شیخ عثمان ہرونی جو آج کل ملتی ہیں کیا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی حیات میں بھی تھیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تھیں۔ اگر ہوتیں تو حضرت

---

[1] فوائد الفواد، مرتبہ محمد لطیف ملک (لاہور ۱۹۶۶ء) صفحہ ۲۰۔ آئندہ سب حوالے اسی ایڈیشن کے ہیں۔

خواجہ فرمودند: "بنود اگر بودے خدمت شیخ فرمودے و پیدا شدے۔" [1]

شیخ بھی ان کے بارے میں فرماتے اور وہ عام طور پر دستیاب بھی ہوتیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ حضرت نظام الدین اولیاء نے کوئی کتاب لکھی ہے نہ ان کے شیوخ میں سے کسی بزرگ نے۔ مگر فوائد الفواد ہی سے ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے تصنیف وتالیف سے کلیۃً کنارہ کشی نہیں کی تھی۔

میرا خیال ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء" کا بیان کہ

تفاوت گفتہ است من ہیچ کتابے ننوشتہ ام۔"

اس شخص نے غلط کہا میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

اس مخصوص کتاب کے بارے میں ہے۔ جو کسی شخص نے اودھ میں دکھائی تھی اور جس کا تذکرہ حضرت کی محفل میں ہوا تھا۔ حضرت چراغ دہلی نے جو کچھ فرمایا وہ بھی فوائد الفواد ہی کے حوالے سے آیا ہے۔ خود حضرت نے اپنی تحقیق سے نہیں فرمایا تھا۔ خیر المجالس میں ایک فقرہ اور بھی نقل ہوا ہے: "خواجگان ما نیز نکردہ اند"

یہ فقرہ فوائد الفواد کے متداول نسخوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

لیکن حضرت چراغ دہلی کا بیان کیا ہوا ایک اصول اتنا جامع ہے کہ اس نوعیت کی تمام الحاقی کتابوں کا جائزہ اس کی روشنی میں لینا چاہیے آپ نے فرمایا۔

"در آن بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشاں نیست"

اس میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو ان بزرگوں کے اقوال سے مناسبت نہیں رکھتے

خود حضرت نظام الدین اولیاء نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

"من چوں بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز پیوستم ہمیں معنی در خاطر کردم کہ انچہ از لفظ مبارک ایشاں خواہم شنید بخواہم نبشت .... آں روز ہرچہ از شیخ شنودم چوں بمقام خود باز آمدم بر جائے نسخہ کردم۔ بعد ازاں ہر بار انچہ سماع می افتاد در قلم می آوردم تا ایں معنی بخدمت شیخ باز نمودم۔ بعد ازاں ہرگاہ کہ حکایتے واشارتے بیان کردے می فرمودے کہ "حاضر بودی؟" تا آں غایت کہ اگر من غائب بودمے، چوں باز بخدمت پیوستمے فائدہ کہ

جب میں شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا، اسی وقت میں نے دل میں طے کر لیا تھا کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے سنوں گا اسے لکھ لیا کروں گا ... اس (پہلے) دن جو کچھ میں نے حضرت شیخ سے سنا اسے اپنی قیام گاہ پر آکر ایک جگہ درج کر لیا، پھر جو کچھ سنتا رہا، لکھتا رہا۔ اسے حضرت شیخ کے ملاحظہ میں گذرانا تو اس کے بعد وہ جب بھی کوئی حکایت یا نکتہ بیان فرماتے تھے تو فرماتے تھے: موجود ہو؟ حتیٰ کہ میں اگر نہیں ہوتا تھا تو جب حضرت کی خدمت میں آتا تھا تو میری غیر حاضری میں جو نکتہ بیان ہوا تھا اس کا اعادہ فرما دیا کرتے تھے

---

[1] خیر المجالس، ملفوظات حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، مولفہ حمید قلندر۔ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۵۲۔ ۵۳۔ مطبوعہ شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

درغیبت فرمودہ بودے آں را اعادہ کردے"۔[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیاؒ پہلی بار حضرت باباؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے ہیں اسی وقت انھوں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ شیخ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنوں گا وہ قلمبند کرلیا کروں گا۔ چنانچہ پہلے دن جو سنا وہ آپ نے اپنی قیام گاہ پر آکر لکھ لیا۔ اور اسی طرح چند مجلسوں کا حال لکھتے رہے۔ پھر ایک دن وہ مسودہ حضرت باباؒ کے ملاحظہ میں پیش کیا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی سے پسند فرمایا اور آئندہ جب کبھی، بھی مجلس میں کوئی نکتہ یا حکایت بیان فرماتے تھے تو خاص طور سے دریافت فرماتے تھے کہ حضرت نظام الدینؒ موجود ہیں یا نہیں؟ اگر وہ اس وقت نہ ہوتے تھے تو جب تشریف لاتے تھے بابا صاحب وہ واقعہ دوبارہ بیان کردیا کرتے تھے تاکہ حضرت اسے لکھ لیں۔

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں:

"کرامتے معائنہ کردم ہمدراں ایام مردے مرا کاغذہائے سپید داد یک جا جلد کردہ من آں را بستدم و فوائد شیخ الاسلام ہمہ دراں جا ثبت کردم بالا نبشتم کہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ بعد ازاں کلماتے کہ از شیخ استماع داشتم نوشتم وتا ایں غایت آں مجموعہ برمن ہست"۔[2]

میں نے ایک کرامت یہ دیکھی کہ اسی زمانے میں ایک شخص نے سادہ کاغذ کی جلد بندھی بیاض مجھے (ہدیہ میں) دی۔ میں نے قبول کرلی اور حضرت شیخ کے ملفوظات سب اس میں درج کرلئے۔ اس کے اوپر (آغاز میں) یہ لکھا "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

اس کے بعد وہ سب کلمات تھے جو میں نے شیخ سے سنے تھے، اور وہ مجموعہ اس وقت تک میرے پاس موجود ہے

یعنی اسی زمانے میں ایک شخص نے سادہ کاغذوں کی جلد بندھی ہوئی ایک بیاض آپ کو ہدیۃً پیش کردی اس وقت تک حضرت محبوب الٰہی نے بابا صاحبؒ کے یہ کلمات متفرق پرزوں پر لکھے ہوں گے۔ یہ بیاض مل جانے سے انہیں یک جا کرنے کا موقع بھی ہاتھ آگیا۔ چنانچہ آپ نے وہ سب کلمات جو اپنے شیخ سے سنے تھے اس میں درج کرلئے اور وہ مجموعہ ۸ شوال ۷۰۸ھ تک حضرت کے پاس موجود تھا۔ جب یہ معلوم ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے بابا صاحب کے ارشادات قلمبند کئے تھے اور وہ ایک مجلد کتاب کی شکل میں ہوگئے تھے اور ۷۰۸ھ تک حضرت کے پاس موجود تھے تو پھر "فوائد الفواد" کی دوسری عبارت جس میں کسی تصنیف و تالیف سے کلیتہً انکار کیا گیا ہے اسی صورت میں درست ہوسکتی ہے کہ اسے صرف کسی مخصوص کتاب ہی کے بارے میں سمجھا جائے۔

بابا صاحبؒ کے ملفوظات کا یہ مجموعہ جس کے فراہم کرنے کا فوائد الفواد میں بیان ہوچکا ہے، حضرت کی زندگی میں کبھی زیادہ شائع نہیں ہوا۔ اس سے پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے یہ مطلب نکالا ہے کہ یہ ذاتی یادداشت تھی اور اسے کتابی صورت میں مرتب کرکے شائع کرنے کا کبھی ارادہ نہیں تھا۔[3]

---

[1] فوائد الفواد: ۵۰ - ۵۱ [2] فوائد الفواد: ۵۱ [3] محمد حبیب: حضرت نظام الدین اولیا: ص ۸۶ (حاشیہ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا سبب یہی رہا ہو کہ ہمارے شیوخ نے کتابیں نہیں لکھی ہیں تو ہم کیوں تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوں۔ متابعت کاملۂ شیخ اور "اتحاد مطلب" کا ان بزرگوں کے ہاں اتنا ہی اہتمام ہوتا تھا۔

باباصاحبؒ کے ملفوظات

اس مجموعے کے بعض حوالے سیرالاولیاء میں مل جاتے ہیں۔ امیر خورد لکھتے ہیں۔

"دربیان بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہٗ العزیز بخط مبارک خود درقلم آوردہ کہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر فرمودہ است چہار چیز از ہفت صد پیر طبقات سوال کردند، ہمہ یک جواب فرمود:

مَنْ أَعْقَلُ النَّاسِ؟ تَارِكُ الدُّنيَا
وَمَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ؟ الَّذِي لَا يُغَيِّرُ بِشَيْءٍ
وَمَنْ أَغْنَى النَّاسِ؟ القَانِعُ وَمَنْ أَفْقَرُ النَّاسِ؟
تَارِكُ الْقَنَاعَةِ

وفرمود: اللہ یستحی من العبد أن یرفع الیہ یدیہ ویردّ ھما خائبین

وفرمود کہ اگر ہست غم نیست واگر نیست غم نیست وفرمود روز نامرادی شب معراج مرداست وفرمود امام شافعی گفتہ است دہ سال شاگردی صوفیاں کردم تا مرا معلوم شد کہ وقت چہ باشد وفرمود کار کردم خود را بسخن سر ومرد ماں نباید گذاشت وفرمود.

بقدر رنج یابی سروری را
بشب بیداروبودن مہتری را

وفرمود الصوفی یصفوا بہ کل شیء ولا یکدرہ شیء۔ وفرمود قال شیخ الاسلام جلال الدین نوراللہ مرقدہ الکلام مسکر القلوب ان اول الکلام وآخرہ ان کان لشر فتکلم والا فاسکت۔ وفرمود چوں فقیر جامہ نو پوشد چناں پندارد کہ کفن می پوشد وفرمود الانبیاء احیاء فی القبور۔ وفرمود۔

حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کے بعض ملفوظات کے بارے میں — حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ نے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے کہ شیخ کبیر (بابافریدؒ) نے فرمایا: چار باتیں دنیا بھر کے سات سو درویشوں سے پوچھی گئیں سب نے ایک ہی جواب دیا:

سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ جو دنیا تیاگ دے
سب سے زیادہ دوراندیش کون ہے؟ جو گھڑی گھڑی بدنہیں
سب سے زیادہ غنی کون ہے؟ قناعت کرنے والا
سب سے زیادہ فقیر کون ہے؟ قناعت کو چھوڑنے والا

اور فرمایا: اللہ کو اپنے بندے سے شرم آتی ہے کہ وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اللہ اسے نامراد لوٹا دے۔

اور فرمایا: اگر ہے تو غم نہیں۔ اگر نہیں تو غم نہیں

اور فرمایا کہ نامرادی کا دن مردانِ خدا کی شب معراج ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ میں نے دس سال تک صوفیوں کی شاگردی کی تب یہ معلوم ہوا کہ "وقت" کیا ہوتا ہے؟ اور فرمایا کہ اپنے کام کو لوگوں کی ملامت کے خوف سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور فرمایا (شعر)

جتنا رنج اٹھاؤ گے اتنی ہی سربلندی ملے گی
جتنے شب بیدار رہوگے اتنی بزرگی پاؤ گے

اور فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس سے ہر شے صاف ہوجاتی ہے اور وہ کسی چیز سے مکدر نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ شیخ الاسلام جلال الدین نے فرمایا کہ کلام دلوں کو غافل کرنے والا نشہ ہے اگر اسکا اول وآخر خدا ہی کے لیے ہو تو بولو ورنہ خاموش رہو۔

اور فرمایا کہ فقیر جب نئے کپڑے پہنے تو یہ تصور کرے کہ کفن پہن رہا ہوں۔ اور فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور فرمایا (اشعار)

وَ کَانَ ھٰذَا الْعِلْمُ یُدْرَکُ بِالْمُنیٰ
لَمَا کَانَ یَبْقیٰ فِی الْبَرِیَّۃِ جَاھِلٌ
فَاجْھَدْ وَلَا تَکْسَلْ وَلَا تَکُ غَافِلًا
فَنَدَامَۃُ الْعُقْبیٰ لِمَنْ یَتَکَاسَلُ

و فرمود حکایتاً عن اللّٰہ: کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ۔
و فرمود آن نما کہ باشی ورنہ باز نمایدت چنانکہ باشی و فرمود جَذْبَۃٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ۔ و فرمود قول علیہ السلام: طُوْبیٰ لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ۔ و فرمود:

رَضِیْنَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَّ لِلْجُھَّالِ مَالٌ

و فرمود۔ اَلصُّوْفِیُّ یُصَفِّیْہِ کُلُّ شَیْئٍ وَلَا یُکَدِّرُہٗ شَیْئٌ۔ وَ لَوْ اَرَدْتُمْ بُلُوْغَ دَرَجَۃِ الْکِبَارِ فَعَلَیْکُمْ بِعَدَمِ الْاِلْتِفَاتِ اِلیٰ اَبْنَاءِ الْمُلُوْکِ۔

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت
و اندیشۂ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدہ روم بر در تو
اشکم بدوید و آستینم بگرفت

و فرمود المباحثۃ بین الاثنین خیر من تکرار السنتین۔

اے مدعی بدعوی چندین مکن دلیری
یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

و فرمود الآفۃ فی التدبیر والسلام فی التسلیم
و فرمود العلماء اشرف الناس والفقراء اشرف الاشراف۔ و فرمود الفقیر بین العلماء کالبدر بین کواکب السماء۔ و فرمود ارذل الناس من اشتغل بالاکل واللباس۔[1]

اگر یہ علم، آرزو سے حاصل ہو جایا کرتا
تو ساری دنیا میں ایک بھی جاہل نہ ہوتا
کوشش کرو، غفلت نہ برتو، کاہلی نہ کرو
کیونکہ کاہل کے لئے آخرت کی شرمساری ہے۔

اور فرمایا، اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔
اور فرمایا: جو کچھ تم ہو ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرو ورنہ جیسے تم ہو تمہیں (قیامت کے دن) دکھا دیا جائے گا۔
اور فرمایا کہ حق کا ایک جذبہ دونوں عالم کی عبادت پر بھاری ہے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جسے اس کے عیوب نے دوسروں کی عیب بینی سے باز رکھا۔ اور فرمایا (شعر)

ہم خدائے جبار کی اس تقسیم سے خوش ہیں کہ
اس نے ہمیں علم دیا ہے اور جاہلوں کو مال

اور فرمایا کہ "صوفی سے ہر چیز صاف ہو جاتی ہے اور وہ کسی چیز سے مکدر نہیں ہوتا۔" اگر تم چاہو کہ بڑوں کے مرتبے تک پہنچو تو اہل دربار سے التفات نہ کرو۔ (اشعار)

کل رات مجھے دل حزیں نے پکڑ لیا
اور یار نازنیں کے خیال نے گھیر لیا
میں نے کہا: تیرے در پر بسر و چشم جاؤں گا
چنانچہ آنسو دوڑنے لگے اور آستینوں نے مجھے گھیر لیا

اور فرمایا: دو شخصوں کے درمیان علمی مباحثہ دو برس کی سبق کی تکرار سے بہتر ہے۔

اے مدعی اپنے دعوے میں ایسی دیدہ دلیری نہ کر
ایک ہی حرف کے باعتبار معنی تین سو جواب ہو سکتے ہیں

اور فرمایا: ساری آفت تدبیر میں ہے اور سلامتی خود سپردگی میں۔
اور فرمایا: علماء اشرف الناس ہیں اور درویش اشرف الاشراف ہیں
اور فرمایا: عالموں کے درمیان ایک درویش ایسا ہے جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔
اور فرمایا: سب سے زیادہ ذلیل وہ شخص ہے جو کھانے اور پہننے ہی میں مگن رہتا ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء، (مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ)، ص ۲۷ - ۷۶

اس میں شک نہیں کہ یہ سب حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات ہیں اور انھیں امیر خورد نے خود حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اسی موقع پر امیر خورد نے یہ بھی بتایا ہے کہ کسی شخص نے حضرت بابا فریدؒ کے پاس ملفوظات یکجا کئے تھے۔ اور ان میں سے بھی چند کلمات سیر الاولیاء میں نقل کئے گئے ہیں[1]

امیر خورد دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

"سلطان المشائخ بقلم مبارک خود نبشتہ است کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کہ کاتب حروف را بخواند در روز آدینہ بعد از فراغ نماز بیست و پنجم ماہ جمادی الاول سنہ تسع وستین وستمایۃ[2] لعاب از دہن مبارک در دہن کاتب کرد و وصیت فرمود بحفظ کلام اللہ المجید رزقہ اللہ تعالےٰ و شیخ الشیوخ العالم فریدالحق والدین فرمود: نظام۔ گفتم: لبیک۔ خواجہ گفت دین و دنیا ترا دادہ اند اکنوں ہمہ اینست برو ملک ہند گیر نظرہ[3] ملک یکفینی۔ بزرگے خوش گوید۔

بعی لطف تو تواں ز آتش آب انگیخت
بعون جاہ تو بر چرخ بر تواں آمد"

سلطان المشائخؒ نے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے کہ شیخ الشیوخ حضرت بابا فریدؒ نے کاتب حروف کو بلایا جمعہ کے دن نماز کے بعد ۲۵ جمادی الاول ۶۶۹ھ کو۔ اور اپنے دہن مبارک سے لعاب لے کر میرے منہ میں ڈالا اور قرآن مجید حفظ کرنے کی وصیت کی اور شیخ فریدؒ نے فرمایا: نظام! میں نے عرض کیا: حضور ـ فرمایا تمھیں دین اور دنیا دے دی۔ یہاں تو یہی کچھ تھا، جاؤ ملک ہندوستان (کی ولایت) لے لو۔ (میں نے عرض کیا) آپ کی ایک نظر ہی میرے لئے کافی ہے کسی بزرگ نے خوب کہا ہے:

(شعر)

تیرا کرم ہو تو آگ سے بھی پانی نکل سکتا ہے
اور تیرے لطف سے آسمان پر چڑھا جا سکتا ہے

دوسری تالیف} یہ اقتباس بھی اسی مجموعہ ملفوظات کا ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فراہم کیا تھا۔ اس کے علاوہ سلوک سے متعلق کچھ سوالات حضرت شیخ حمیدالدین سوالی سے کئے گئے تھے۔ انہوں نے اس کے جوابات لکھے۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات کتابی صورت میں مدون ہوئے اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی نظر مبارک سے گزرے۔ حضرت نے بعض مقامات کی تشریح یا اختلاف حواشی میں درج کیا اور اس کے لئے ج (یعنی جواب الجواب) کا نشان لگا دیا تھا۔ اس کے کچھ حصے بھی امیر خورد نے نقل کئے ہیں[3] اس سے بھی ظاہر ہوتا

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۷۶ ـ ۷۷

[2] یعنی یہ ۲۵ جمادی اول ۶۶۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس تاریخ کو حضرت محبوب الٰہی اجودھن میں حضرت باباصاحبؒ کی خانقاہ میں مقیم تھے اور باباصاحبؒ بقید حیات تھے۔ مگر یہاں تاریخ میں کچھ غلطی واقع ہوئی ہے کیونکہ حضرت بابا فریدؒ کا انتقال ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوا ہے۔ (اخبار الاخیار۔ مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ ص ۵۴)

[3] سیر الاولیاء ص ۱۲۳ [4] سیر الاولیاء ص ۱۶۰ ـ ۱۶۴

ہے کہ حضرت کو تصنیف و تالیف سے اجتناب کی تھی۔
شیخ حمید الدین سوالی کے مندرجہ بالا رسالے کے اقتباسات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی نقل کئے ہیں[۱]

راحت القلوب اب دیکھنا یہ ہے کہ "راحت القلوب" کیا واقعی حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہیں جنھیں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ نے جمع کیا ہے۔ اس کے لئے ہمیں خارجی اور داخلی شہادتوں سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔
راحت القلوب' میں دو طرح کا مواد ہے۔ ایک حصہ تو واقعی حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات و ارشادات پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ وہی ہے جس کے لئے حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تھا کہ "مناسب اقوال ایشاں نیست۔"
جن ملفوظات کا انتساب حضرت بابا صاحبؒ کی جانب درست ہے ان کا حوالہ تاریخ و سیر کی دوسری کتابوں میں بھی مل جاتا ہے۔ لیکن وہ حصہ جہاں حضرت نے خود اپنی کرامتوں کا بیان کیا ہے۔ جن میں خرافی حکایات (۱۲۶،۲۲) کا حوالہ ہے ان کا حضرتؒ سے انتساب بھی درست نہیں ہے۔
دراصل راحت القلوب' زمانہ مابعد میں کسی شخص کے ذہن کی خلاقی کا نتیجہ ہے اس مجموعہ کے مرتب کو یہ معلوم تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے پیر و مرشد کے ملفوظات فراہم کئے تھے، اس نے "فوائد الفواد" اور "سیر الاولیاء" کے مختلف مقامات کو یکجا کر کے، اور کچھ دوسرے مآخذ سے اضافہ کر کے ایک نئی کتاب تیار کر لی اور خاصی احتیاط کرنے کے باوجود اس سے کچھ ایسی غلطیاں سرزد ہو گئیں جن کا گہرا مطالعہ اس وضع و تحریف کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔

راحت القلوب کے مآخذ (الف) راحت القلوب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ ہم نے ان سب کتابوں سے مندرجات کی مطابقت نہیں کی ہے لیکن ان کتابوں کے حوالے سے راحت القلوب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تقابلی مطالعہ۔ اس سلسلے میں مزید حقائق تک پہنچا سکتا ہے۔ کتابوں کے نام کے سامنے راحت القلوب کے اردو ترجمہ کا حوالہ ہے۔

(۱) تحفۃ العارفین ص ۱۶
(۲) عوارف المعارف ص ۷۷، (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)
(۳) عمدہ سلوک ص ۱۲ - ۱۷
(۴) حدائق ص ۱۷
(۵) اوراد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ص ۸۰
(۶) اسرار العارفین ص ۱۷۔ ص ۲۹۔ ص ۷
(۷) سیر العارفین ص ۲۵
(۸) دلیل العارفین ص ۲۸
(۹) مسلک سلوک ص ۲۸
(۱۰) شرح الاسرار ص ۳۰

---

[۱] اخبار الاخیار --- ۳۲ - ۳۶
[۲] فوائد الفواد : ۴۳ ، ۱۲۶ ، ۱۹۴
[۳] فوائد الفواد : ۱۸۷

(۱۱) تاریخ شیخ حمید الدین ناگوری ص ۵۵ ص ۶۵
(۱۲) شرح مشائخ ص ۷۲
(۱۳) مطول[۱] ص ۵۷
(۱۴) شرح شیخ الاسلام شیخ معین الدین چشتی ص ۱۱۳
(۱۵) مشارق الانوار[۲] ص ۵۹
(۱۶) تفسیر کشاف[۳] ص ۹۷
(۱۷) کتاب مفصل ص ۶۴
(۱۸) فتاویٰ ظہیری ص ۸۲ ۔ ص ۹۳
(۱۹) فتاویٰ کبریٰ ص ۴۷
(۲۰) بقیہ المجتہدین ص ۸۵
(۲۱) کتاب امام محمد شیبانی ص ۹۴
(۲۲) راحۃ الارواح[۴] ص ۵۵ ۔ ص ۶۷
(۲۳) کفایہ (امام شعبی) ص ۱۰۲ ۔ ص ۱۰۶
(۲۴) تحفۃ العارفین ص ۱۶
(۲۵) آثار العارفین ص ۱۹
(۲۶) قوت القلوب[۵] مولفہ ابو طالب مکی ص ۴۷ ۔ ص ۱۰۱
(۲۷) شرح علماء ص ۶۷
(۲۸) شرح اولیاء (خواجہ قطب الدین مودود چشتی) ص ۷۱
(۲۹) تفسیر امام زاہد ص ۷۱ ۔ ص ۹۵ ۔ ص ۹۸
(۳۰) اوراد شیخ عثمان ہارونی ص ۸۱ ۔ ص ۱۰۸
(۳۱) اوراد شیخ معین الدین چشتی ص ۸۵ ۔ ص ۱۰۵
(۳۲) جامع الحکایات[۶] ص ۹۴
(۳۳) اوراد خواجہ قطب الدین بختیار چشتی ص ۱۰۹
(۳۴) اسرار تابعین ص ۷۱

ان کتابوں سے مولف راحت القلوب نے واقعی استفادہ کیا ہے یا محض ان کے نام ہی درج کر دیے ہیں یہ کہنا مشکل ہے۔ مگر "فوائد الفواد" اور "سیر الاولیاء" پر اس کی تالیف کا پورا دارومدار ہے۔ اور اس کے شواہد ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔

راحت القلوب کی مجلسیں (ب) "راحت القلوب" میں چوبیس مجلسوں کا حال قلم بند ہوا ہے۔ ان میں پہلی مجلس ۱۵ رجب ۶۵۵ھ روز چہارشنبہ کی ہے اور آخری مجلس ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ کی۔ تاریخوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ۱۵ رجب ۶۵۵ھ چہارشنبہ (ص ۲ - ۴)[۷] (۲) ۱۶ شعبان ۶۵۵ھ پنجشنبہ (ص ۴ - ۲۰)

---

[۱] یہ جو ذکر غلط فہمی میں آیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم نے آئندہ شمس دبیر کے قصے کے ذیل میں کر دی ہے

[۲] فوائد الفواد: ۱۵۱، ۱۶۸، ۳۴۸

[۳] فوائد الفواد: ۱۸۶، ۱۸۸

[۴] بظاہر یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ فوائد الفواد: ۱۴۱ میں روح الارواح کا ذکر ہے جسے قاضی حمید الدین ناگوری بہت پڑھتے تھے۔

[۵] فوائد الفواد: ۱۴۱

[۶] فوائد الفواد: ۵۴

[۷] یہ حوالے فارسی متن راحت القلوب، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ، کے ہیں۔
ان تاریخوں میں اتنا تفاوت کیوں ہوا ہے اور جب یہ ملفوظات حضرت محبوب الٰہی نے اجودھن کے زمانہ قیام ہی میں لکھے ہیں تو درمیان میں اتنا ترک کیوں ہے؟ اس کا سبب نہیں بتایا گیا۔

(۳) ۲۰ رشعبان ۶۵۵ھ دوشنبہ (۶-۹)
(۴) ۲۷ رشعبان ۶۵۵ھ (۹-۱۲)
(۵) ۲۹ رشعبان ۶۵۵ھ پنجشنبہ (۱۲-۱۶)
(۶) ۱۱ر (ماہ مذکور ؟) ۶۵۵ھ (۱۶-۱۸)
(۷) ۱۳ر (ماہ مذکور ؟) ۶۵۵ھ (۱۶-۲۲)
(۸) ۲۵ر (ماہ مذکور ؟) ۶۵۵ھ (۲۲-۲۵)
(۹) ۵ر رمضان المبارک ۶۵۵ھ (۲۵-۲۹)
(۱۰) ۲۵ر شوال ۶۵۵ھ دوشنبہ (۲۹-۳۱)
(۱۱) ۱۵ر (ماہ مذکور ؟)[۱] ۶۵۵ھ (۳۱-۳۳)
(۱۲) ۲۰ر (ماہ مذکور ؟) ۶۵۵ھ (۳۳-۳۴)
(۱۳) ۲۱ر (ماہ مذکور ؟) ۶۵۵ھ (۳۴-۳۶)
(۱۴) ۱۰ر ذی قعدہ ۶۵۵ھ (۳۶-۳۷)
(۱۵) ۱۲ر ذی قعدہ ۶۵۵ھ (۳۷-۴۱)
(۱۶) ۲ر ذی الحجہ ۶۵۵ھ (۴۱-۴۴)
(۱۷) ۷ر ذی الحجہ ۶۵۵ھ (۴۴-۴۹)
(۱۸) ۲۰ر ذی الحجہ ۶۵۵ھ (۴۹-۵۲)
(۱۹) ۲۷ ذی الحجہ ۶۵۶ھ (۵۴-۵۸)
(۲۰) یکم محرم ۶۵۶ھ (۵۷-۵۸)
(۲۱) ۱۰ر محرم (ماہ مذکور ؟) (۵۸-۶۰)
(۲۲) ۴ر صفر ۶۵۶ھ (۶۰-۶۲)
(۲۳) ۲۷ر صفر ۶۵۶ھ (۶۲-۶۶)
(۲۴) ۲ر ربیع الاول ۶۵۶ھ (۶۶-۶۸)

ہمیں معلوم ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے پیر و مرشد کی زیارت کے لئے اجودھن کے دس سفر کئے ہیں۔ تین بار تو حضرت بابا صاحبؒ کی حیات میں وہاں تشریف لے گئے تھے اور چھ یا سات بار ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے ہیں[۲] لیکن راحت القلوب سے اب اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے پہلی بار ۱۵ر رجب ۶۵۵ھ کو بدھ کے دن حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں شرف حضوری حاصل کیا اور ۲ر ربیع الاول ۶۵۶ھ تک خانقاہ میں مقیم رہے درمیان میں چند روز کے لئے ہانسی جانے کا حوالہ ہے۔[۳]

پہلی حاضری ہی میں بابا صاحبؒ نے انھیں مرید کر، کلاہ چہار ترکی عطا فرمائی اور آخری ملاقات (۲ر ربیع الاول ۶۵۶ھ) میں فرمایا۔

"مولانا نظام الدین را ولایت ہندوستان دادیم و صاحب سجادہ گردانیدیم . . . دستار شیخ قطب الدین بر سر داشت، عطا کرد۔ و عصا برو سعد داد و خرقہ بدست خود پوشانید . . ."[۴]

ہم نے مولانا نظام الدین کو ہندوستان کی ولایت دی اور سجادہ نشین بنا دیا . . . شیخ قطب الدینؒ کی دستار جو آپ کے سر پر تھی عطا کی اور عصا ہاتھ میں دیا اور اپنے دست مبارک سے خرقہ پہنایا۔

---

[۱] یہاں ماہ مذکور سے اگر شعبان کا مہینہ ہی مراد ہے تو مجالس کی ترتیب میں کچھ الٹ پلٹ ہو گیا ہے ایسی ہی بے ترتیبی آگے کچھ تاریخوں میں نظر آئے گی۔ ہم نے ان مواقع پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔ جامع ملفوظات نے تاریخ کے ساتھ دن ہر جگہ نہیں لکھا ہے اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ جہاں اسے شبہ ہوا ہے اس نے دن لکھنے سے گریز کیا ہے۔

[۲] فوائد الفواد:

[۳] راحت القلوب : ۶۱ اردو ترجمہ : ۱۱۱ (یہاں فارسی اور اردو میں تاریخ کا اختلاف ہو گیا ہے یہ مجلس ۴ر صفر ۶۵۶ھ کی ہے مگر ترجمہ میں ۱۰ صفر چھپ گیا ہے)

[۴] راحت القلوب (فارسی) ۶۶ - اردو ترجمہ : ۱۲۱

اسی موقع پر یہ بھی فرمایا "میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر فرمایا کہ یہ سب چیزیں میں تم کو اس سبب سے دیتا ہوں کہ تم آخری وقت میرے پاس نہ ہوگے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے مرشد حضرت شیخ قطب الدینؒ کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ اس وقت میں ہانسی میں تھا۔ اس کے بعد مولانا بدرالدین اسحٰق کو حکم دیا کہ سند تحریر کریں۔ پھر جب سند مجھ کو مل گئی تو میرا سر پہلو میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم کو خدا تک پہنچا دیا۔ پھر فرمایا کہ جمال الدین سے ہانسی میں مل کر جانا۔"[۱]

پھر اسی مجلس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا قصہ بیان فرمایا جس کا مقصد یہ تھا کہ "جن کے واسطے تمام عالم پیدا کیا انھیں کو جب نہ رکھا تو پھر میں اور تم کون ہیں کہ زندگی کا دم بھریں"۔[۲]

آخر میں لکھتے ہیں کہ "یہاں کے خاصۂ پاس بندگان سے میں نے سنا ہے کہ پھر وقت انتقال تک حضرت شیخ الاسلام کسی کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھے۔ صرف مشغولِ حق میں مصروف رہے۔"[۳]

لیکن واقعات تاریخی سے ان سب مندرجات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے بابا صاحبؒ سے اپنی غائبانہ عقیدت اور پھر ان کی خدمت میں حاضری اور کسب فیض کا حال متعدد مجلسوں میں بیان کیا ہے جو "فوائد الفواد" اور "سیر الاولیاء" میں موجود ہے۔

بابا صاحبؒ کا انتقال ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوا ہے[۴]۔ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ آپ کی زندگی کے آخری تین یا چار برسوں میں حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ یعنی پہلی بار غالباً ۶۶۰ھ میں اجودھن کا سفر کیا تھا۔[۵] اس کے بعد ہر سال میں ایک بار وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ آخری بار آپ رمضان ۶۶۳ھ میں اجودھن میں تھے۔ شوال میں بابا صاحب نے آپ کو دہلی کے لئے رخصت کر دیا تھا۔[۶] اور اس کے تین ماہ بعد (محرم ۶۶۴ھ) بابا صاحبؒ نے رحلت فرمائی۔

اس آخری ملاقات میں بابا صاحبؒ نے اپنا عصا مرحمت فرمایا تھا لیکن خلافت اس روز عطا نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحبؒ کے صاحبزادگان غالباً اس کے حق میں نہیں تھے مگر آخری وقت میں حضرت سید محمد کرمانی نے بابا صاحبؒ کے سامنے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنا جامہ، مصلیٰ اور عصا دے کر شیخ بدرالدین اسحٰق سے فرمایا کہ یہ مولانا نظام الدین کو دے دیا جائے۔[۷][۸]

غرض یہ کہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے تین بار اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دی۔ پہلی بار صرف مرید ہوئے اور آپ سے کچھ ملفوظات قلمبند کئے۔ دوسری حاضری میں بابا صاحبؒ سے قرآن شریف کے کچھ پارے اور بعض کتابیں (عوارف المعارف) پڑھیں۔ تیسری حاضری میں رمضان کا مہینہ تھا اور شوال میں آپ رخصت ہو گئے تھے۔[۹] بابا صاحبؒ نے جو یہ فرمایا تھا کہ تم

۱۔ روزنامچہ حضرت بابا فرید ص ۱۲۱　　۲۔ روزنامچہ ص ۱۲۲
۳۔ روزنامچہ ص ۱۲۲۔ راحت القلوب ص ۹۸۔ اس کے مقابلے میں بابا صاحبؒ کے آخری زمانے کا حال دیکھئے فوائد الفواد؛ سیر الاولیاء؛
۴۔ اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) ص ۵۴
۵۔ فوائد الفواد؛ سیر الاولیاء　　۶۔ سیر الاولیاء: ۱۰۷
۷۔ فوائد الفواد ص ۸۸۔ اسی سفر میں ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ کو بابا صاحبؒ نے خلافت عطا فرمائی تھی۔ سیر الاولیاء: ۱۱۶
۸۔ سیر الاولیاء؛
۹۔ فوائد الفواد؛　　۱۰۔ فوائد الفواد؛

میرے انتقال کے وقت موجود نہ ہوگے۔ میں بھی اپنے شیخ کے وصال کے زمانے میں غزنی میں تھا۔ یہ بھی ایک اشارہ اپنے کو نیا فت دینے کا تھا۔ جس طرح قطب صاحبؒ نے اپنی خلافت کے لئے وصیت کی تھی اسی طرح بابا صاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے لئے وصیت فرمائی۔ راحت القلوب کے بیانات اتنے مبہم اور مخلوط ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کے قلم بند کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ بابا صاحبؒ کا وصال کب ہوا ہے؟ اور حضرت نظام الدین اولیاء ان کی خدمت میں کتنی بار حاضری دی ہے اور ان مواقع پر کیا پیش آیا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا سا غور و فکر کیا جاتا تو ان وقائع کو فوائد الفواد اور سیر الاولیاء کی مدد سے زیادہ صحت کے ساتھ لکھا جا سکتا تھا۔

حاضرین محفل (ج) اب یہ دیکھنا چاہئے کہ مولف راحت القلوب نے ۶۵۵ھ - ۶۵۶ھ میں حضرت بابا فرید کی مجلس میں کن بزرگوں کی حاضری بیان کی ہے۔

(۱) بدر الدین غزنوی ص ۱۱ - ص ۲۲ - ص ۵۴ - ص ۱۰۶
(۲) جمال الدین ہانسوی ص ۱۱ - ص ۱۹ - ص ۲۲ - ص ۵۴ - ص ۱۰۶ - ص ۱۱۵
(۳) شرف الدین بنیسر (؟) ص ۱۱
(۴) قاضی حمید الدین ناگوری ص ۱۱
(۵) صلاح الدین پسر قاضی حمید الدین ناگوری ص ۱۵
(۶) شمس الدین برہان
(۷) خواجہ اجل سنجری ص ۱۷
(۸) شمس دبیر ص ۱۹
(۹) شیخ نجم الدین ص ۱۹
(۱۰) شیخ بدر الدین اسحٰق ص ۵۴
(۱۱) شیخ عبداللہ محمد بن احمد بلخی ص ۱۰۴
(۱۲) شیخ برہان الدین ہانسوی ص ۱۱۵
(۱۳) شیخ ملہو لاہوری ص ۱۱۵

تاریخی غلطیاں (د) اندرونی شہادتوں سے بھی راحت القلوب کا جعلی ہونا ثابت ہے۔ چند مثالوں پر اکتفا کیا جائے گا۔

راحت القلوب کے مولف کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے انتقال کی تاریخ کا علم نہیں ہے۔ غرہ محرم ۶۵۶ھ کی مجلس میں ہے۔

"شیخ عبداللہ محمد بن احمد بلخی ..... حاضر ہوئے۔ شیخ الاسلام مراقبے میں تھے۔ اسی وقت ذکر کرنے لگے اور اس قدر ذکر کیا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کا خرقہ آپ کے اوپر ڈالا گیا تب تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے حاضرین نے قدم بوسی کی عبداللہ بلخی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم نے دیکھا ہمارے بھائی بہاء الدین زکریا ملتانی اس بیابان فنا سے شہرستان بقا کی طرف کوچ فرما گئے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ انھوں نے

کہا کہ ان اس وقت انتقال کیا ہے۔ آئیے نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر شیخ الاسلام اور حاضرین نے نماز جنازہ ادا کی۔" [۱]

لیکن اس سے پہلے اسی راحت القلوب میں ۱۳ شعبان ۶۵۵ھ کا ملفوظ ہے۔

"ارشاد ہوا کہ میرے بھائی شیخ زکریا ملتانی کا جب انتقال ہونے کو تھا تو ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین دروازے کے باہر استادہ تھے۔ کسی شخص نے آن کر ان کے ہاتھ میں ایک خط دیا اور کہا اسے کھول نامت۔ حکم صرف یہ ہے کہ تمہاری معرفت تمہارے باپ تک پہنچ دیا جائے۔ شیخ صدرالدین نے عنوان پر نام دیکھ اور رو رو کر فرمانے لگے میں نے پہچان لیا۔ تم ملک الموت ہو۔ جواب دیا: ہاں! فرمایا: پھر خود کیوں نہیں جاتے؟ کہا: یہ کام تم سے ہی لیا جائے گا۔ میرا اتنا فرض تھا کہ خط تمہارے حوالے کردوں۔ صدرالدین اندر گئے شیخ بہاء الدین مشغول تھے۔ جب فارغ ہوئے تو شیخ صدرالدین نے خط پیش کیا۔ شیخ نے اسے کھولا اور اس کے مطالعے سے مشرف ہوکر سجدہ کیا اور جان دے دی۔" [۲]

آپنے ملاحظہ فرمایا کہ یہاں ۱۳ شعبان ۶۵۵ھ کو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے انتقال کا بیان موجود ہے جو ظاہر ہے کہ اس تاریخ سے پہلے ہی کا واقعہ ہوگا۔ اور آگے چل کر یکم محرم ۶۵۶ھ کی مجلس میں کہہ رہے ہیں کہ اسی وقت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا انتقال ہوا تھا اور بابا صاحب نے ازروئے کشف معلوم کرلیا تھا اور اس کشف کی تصدیق دوسرے حافظ الوقت بزرگ شیخ عبداللہ محمد بن احمد علی نے بھی کی تھی۔

لیکن ۲۵ رشعبان ۶۵۵ھ کو چند درویش حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پاس سے آئے ہوئے ہیں ملتے ہیں جن سے بابا صاحبؒ سلوک کے موضوع پر گفتگو فرما رہے ہیں [۳] ان دونوں روایتوں کی صحت کا حال، جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کا انتقال ۷ رصفر ۶۶۱ھ کو ہوا ہے [۴]

شیخ سعدالدین حمویہ نے ۶۵۵ھ میں انتقال کیا ہے۔ اس کے تین سال بعد ۶۵۸ھ میں شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی وفات ہوئی اور ان سے تین سال بعد ۶۶۱ھ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا وصال ہوا اور ان سے تین سال بعد حضرت شیخ فریدالدین گنجشکرؒ نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ [۵]

مگر راحت القلوب میں ۱۳ رشعبان ۶۵۵ھ کی مجلس میں شیخ سعدالدین حمویہ کے انتقال کا ذکر بھی موجود ہے [۶] اور شیخ سیف الدین باخرزی (متوفی ۶۵۸ھ) کو بھی باصطلاح اموات یاد کیا ہے اور ان کی موت کا واقعہ لکھا ہے۔ [۷]

نقل میں بے احتیاطی } بعض واقعات راحت القلوب میں فوائد الفواد سے نقل ہوئے ہیں اور نقل میں بے احتیاطی برتی

---

[۱] راحت القلوب ص ۵۷ ۔ اردو ترجمہ ص ۱۰۴

[۲] راحت القلوب ص ۲۰ ۔ اردو ترجمہ ص ۳۹ نیز دیکھو فوائد الفواد ص ۳۷۵

[۳] راحت القلوب ص ۲۲ اردو ترجمہ ص ۴۱

[۴] اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) ص ۲۸

[۵] سیر الاولیاء : ۹۱

[۶] راحت القلوب : ۲۱ اردو ترجمہ : ۴۰ ۔ نیز دیکھو فوائد الفواد : ۲۲۳ ۔ سیر الاولیا : ۳۵۶

[۷] راحت القلوب : ۲۱ اردو ترجمہ : ۴۱

گئی ہے ، وہ اس کی آج بھی چغلی کھا رہی ہے ۔ مثلاً فوائد الفواد میں شمس دبیر کا قصہ نقل ہوا ہے کہ وہ ایک بار بابا صاحب کی خدمت میں ایک طویل مدحیہ قصیدہ لے کر آئے اور اسے سنانے کی اجازت طلب کی ۔

" وقتے شمس دبیر بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز شعرے آوردہ بود ہم ، مدح شیخ شعرے مطول ۔ واجازت طلبید تا بخواند شیخ طیب اللہ ثراہ فرمود کہ بخواں ۔ شمس دبیر آں شعر ایستادہ بخواند ۔ چوں تمام شد شیخ نور اللہ مرقدہ فرمان داد کہ بنشیں ۔ چوں بنشست فرمود کہ باز بخواں ۔ بعدازاں شیخ قدس اللہ سرہ العزیز ہر بیتے را آنچہ دراں بود بیان می فرمود و در بعضے جا اصلاح می کرد و استحسان می فرمود ۔ چنانچہ دل شمس خوش می شد ۔ دریں میان خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر بر لفظ مبارک راند کہ مشائخ شعر کم شنوند خاصۃً در مدح خویش کما ہیت احوال شیخ ببیں کہ بشنید و استحسان فرمود الغرض بعد از استماع آں شعر فرمود کہ مطلوب چہ داری ؟ شمس گفت : عسرتے ہست ۔ مادرے زال دارم کہ در پرورش او می باشم ۔ شیخ فرمود کہ برو شکرانہ بیار دریں میان خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر بر زبان مبارک راند کہ ہر کارے کہ شیخ الاسلام کسے را فرمودے کہ برو شکرانہ بیار آں کار بالقطع تمام شدے ۔ الغرض شمس برفت چند جیتل بیاورد ۔ دراں ایام جیتل ہا بنگالی بودہ است مقدار پنجاہ جیتل کم و بیش بیاورد ۔ شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ فرمود کہ آں را قسمت کنید ۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ قسمت کردند ۔ مرا چہار درم رسید فی الجملہ شیخ فاتحہ خواند شمس را و سعتے و مالے پیدا شد و بر پسر سلطان غیاث الدین دبیر شد ۔ اما دراںچہ روزگار او ساخت اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ بود در حق فرزندان و اہل شیخ توفیق خدمت نیافت یا ندانست یا کسے او را نگفت [1]

ایک بار شمس دبیر شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کی خدمت میں کچھ اشعار لے کر آئے تھے ، وہ بھی شیخ کی ہی مدح میں اور خاص طویل قصیدہ تھا ۔ انھوں نے پڑھنے کی اجازت طلب کی ۔ شیخ نے فرمایا : پڑھو ۔ شمس دبیر نے کھڑے ہو کر اشعار سنائے جب ختم ہوئے تو شیخ نے حکم دیا بیٹھ جاؤ ۔ جب وہ بیٹھ گئے تو فرمایا کہ پھر پڑھو ۔ اب شیخ نے ہر ہر شعر کی لفظی و معنوی خوبیوں کا بیان کیا بعض مقامات پر اصلاح بھی دی اور قصیدے کی بہت تعریف کی یہاں تک کہ شمس دبیر کا دل خوش ہو گیا اس موقع پر خواجہ (نظام الدین محبوب الٰہیؒ) نے فرمایا کہ مشائخ نے اشعار بہت ہی کم سنے ہیں اور خاص طور پر اپنی تعریف میں تو بالکل نہیں سنتے مگر شیخ فریدؒ کے احوال کا کمال دیکھو کہ آپ نے سنا بھی اور داد بھی دی ۔ غرض اشعار سننے کے بعد آپ نے پوچھا کہ تمہاری حاجت کیا ہے ؟ اس نے کہا تنگدست ہوں ۔ میری ایک بوڑھی ماں ہے اس کی دیکھ ریکھ کرتا ہوں ۔ شیخ نے فرمایا کہ جاؤ شکرانہ لے آؤ اس موقع پر خواجہ (نظام الدینؒ) نے فرمایا کہ اگر شیخ الاسلام کسی سے یہ فرماتے تھے کہ جاؤ شکرانہ لاؤ تو اس شخص کا مقصود لازماً حاصل ہو جاتا تھا ۔ الغرض شمس گئے اور چند جیتل راس رمانے کا سکہ ، لے کر آئے اس وقت اکہرے جیتل چلتے تھے ۔ ش پچاس کے قریب لائے ۔ شیخ نے فرمایا انھیں بانٹ دو خواجہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے بانٹے تو مجھے بھی چار درہم حصے میں ملے ۔ اس کے بعد شیخ نے فاتحہ پڑھی اور شمس کے رزق میں کشائش پیدا ہو گئی وہ سلطان غیاث الدین کے بیٹے کا اتالیق مقرر ہو گیا ۔ مگر جب اس کا زمانہ ساز گار ہوا تو اگرچہ شیخؒ کا انتقال ہو چکا تھا ، اس نے آپ کے زن و فرزند کی خدمت کرنے کی توفیق نہ پائی ۔ اس بات کا حق نہ سمجھا یا کسی نے اس کو یاد نہ دلایا ۔ "

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۱۸ ۔ ۲۱۹

یہ واقعہ چونکہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی موجودگی میں پیش آیا تھا اور شمس دبیر نے جو پچاس جیتل نذرانے کے طور پر پیش کئے تھے ان میں سے چار جیتل خود حضرت نظام الدینؒ کو بھی مجلس میں ملے تھے۔ اس لئے جامع راحت القلوب نے اس واقعہ کو ۲۵ شوال ۶۵۵ھ کے ملفوظات میں درج کردیا ہے لے لیکن چند غلطیاں ایسی رہ گئیں جن سے جامع کی وضع و تحریف کا پردہ چاک ہوگیا۔ راحت القلوب میں لکھا ہے:

"روزے شمس دبیر نسخہ مطوّل آورد و اجازت طلبید تا بخواند ؎"

مطوّل نحو کی ایک کتاب کا نام ہے اور اس کے مجلس میں پڑھنے کی اجازت طلب کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ حضرت نظام الدین نے جو فرمایا کہ "شعرے آوردہ بود ہم در مدح شیخ شعرے مطوّل۔ ؎ اس کا مفہوم یہ ہے کہ شمس دبیر کچھ شعر لکھ کر لائے تھے اور شعر بھی حضرت بابا فرید کی مدح میں تھے اور حد سے طویل تھے۔ یعنی کوئی لمبا چوڑا قصیدہ تھا مگر اس وقت حضرت بابا صاحبؒ نے صرف شاعر کی دل داری کے لئے نہ صرف ایک بار بلکہ مکرر سماعت فرمایا اور محاسن شعری کی تعریف کی۔ ؎ چونکہ یہ رسم ہے کہ قصیدہ لکھنے والے کو صلہ بھی دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بابا صاحبؒ نے آخر میں شاعر سے پوچھا کہ تمہاری ضرورت کیا ہے؟ اس نے افلاس اور تنگدستی کی شکایت کی تو حضرت نے اس سے کہا نذرانہ لاؤ۔ وہ حاضرین میں تقسیم کیا گیا اور بابا صاحبؒ نے فراخی رزق کے لئے دعا فرمائی آپ کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ شمس دبیر کو سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے کی اتالیقی مل گئی۔

لیکن یہ واقعہ حضرت نظام الدینؒ کے آخری سفر اجودھن (۶۶۳ھ) کا ہوگا اور بابا صاحبؒ کے انتقال کے بعد (۶۶۴) ہی شمس الدین کو دبیر (اتالیق) کا عہدہ ملا ہے اور وہ شمس دبیر کہلائے گئے ہیں۔ اگر فوائد الفواد میں انھیں شمس دبیر لکھا ہے تو یہ درست ہے کیونکہ وہ روایت (۱۴، ھ) کی ہے۔ مگر راحت القلوب میں اور ۶۵۵ھ میں انھیں شمس دبیر لکھنا خود ہی غلط ہے۔ وہ اس وقت تک دبیر مقرر نہیں ہوئے تھے۔

اسی طرح ماخذ کو نہ سمجھنے کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی ۲۳ محرم ۱۳ ۷ھ کی مجلس میں ارشاد فرمایا:

"من وقتے بخدمت شیخ کبیر در اجودھن بودم جوگی بیامد من از و پرسیدم کہ شما کدام راہ می روید! اصل کار درمیان شما چیست او گفت کہ در علم ما ہم چنیں آمدہ است کہ در نفس آدمی دو عالم است یکے عالم علوی دوم عالم سفلی۔ از فارک تا ناف عالم علویست و از

میں ایک وقت شیخ کبیر (بابا فرید) کی خدمت میں اجودھن میں تھا۔ ایک جوگی آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مسلک کیا ہے؟ اور تمہارے ہاں اصل مقصود کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے شاستروں میں لکھا ہے کہ انسان کی روح میں دو درجے ہیں ایک عالم علوی ہے اور دوسرا عالم سفلی۔ سر سے ناف تک عالم علوی ہے

لے راحت القلوب: ۴۱　اردو ترجمہ: ۵۷ - ۵۸

؎ راحت القلوب: ۴۱　اردو ترجمہ: ۵۷

؎ فوائد الفواد: ۲۱۸

(۴) جامع راحت القلوب نے اس عبارت کا چونکہ مطلب ہی نہیں سمجھا ہے اس لئے وہ یوں لکھتے ہیں: "ایک دن شمس دبیر مطول کا نسخہ لے کر حاضر ہوئے اور پڑھنے کی اجازت چاہی۔ شیخ الاسلام نے حکم دیا بیٹھ جاؤ اور پڑھو شمس دبیر پڑھتے تھے اور شیخ الاسلام تکرار معنی بیان فرماتے تھے اور بعض مقامات پر اصلاح بھی کرتے تھے۔" (اردو ترجمہ حضرت بابا فرید ص ۵۷ - ۵۸)

ناف تا قدم عالم سفلی بسبیل کار آنست کہ در عالم علوی ہمہ صدق و صفا و اخلاق خوب و حسن معاملہ باشد و در عالم سفلی نگاہ داشتن و پاکی و پارسائی خواجہ ذکراللہ بالخیر برلفظ مبارک راند کہ مرا این سخن او خوش آمد" ۱؎

اور ناف سے قدم تک عالم سفلی۔ کوشش ہماری یہ ہے کہ عالم علوی میں صدق و صفا، اچھے اخلاق اور حسن معاملہ رہے اور عالم سفلی میں پاکی پارسائی اور پرہیز۔ خواجہ (نظام الدینؒ) نے فرمایا کہ اس کی یہ بات میرے دل کو بھا گئی۔

راحت القلوب میں یہ واقعہ ۲۵ رشوال ۶۵۵ھ کا ظاہر کیا گیا ہے۔

"ایک جوگی بھی آ بیٹھا۔ دعا گو نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں اصل کار کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں دو عالم مانے گئے ہیں (۱) عالم علوی (۲) عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک کا تعلق عالم علوی سے ہے اور ناف سے پیر تک کا عالم سفلی سے۔" یہ سن کر شیخ الاسلام نے فرمایا "ہاں اس نے سچ کہا مگر اتنا اور یاد رکھو کہ عالم علوی میں صدق و صفا اور خوش اخلاقی اور حسن معاملہ کا ہونا ضروری ہے عالم سفلی میں پارسائی اور پاکی اور زہد کی نگاہداشت کی جاتی ہے۔" پھر شیخ الاسلام پر آب ہو گئے اور بولے "مجھے اس کا یہ بیان بہت پسند آیا۔" ۲؎

فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے جو مکالمہ جوگی سے منسوب کیا ہے اسے راحت القلوب میں بابا صاحبؒ کا قول بنا کر پیش کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود حضرت نظام الدینؒ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ فوائد الفواد کی عبارت کا آخری فقرہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا قول ہے۔ مگر راحت القلوب میں اس کا آخری فقرہ کہ "مجھے اس کا یہ بیان بہت پسند آیا" باباصاحبؒ سے منسوب ہوا ہے۔

اس کے بعد اسی مجلس میں چند نوجوانوں کے قضیہ کا حوالہ ہے:

"اس گفتگو کے اثنا میں چھ سات جوان و خورد سال درویش خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم سب کا ایک قضیہ ہے، حضور اپنے یاروں میں سے کسی کو حکم دیں کہ وہ ہماری باتیں سن لیں۔ شیخ الاسلام نے مجھے اس کام پر متعین فرمایا اور مولانا بدرالدین اسحٰقؒ کو میرے ساتھ کیا۔ چنانچہ ہم نے تعمیل ارشاد کی اور انہوں نے نہایت نرمی کے ساتھ ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ فلاں روز تم نے ایسا کہا تھا اور میں نے یہ جواب دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مجھ پر اور بدرالدین اسحٰق پر ان کی تقریر کے لطف سے گریہ طاری ہو گیا اور ہم نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ فرشتے ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے ہماری تعلیم کے واسطے بھیجا ہے کہ جھگڑوں کو اس طرح طے کرنا چاہیے۔ یہ کیفیت شیخ الاسلام کو بھی معلوم ہوئی وہ بھی چشم پر آب ہو گئے اور بولے بے شک ایسے موقع پر یہی چاہیے کہ گردن کی رگ نہ ابھرے اور غصہ کا اثر تک ظاہر نہ ہو۔" ۳؎

یہ واقعہ بھی "فوائد الفواد" میں بیان ہوا ہے اور تقریباً انھیں الفاظ میں جو راحت القلوب میں ہے ہیں۔ لیکن آخری فقرہ خود حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ملفوظ ہے۔

۱؎ فوائد الفواد : ۱۴۴ ۲؎ راحت القلوب : ۲۹ اردو ترجمہ : ۵۴

۳؎ راحت القلوب ۲۹ ۔ ۳۰ اردو ترجمہ ۵۵ (یہاں اردو ترجمہ میں کچھ غلطیاں بھی ہیں: "لطف تقریر" کا مطلب لہجے کی نرمی ہے۔ اور آخری فقرے میں "گردن کی رگ نہ ابھرے" فارسی محاورے کا لفظی ترجمہ کر دیا۔ رگ گردن برنیاید کا مفہوم خود فارسی عبارت میں لکھ دیا گیا ہے "یعنی اثر غضب پیدا نشود")

"برلفظ مبارک راندکہ سخن در حالت ماجرا چناں باید گفت کہ رگ گردن برنیاید یعنی اثر غضب و تعصب پیدا نباشد" ؎۱

فرمایا کہ جھگڑے میں بھی باتیں اس طرح کرنی چاہئیں کہ غصہ اور ہٹ دھرمی کا اثر ظاہر نہ ہو۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ خود حضرت نظام الدین اپنی مجلس میں ایک واقعہ بیان کریں اور اسی واقعہ کو اپنے قلم سے کتاب میں لکھیں اور دونوں میں اتنا اختلاف ہو۔

واقعات کی روایت میں بھی راحت القلوب کا جامع محتاط نہیں ہے۔ ۵ رمضان ۶۵۵ھ کی مجلس کا ذکر ہے :۔

"فرمایا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ میں روز شب کی تراویح میں ختم قرآن کیا کروں گا کوئی ہے جو میرا ساتھ دے؟ کل حاضرین نے سر تسلیم زمین پر رکھ دیا اور کہا زہے سعادت۔ پھر شیخ الاسلام نے ایک شب میں دو دو قرآن ختم کرنے شروع کئے۔ فی رکعت دس دس پارے پڑھے جاتے اور تھوڑی رات رہے فارغ ہوتے۔" ؎۲

رمضان کی آمد اور تراویح کا یہ تذکرہ پانچویں تاریخ کو ہو رہا ہے۔ شروع کے چار دن کیوں ختم نہیں کیا اس کا کوئی سبب مذکور نہیں۔ پھر حضرت کا یہ فرمانا کہ کوئی ہے جو میرا ساتھ دے؟ بھی حیرت انگیز ہے آپ کی خانقاہ میں جتنے بھی مرید تھے وہ طالبان حق ہی تھے اور وہ خود اس تمنا میں وہاں رہتے تھے کہ مرشد انھیں مجاہدے کرنے کا حکم دیں۔ پھر یہ کہ ایک شب میں دو ختم کرنا عادۃً دشوار ہے۔ ایک ہی ختم ہوجائے تو غنیمت ہے۔ حسب رکی نماز کے بعد تراویح شروع کرکے "ہنوز یک پاس شب باقی بودے۔" یعنی سحر کا وقت ختم ہوجانے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے فارغ ہوجاتے" تھے۔ یعنی اگر رات کو ۹ بجے قرآن شروع کیا جاتا تھا تو رات کو ۳½ بجے تک (تقریباً ۶½ گھنٹے میں) دو ختم ہوجاتے تھے اس حساب سے ایک قرآن سوا تین گھنٹے میں ختم ہوتا تھا۔ اس میں تراویح میں قیام کے علاوہ رکوع و سجود و قعود کا وقت بھی شامل ہے یہ اگر ایک گھنٹہ بھی نکال لیا جائے تو ایک قرآن ختم کرنے کا وقت پونے تین گھنٹے رہ جاتا ہے اور کلام اللہ کتنی بھی روانی سے پڑھا جائے اسے ۸ - ۹ گھنٹے سے پہلے ختم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اسی میں جامع نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں دس پارے پڑھتے تھے۔ فارسی عبارت میں ہے کہ "دہ سی پارہ اکثر" یعنی دس سے بھی کچھ زیادہ کہا ہے ایک شب کی تراویح میں بیس رکعات ہوتی ہیں اس حساب سے ہر تیسری رکعت میں ایک ختم اور بیس رکعتوں میں تقریباً چھ یا سات قرآن ختم ہونے چاہئیں۔ مگر جامع ملفوظات نے جوش عقیدت میں حساب لگانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آخری عمر میں بابا صاحبؒ بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ 'راحت القلوب' کے مؤلف نے جیسا کہ ظاہر کیا ہے کہ یہ ملفوظات حضور کی زندگی کے آخری برسوں کے ہیں، اس وقت عمر شریف ۹۳ سال کی ہو چکی تھی اور بابا صاحبؒ صرف فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھتے تھے باقی حصہ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ ۹۳ سال کی عمر میں یہ توقع رکھنا کہ آپ ایک رکعت میں دس پارے پڑھتے تھے اور ساری رات تلاوت میں گذارتے تھے۔ عقیدت کو کتنا بھی اچھا لگے لیکن طبعی تقاضوں کے خلاف ہے۔

؎۱ فوائد الفواد : ۱۳۴ ؛ ۲۶ ربیع الاول ۷۱۲ھ)

؎۲ راحت القلوب : ۲۷ اردو ترجمہ : ۵۰

اس طرح کی دوسری روایات کی تنقیح بھی کی جائے تو یہ جائزہ خاصا طویل ہو جائے گا اب یہاں متعلق دوسرے امور کی طرف التفات کیا جاتا ہے۔

(ک) راحت القلوب کا تذکرہ نہ فوائد الفواد میں ہے نہ سیر الاولیاء میں۔ نہ کسی دوسری قدیم کتاب میں اس کا حوالہ آیا ہے دراں حالیکہ بابا صاحبؒ کی شخصیت آپ کی زندگی میں بھی اتنی اہم تھی کہ شاہان وقت سے لے کر عوام الناس تک ہر شخص کی عقیدت ومحبت کا مرجع تھے اور آپ کے انتقال کے بعد بھی شہرت ومقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اگر راحت القلوب آپ کے ملفوظات ہوتے اور وہ بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے فراہم کئے ہوئے تو ممکن نہ تھا کہ حضرت محبوب الٰہی ان کا تذکرہ اپنی محفلوں میں نہ کرتے اور بعد کے مورخ وسیرت نگار اس سے اتنے غافل رہتے اس میں بابا صاحبؒ کی زندگی کے کچھ ایسے پہلو بھی سامنے آتے ہیں جن کا تذکرہ اور کسی ماخذ میں نہیں ملتا۔ اس سے بھی راحت القلوب کا جعلی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر رہا ہوں[۱] اس کی تصدیق کسی ذریعے سے نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ سہروردی سے بابا صاحبؒ کو اتنی عقیدت تھی کہ ان کی تصنیف "عوارف المعارف" آپ کے ملاحظے میں رہتی تھی۔ خانقاہ میں اس کا باقاعدہ درس ہوتا تھا اور اسی درس کے زمانے میں آپ کے گھر فرزند تولد ہوا تو از راہ تیمن وتبرک اس کا نام بھی شہاب الدین تجویز فرمایا۔ اگر شیخ سہروردی سے آپ کو ملاقات یا استفادے کا موقع بھی ملا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ راحت القلوب کے سوا دوسرے ماخذ اس بارے میں قطعاً خاموش رہتے۔

(۲) اسی طرح ایک موقع پر شیخ عبدالواحد بدخشانی کی صحبت میں پہنچنے کا حوالہ ہے[۲] یہ بھی خلاف واقعہ ہے۔

(۳) راحت القلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابا صاحب نے ہندوستان سے باہر مندرجہ ذیل مقامات کی سیاحت کی تھی۔

بغداد[۳]۔ غزنین[۴]۔ سیوستان[۵]۔ سمت مغرب[۶]۔ بدخشاں[۷]۔ بخارا۔ لیکن حضرت بابا صاحبؒ کی زندگی اور حالات پر سب سے زیادہ مستند اور قدیم ماخذ "فوائد الفواد" اور "سیر الاولیاء" ان کے اسفار کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات (۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ) کے وقت[۸] بابا صاحبؒ ہانسی میں تھے وہاں سے دہلی آئے اور یہاں قطب صاحبؒ کی

---

[۱] راحت القلوب: ۲ اردو ترجمہ: ۸ (ایک اور موقع پر مدت دس سال لکھی ہے)

[۲] راحت القلوب: اردو ترجمہ: ۳۵ [۳] راحت القلوب ۵، اردو ترجمہ: ۱۱-۱۲-۱۴-۲۰

[۴] راحت القلوب: ۱۷ اردو ترجمہ: ۳۲ - ۷۰

[۵] راحت القلوب: ۱۷ - ۱۸ اردو ترجمہ: ۳۳ - ۴۲ - ۹۲

[۶] راحت القلوب: ۲۶ اردو ترجمہ: ۴۹

[۷] راحت القلوب: ۱۷ - ۱۸ اردو ترجمہ: ۴۴ - ۳۵

[۸] اخبار الاخیار: ۲۶ [۹] سیر الاولیاء: ۶۲ - ۶۳

وصیت کے مطابق آپ کو خرقۂ خلافت دیا گیا۔ یہاں خلق کا ہجوم شروع ہوا تو آپ پھر ہانسی چلے آئے۔ جب ہانسی میں بھی گوشۂ عزلت میں بیٹھنا ممکن نہ رہا تو کھتوال کا قصد کیا جو آپ کا آبائی وطن تھا۔ اور اس کے بعد ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سال دوسری روایت کے حساب سے چوبیس سال اجودھن میں رہے۔ یہ زمانہ اگر اٹھارہ سال ہو تو سنہ ۶۴۶ھ سے سنہ ۶۶۴ھ تک اور چوبیس سال ہو تو سنہ ۶۴۰ھ سے سنہ ۶۶۴ھ تک یعنی تا آخر حیات اجودھن ہی میں قیام رہا وہاں سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے۔[۱] پھر یہ سفر جن کا راحت القلوب میں حوالہ ہے کس زمانے میں ہوئے ہوں گے؟

ان اسفار میں جن بزرگوں سے باباصاحبؒ کی ملاقات ظاہر کی گئی ہے ان کے بارے میں بھی جامع ملفوظات کا ذہن صاف نہیں ہے۔ چنانچہ

"فرمایا کہ میں جس زمانے میں سفر بغداد کر رہا تھا شیخ اجل سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔۔۔۔ میں ان کی خدمت میں کئی دن تک رہا۔"[۲]

یہاں نسبت سنجری (بروزن خنجری) غلط ہے صحیح لفظ سجزی ہے جو سیستانی کی دوسری شکل ہے۔ شیخ اجل سجزی نہیں شیرازی تھے اور ان کا حوالہ فوائد الفواد میں پانچ مواقع پر آیا ہے۔ لیکن اسی تاریخ (۲ شعبان ۵۵ھ) کی مجلس میں آگے چل کر لکھا ہے۔

"ارشاد ہوا کہ میں شمس العارفین کا نواسہ ہوں، آج تیس سال ہوئے کہ اس صومعہ میں معتکف ہوں لیکن اے فرید اتنے طویل زمانے میں مجھے سوائے حیرت اور دہشت کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔"[۳]

فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کا ایک ملفوظ قلم بند ہوا ہے۔ ۲۰ ربیع الاول ۷۱۶ھ کی مجلس میں حضور نے فرمایا:

"مردے بود در غزنیں اورا مولانا حسام الدین گفتندے نبیرہ شمس العارفین بود۔ رحمۃ اللہ علیہ او مرید خواجہ اجل شیرازی بود"[۴]

غزنی میں ایک بزرگ تھے انھیں مولانا حسام الدین کہتے تھے وہ شمس العارفین کے پوتے اور خواجہ اجل شیرازی کے مرید تھے۔

فارسی قدیم میں نبیرہ نواسے اور پوتے دونوں کے لئے آتا ہے۔ ممکن ہے یہاں پوتے ہی مراد ہوں۔ بہر حال شمس العارفین کے جن پوتے یا نواسے سے باباصاحبؒ کی ملاقات ہوئی تھی وہ یہی مولانا حسام الدین ہو سکتے ہیں۔ یہ کسی غار میں معتکف نہ تھے، واعظ تھے۔ اور ایک مجلس وعظ ہی میں بر سر منبر شہید ہوئے تھے۔[۵]

راحت القلوب میں جو واقعات و ملفوظات فوائد الفواد یا سیر الاولیاء سے ماخوذ ہیں ان کی ہیئت بھی بہت بدل گئی ہے یا اصل مفہوم ہی خبط ہو گیا ہے۔ اور ان وقائع کی جو شکل اول الذکر کتابوں میں موجود ہے ان پر راحت القلوب میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ دراں حالیکہ راحت القلوب کو متقدم ماخذ ہونے کی حیثیت سے قریب العہد

---

[۱] سیر الاولیاء : ۶۲ - ۶۳

[۲] راحت القلوب : ۳ - ۴　　اردو ترجمہ : ۱۱ - ۱۲

[۳] راحت القلوب : ۵　　اردو ترجمہ : ۱۳

[۴] فوائد الفواد : ۲۶۱　　[۵] فوائد الفواد

یا اس صرواقعات کے بیان میں زیادہ معلومات سے بھرپور ہونا چاہیے تھا۔ یہاں چند واقعات کا مقابلہ پیش کیا جاتا ہے:

راحت القلوب	فوائد الفواد
۱۔ محمد شاہ نام یارے بود۔ درآمد۔ روے بر زمین آورد۔ فرمود۔ بنشین۔ بنشست او از غایت خراب حال بود کہ برادرش در حالت نزع بود۔ روشن ضمیر۔ بندگی شیخ الاسلام را معلوم شد۔ فرمود: چرا متغیری؟ گفت از حال برادر خود کہ روشن است۔ بر فور شیخ الاسلام بر زبان مبارک راند کہ برو برادر تو نیکو شدہ است۔ محمد شاہ مذکور در خانہ آمد دید کہ برادر را صحت کلی شد و طعام می خورد و گویا ہرگز زحمت نداشت (ص ۴۔ اردو ترجمہ ص ۱۰)	۱۔ فرمود کہ یارے بود از یاران شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز او را محمد شہ غوری گفتندے مردے صادق بود و معتقد۔ وقتے او بخدمت شیخ آمد مضطر گونہ و حیران۔ شیخ پرسید کہ چہ حال است گفت کہ برادرے دارم رنجور و در ہم چنانکہ در وے رمقے بیش نماندہ است این ساعت کہ من بخدمت آمدم چہ عجب کہ تمام شدہ باشد بسبب آں من درہم و زیر و زبر ہستم۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمود کہ ہم چنیں کہ تو ایں ساعت ہستی من ہمہ عمر ہم چنیں ام و لے با کسے پیدا نمی کنم۔ آنگاہ او را گفت کہ برو برادر تو صحت خواہد یافت۔ محمد شہ برخاست و بخانہ آمد۔ برادر را دید گشتہ است و طعام می خورد (ص ۳۹۴ - ۳۹۵)
۲۔ ہم دریں محل بر لفظ مبارک راند کہ شیر خاں والی اوچہ و ملتان بود در حق دعا گوے چنداں عقیدہ نداشت کہ بر زبان آید بارہا در حق او ایں بیت گفتہ می شد افسوس کہ از حال منت نیست خبر آنگہ خبرت شود کہ افسوس خوری بعد از چند روز ہماں سال کفار دراں دیار رسیدند تمام نہیب کردند و بردند (ص ۱۶ - ۱۷)	فرمود کہ شیر خاں والی اچہ و ملتان بود در حق شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز چنداں اعتقادے نداشت تا بارہا شیخ الاسلام درباب او ایں دو مصراع گفتے۔ افسوس کہ از حال منت نیست خبر وانگہ خبرت شود کہ افسوس خوری! بعد ازاں فرمود کہ چوں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز از دنیا برفت ہماں سال کافراں دراں دیار رسیدند۔" (ص ۳۷۳ - ۳۷۴)

۳ - شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز فرمود کہ وقتے من و شیخ جلال تبریزی و شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ در ملتان بودیم و آں روز قباچہ والی ملتان بود بیامد و عرضداشت کرد کہ مغل نزدیک شہر رسیدہ است چہ می فرمایند شیخ قطب الدین تیرے داشت اورا داد کہ برو جانب لشکر ایشاں بفرست. بحکم اشارت خواجہ ہمچناں کرد یک نفر مغل نماندہ بود ہمہ رو بگریز نہادند

(ص ۱۸ - ۱۹)

۴ - فرمود کہ ازاں وقت کہ برادرم شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز نقل خواہد کرد پسر بزرگوار ایشاں صدرالدین پیش در استاد بود. مردے بیامد مکتوب بر دست او داد و گفت ایں مکتوب باز نکنی فرمان است کہ بدست شیخ صدرالدین بدہ تا او بر دست شیخ بہاء الدین زکریا رساند تا او بخواند شیخ صدرالدین بر عنوان نام بخواند ہائے ہائے بگریست و گفت دانم کہ طلب دوست نیامد مگر ملک الموت کہ بدیں صورت آمدہ. گفت آرے. گفت شما چرا نمی روید فرمود مرا فرمان است کہ بر دست شما بدہم خدمت شیخ را شما بدہید ہمیں کہ شیخ صدرالدین نامہ بیاورد شیخ بہاء الدین مشغول بود چوں فارغ شد روئے بر زمین آورد و ایں مکتوب بر دست شیخ داد چوں شیخ ایں مکتوب را بستد باز کرد و بشرف مطالعہ مشرف گشت. فرمود دور شوید. آنگاہ سر بسجدہ نہاد و جاں بداد داز درون نعرہ برآمد کہ شیخ بہاء الدین بدوست پیوست۔"

(ص ۲۰)

۳ - از نسبت بزرگی شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ حکایت فرمود کہ وقتے شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین در ملتان بودند لشکر کافرے زیر پائے منارہ ملتان آمد. والی ملتان قباچہ بود. شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز شبے تیرے بدست قباچہ داد و گفت ایں تیر را عمیاً جانب لشکر کافر بفرست. قباچہ ہمچناں کرد چوں روز شد یک تن از کافر نماندہ بودند ہمہ رفتہ بودند

(ص ۱۸۵)

لختے سخن در نقل شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ افتاد. فرمود کہ روزے مریدے نامۂ بیاورد و بدست شیخ صدرالدین داد رحمۃ اللہ علیہ و الرضوان و گفت کہ ایں نامہ را یکے مردے دادہ است و گفتہ. کہ ایں را بخدمت شیخ بہاء الدین برساں. شیخ صدرالدین چوں عنوان نامہ بخواند متغیر شدہ برفت و آں نامہ را بدست شیخ بہاء الدین داد رحمۃ اللہ علیہ شیخ چوں آں نامہ را بخواند بخندید و نعرہ ہا برخاست و شب تا واقعۂ شیخ شد

(ص ۳۷۵)

راحت القلوب

۵ - مردے در بخارا شبے در خواب دید کہ مشعل سوزاں از دروازۂ بخارا بیروں می رفت بیدار شد بخدمت بزرگے آمد و خواب خود بگفت آں بزرگ تعبیر کرد کہ صاحب نعمتے ازیں جا نقل خواہد کرد - ہمدریں محل فرمود کہ شیخ سیف الدین باخرزی نیز پیر خود را در خواب دید کہ ایشاں می گوید کہ اشتیاق بسیار شد - دراں ہفتہ تذکیر متواتر گفت و دراں تذکیر ذکر فراق بود و وداع خلق ہمہ حیران کہ چہ میگویند سخن در وداع می گویند آنگاہ تذکیر تمام آورد و سوئے جمع آورد و گفت کہ اے مسلماناں بدانید کہ پیر من مرا در خواب می خواند و من میروم خیرباد - ایں بود کہ گفتم - فرود آمد و در خانہ رفت - ہماں شب کہ نقل فرماید کرد جماعہ اصحاب نشستہ بودند و مشعل می سوختند - شیخ سیف الدین در فراق بارے از شب گذشتہ کہ بزرگے صورت پوشیدہ سیب بردست گرفتہ بیامد رو بر زمین آورد و آں سیب بدست وے داد بوسے کردن ہماں بود و جاں بحق تسلیم شدن ہماں - (صفحہ ۱۴)

۶ - آنگاہ فرمود کہ وقتے مرا حالتے پیدا شد، روئے سوئے حاضراں کرد و بر لفظ مبارک راند کہ اگر گویندگاں باشند سماع بشنویم قضا را آں روز گویندگان حاضر نبودند - مولانا بدرالدین اسحٰق تمام مکتوبات و رقعات و چیزاں کہ در خریطہ داشت دست انداخت ہماں مکتوب کہ بردہ است برآمد و آں را بخدمت شیخ الاسلام آورد فرمود کہ بالیست و بخواں چنانچہ مولانا بدرالدین اسحٰق بالیستاد و بخواند کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است و از سر و دیدہ خاک

فوائد الفواد

۵ - فرمود کہ مردے بود در بخارا شبے در خواب دید کہ مشعلہ سوزاں از دروازۂ بخارا بیروں می برند - چوں بیدار شد بخدمت بزرگے آمد و خواب خود بگفت - آں بزرگ گفت ولی صاحب نعمتے از بخارا نقل خواہد کرد - ہمدراں نزدیکی شیخ سیف الدین نقل کرد و حکایت دیگر فرمود کہ ہمدراں ایام پیر او را در خواب دید کہ او را می گوید کہ اشتیاق بسیار شد بیا - چوں شیخ سیف الدین ایں خواب بدید دراں ہفتہ تذکیر کرد - در تذکیر ہمہ ذکر فراق و وداع بود خلق حیران شد کہ ہمہ سخن در فراق می گوید آنگاہ نشید خواند بر ردیف خیرباد ست

رفتم اے یاراں، یاراں خیرباد
نیست آساں درد ہجراں خیرباد

چوں نشید تمام کرد روئے سوئے جمع کرد و گفت اے مسلماناں بدانید و آگاہ باشید کہ پیر من مرا در خواب گفتہ است کہ بیا - من نیز رفتم خیرباد - ایں بگفت و از منبر فرود آمد ہمدراں نزدیکی نقل فرمود - (ص ۳۷۲)

۶ - فرمود کہ وقتے ایشاں خواستند کہ سماع بشنوند گویندہ حاضر نبود - بدرالدین اسحٰق را علیہ الرحمۃ والرضوان فرمود کہ آں مکتوب کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ فرستادہ است بیار - بدرالدین برفت و خریطہ کہ درو مکتوبات و رقعات جمع کردہ بود پیش نہاد و دست انداخت اول ہماں مکتوب بدست آمد آں را بخدمت شیخ آورد شیخ فرمود کہ بالیست و بخواں - بدرالدین بالیستاد - آں مکتوب خواندن گرفت - در مکتوب ہم چنیں نبشتہ کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است

قدم ایشان چوں ایں قدر بخواند۔ شیخ الاسلام را شنیدن حالے و ذوقے پیدا شد کہ در وہم و فہم ایں کس نیاید و رباعی مکتوب ایں یاد کردند۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
واں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

(ص ۲۳ - ۲۴)

و از سر و دیدہ خاک قدم ایشان" شیخ چوں ایں قدر شنید یک حالے و ذوقے پیدا شد بعد از اں ایں رباعی ہم یاد کردند کہ دراں مکتوب بود

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد الخ

(ص ۲۵۴ - ۲۵۵)

نیز سیر الاولیاء : ۵۰۲

ان عبارتوں کو یہاں ایک دوسرے کے مقابل درج کرنے سے مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ راحت القلوب کے جامع نے یہ اور اسی طرح دوسرے متعدد دقائع) فوائد الفواد سے نقل کئے ہیں۔ اکثر عبارت بھی مشترک ہے مگر بداحتیاطی کے باعث فوائد الفواد کی عبارت کا یا تو مفہوم خبط کردیا ہے یا اس میں ایسی تحریف کردی ہے جس سے مقصود و معنی بدل جائیں "راحت القلوب" اگر ۶۵۶ھ کی تالیف ہوتی تو اسے ان واقعات کے بارے میں زیادہ صحیح اور جامع ہونا چاہیئے تھا جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ۶۵۶ھ میں اور اس کے بعد اپنی مجلس میں بیان فرمائے اور جو فوائد الفواد میں قلم بند ہوئے ہیں۔ فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور راحت القلوب میں جو ملفوظات و وقائع مشترک ہیں ان میں سب سے کمزور روایت راحت القلوب ہی کی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنے زمانۂ شباب میں اور اپنے پیر و مرشد کی مجلس میں بیٹھ کر جو واقعات قلمبند کریں ان کا بیان تو اتنا کمزور ہو اور جب وہی باتیں اپنی عمر کے آخری حصے میں اور اپنی مجلسوں میں زبانی بیان فرمائیں تو ان میں جامعیت بھی ہو اور جزئیات کا احاطہ بھی۔

(ز) اب ان ملفوظات و وقائع کا ایک سرسری جائزہ لیا جاتا ہے جو فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور راحت القلوب میں مشترک ہیں۔

(۱) گر نیک شوم مرا از ایشاں گیرند
ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند

یہ شعر راحت القلوب میں ۲۵ رشعبان ۶۵۵ھ کی مجلس میں بیان ہوا ہے[1] اور فوائد الفواد میں بھی ایک دوسرے سیاق و سباق میں موجود ہے۔[2]

(۲) اوراد کے ترک کرنے سے جو بلائیں نازل ہوتی ہیں ان کا بیان اسی مجلس میں ہوا ہے[3] اور یہ فوائد الفواد میں موجود ہے۔[4]

(۳) شیخ قطب الدین بختیارؒ کی سرحت منارہ کے مقام پر خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ راحت القلوب کی اسی مجلس میں آیا ہے[5] اور یہ فوائد الفواد میں بھی ملتا ہے۔[6] سیر الاولیاء میں بھی ہے۔

(۴) ۵ ررمضان ۶۵۵ھ کی مجلس میں[7] فضیلت ماہ صیام میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ فوائد الفواد ہی سے ماخوذ ہے[8] اور یہی باتیں امیر خورد نے بھی نقل کی ہیں۔[9]

---

[1] راحت القلوب: ۲۳-۲۲ اردو ترجمہ: ۴۴ [2] فوائد الفواد: ۳۶ [3] راحت القلوب: ۲۴- اردو ترجمہ: ۴۳
[4] فوائد الفواد: ۱۷۲-۱۷۳ [5] راحت القلوب: ۲۴ اردو ترجمہ: ۴۶ [6] فوائد الفواد: ۲۱۲ سیر الاولیاء: ۵۱
[7] راحت القلوب: ۲۶ اردو ترجمہ: ۴۸
[8] فوائد الفواد: ۳۵۲ [9] سیر الاولیاء: ۴۰۰

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ، خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار اور حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا واقعہ بھی فوائد الفواد میں موجود ہے۔ [5]

(۶) ۱۵۔ شوال ۶۵۵ھ کی مجلس میں ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود نے غیاث الدین بلبن کے ہاتھ چار دیہات کی معافی کا فرمان اور کچھ نقد بھیجا تھا جسے باباصاحب نے لینے سے انکار کردیا۔ یہ بھی فوائد الفواد میں ہے۔ [6]

(۷) مشارق الانوار اور اس کے مولف رضی الدین صنعانی کا تذکرہ کہ انھیں اگر کسی حدیث میں شبہ ہوتا تھا تو خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق کرلیا کرتے تھے۔ [7]

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو نماز میں اپنے برابر کھڑا کیا تو وہ ازراہِ ادب پیچھے ہٹ گئے، اس ادب سے خوش ہوکر آں حضرت نے انھیں دعا دی۔ [8]

(۹) شیخ سعدالدین حمویہ کا تذکرہ۔ انھوں نے ایک سیب تراش کر بادشاہ کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ ان میں ایک سیب بڑا تھا بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ میں قوت کشف ہے تو یہی سیب مجھ کو دیں گے اور شیخ نے وہی سیب بادشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ [9]

(۱۰) ایک بزرگ نے خضر علیہ السلام سے ترک دنیا کی حقیقت بیان کی۔ اگر مجھ سے کہا جائے کہ دنیا قبول کرلو ورنہ دوزخ میں ڈال دیں گے تو میں دوسری بات منظور کرلوں مگر دنیا کو قبول نہ کروں۔ حضرت خضر نے سوال کیا کہ اتنی بے تعلقی کا کیا سبب ہے؟ کہا کہ دنیا مغضوبۂ خدائے عزوجل ہے۔ جس چیز کا خدا دشمن ہو۔ میں بھی اس کا دشمن ہوں۔ [10]

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ایک خرقہ ملا تھا جو آپ نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو مرحمت فرمایا۔ [11]

(۱۲) اے لبا دردکاں نزادار وست
اے لبا شیرکاں نزا آہو ست [12]

(۱۳) باباصاحبؒ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ جو تم خدا سے چاہو وہ تمہیں ملے۔ [13]

---

[5] راحت القلوب : ۳۱ اردو ترجمہ : ۵۷ فوائد الفواد : ۱۴۵
[6] راحت القلوب : ۳۱ اردو ترجمہ : ۵۸ فوائد الفواد : ۱۶۱
[7] راحت القلوب : ۳۲ اردو ترجمہ : ۵۹ فوائد الفواد : ۱۷۹
[8] راحت القلوب : ۳۲ اردو ترجمہ : ۵۹-۶۰ فوائد الفواد : ۱۸۳
[9] راحت القلوب : ۳۳ اردو ترجمہ : ۶۰-۶۱ فوائد الفواد : ۲۲۲۔ سیر الاولیاء : ۳۵۶
[10] راحت القلوب : ۳۵ اردو ترجمہ : ۶۴ فوائد الفواد : ۱۴۰
[11] راحت القلوب : ۳ اردو ترجمہ : ۹ فوائد الفواد : ۳۳۰
[12] راحت القلوب : ۱۲ اردو ترجمہ ۲۳ فوائد الفواد : ۴۴۳
[13] راحت القلوب : ۴۹ اردو ترجمہ : ۸۹ فوائد الفواد : ۸۸ سیر الاولیاء : ۱۲۳

(۱۴) باباصاحبؒ کا حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت خاص عطا کرنا۔ [1]

(۱۵) اس رباعی سے متعلق واقعہ : [2]

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا
برمردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است
ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا

(۱۶) زکوٰۃ کی قسمیں : زکوٰۃ شریعت ۔ زکوٰۃ طریقت ۔ زکوٰۃ حقیقت ۔ [3]

(۱۷) حضرت نظام الدینؒ کا اپنے پیرومرشد سے رخصت ہونا ۔ [5]

اس طرح کی مثالیں بکثرت پیش کی جاسکتی ہیں کہ راحت القلوب کی عبارتیں فوائدالفواد یا سیرالاولیاء سے [4] ماخوذ ہیں اور جو حصہ دوسری کتابوں سے لیا گیا ہے وہ بہت کمزور اور ناقابل استناد ہے۔

(ح) آخر میں "راحت القلوب" کی ان روایات کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا جو حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے الفاظ میں "مناسب اقوال ایشان نیست "۔ ان روایات کی روح کو دیکھا جائے تو ہر سلیم الطبع شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایسی لغو اور بے سر و پا باتیں حضرت بابا فریدؒ جیسے بزرگ کی زبان فیض ترجمان سے سرزد نہیں ہو سکتی تھیں ان میں دو باتوں کی طرف خصوصی احتیاط کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے ۔ ایک تو جب کوئی بزرگ خود اپنی کرامتوں کا حال بیان کرنے لگے ۔ کرامت کو اہل صوفیہ نے پرکاہ کی برابر بھی وقعت نہیں دی ہے ۔ اور یہ ان سے عموماً اضطراری حالت میں سرزد ہوتی ہیں اختیاری طور پر انہوں نے حتی المقدور اس کے اخفا کی کوشش کی ہے ۔ دوسرے عوام الناس نے اولیاء اللہ کی صرف ایک ہی نشانی سمجھ لی ہے کہ ان سے خرق العادت باتوں کا ظہور ہوتا ہے اور ہر لمحہ کرامتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں ۔ ان بزرگان دین کی اصل کرامت ان کا اتباع شریعت میں ثابت قدم ہونا ، دنیا کے مال و جاہ کی طرف حریص بن کر نہ لپکنا ، اعلیٰ درجہ کا اخلاق پیدا کرنا ، غریبوں اور دردمندوں کے کام آنا اور اسلامی تعلیمات کو اپنے عمل میں رچا بسا کر عام لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے ۔ نہ یہ کہ ان سے غیر معمولی مجاہدوں کو منسوب کیا جائے اور ہزاروں کرامتوں کا غلط انتساب کر دیا جائے ۔

اس لحاظ سے ہمارے صوفیانہ ادب میں فوائدالفواد اور سیرالاولیاء بے مثال کتابیں ہیں ۔ ان کے مطالعے سے حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ ، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ اور ان کی خانقاہ کے وابستگان کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ صحیح معنوں میں درویشانہ باصفا کی زندگی ہے ۔ اس میں بھی جو حصہ کرامات وغیرہ سے متعلق ہے وہ غیر محتاط بیانوں سے پاک ہے اور اگر جدید دور کے ذہن کو اس سے توافق میں دشواری پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ روحانیت کا مکمل شعبہ MYSTIC EXPERIENCE ہے جسے نظری سطح پر نہیں سمجھا جا سکتا۔

---

[1] راحت القلوب : اردو ترجمہ : ۱۲۱ فوائدالفواد : ۸۸

[2] راحت القلوب : اردو ترجمہ : ۱۱۱ فوائدالفواد : ۳۰۱

[3] راحت القلوب : ۹۰ اردو ترجمہ : ۸ فوائدالفواد : ۱۰۸ سیرالاولیاء : ۴۰۲

[4] راحت القلوب : ۹۶ اردو ترجمہ : ۱۲۱ سیرالاولیاء : ۹۱ ۔ ۱۲۳ نیز ص ۹۳

آج کل صوفیائے کرام کے حالات و تعلیمات کی پیشکش میں ایک اور بداحتیاطی یہ ہو رہی ہے کہ انہیں بہ تکلف "سیکولر" بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان صوفیائے کرام کی زندگی کا مقصد فرقہ وارانہ منافرت پھیلانا نہیں تھا نہ یہ اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے جارحانہ انداز اختیار کرتے تھے۔ انہوں نے خانقاہی نظام کو اصلاحِ اخلاق کے مرکز کے طور پر استوار کیا تھا اور اس عہد کے جاگیردارانہ نظام میں معاشی طور پر خستہ حال اور معاشرتی لحاظ سے پسماندہ لوگوں کی امیدوں اور تمناؤں کا واحد مرکز یہی خانقاہیں تھیں۔ فلاکت زدہ لوگ ان بزرگوں کی خدمت میں دعائیں لینے آتے تھے۔ یہ بزرگ اپنے روحانی فیضان سے ان کی مشکلوں کو حل کرتے تھے اور حالت اضطرار میں انہیں سکون قلب کی دولت سے آشنا کرتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی خلق اللہ کی خدمت اور مصیبت زدوں کی اعانت تھا۔ اس میں کسی رنگ، نسل یا عقیدے کی قید نہیں تھی۔ لیکن ان بزرگوں کی حیات و تعلیمات کو محض موجودہ دور کے تقاضوں کے دباؤ میں آکر غیر معمولی طور پر "سیکولر" بنا دینا سیکولرزم کی خدمت ہو تو ہو ان بزرگوں کے ساتھ ہرگز انصاف نہیں ہے۔

پرانے مصنفوں نے جو بداحتیاطیاں کیں ہیں ان کا خمیازہ آج کی نسلوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ عہد وسطیٰ کے مورخ نہایت بے دین اور بداعمال بادشاہوں کے حالات میں بھی اس طرح کی مسجع و مقفیٰ عبارتیں لکھتے تھے کہ "قامع کفر و ضلالت ماحیٔ ظلم و بدعت" "حامیٔ دین، غازی، وغیرہ۔ اور ان سے بہت خانوں کو برباد اور مسجدوں کو آباد کرنے کی فرضی داستانیں اپنے زرخیز تخیل اور زور مند قلم سے منسوب کر دیتے تھے۔ خواہ اس بادشاہ نے قیام دین کی جدوجہد تو بڑی بات ہے کبھی ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی ہو۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے شعرا قصیدہ لکھتے ہوئے ممدوح کی شجاعت و سخاوت اور اس کے گھوڑے، ہاتھی اور تلوار کی مبالغہ آمیز مدح کرتے تھے خواہ فی الاصل وہ ممدوح کتنا بھی بزدل اور بخیل رہا ہو اور خواہ اس کے اصطبل میں نہایت مریل قسم کے ہاتھی گھوڑے بندھے رہے ہوں۔ اسی طرح ان صوفیائے کرام کے عقیدت مند سیرت نگاروں نے بے سروپا باتیں ان بزرگوں سے منسوب کر دی ہیں۔ مثال کے لئے ایک واقعہ راحت القلوب سے نقل کرتا ہوں:

"شیخ الاسلام یہ بیان کر رہے تھے کہ ایک بوڑھا جوگی جس نے اچھے اچھے مجاہدے کئے تھے۔ کسی دور دراز جگہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس پر حضرت کی ایسی ہیبت چھائی کہ سر جھکا کر اونچا نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ خود حضرت کی نظر پڑی اور حضرت نے باآواز بلند فرمایا کہ "سر اٹھا"۔ تب اس نے سر اٹھایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ الاسلام نے پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے اور کیا حال ہے؟ وہ مارے رعب کے کچھ جواب نہ دے سکا۔ آپ نے پھر اپنے الفاظ دہرائے مگر وہ بدستور صم بکم رہا۔ دو تین دفعہ کے اصرار پر آہستہ سے اتنا بولا کہ مجھ سے حضور کے سامنے بات نہیں ہو سکتی۔ اس پر شیخ الاسلام نے دعا گو کو فتنی طلب کرکے فرمایا کہ یہ جوگی میرے پاس بڑے دعوے کرکے آیا تھا۔ جب اس نے سر زمین پر رکھا تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس نے سر کو زمین پکڑ لے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ ہر چند سر اٹھانا چاہتا تھا مگر نہ اٹھا سکتا تھا اگر یہ اپنے زعم و تکبر سے مستغفر نہ ہوتا تو قیامت تک یونہی پڑا رہتا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور استفسار کیا کہ جوگی جی تم نے اپنا کام کس حد تک پہنچایا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کا کمال یہ ہے کہ ہوا میں اڑنے لگتے ہیں یہ بات میں حاصل کر چکا ہوں۔ ارشاد ہوا: "اچھا اڑ۔ ہم بھی تماشہ دیکھیں گے"۔ جوگی کے اڑتے ہی شیخ الاسلام نے اپنے نعلین کی طرف اشارہ کیا وہ حکم الٰہی سے اڑ کر جوگی کے سر پہ جا پہنچا اور تڑ تڑ آواز دینے لگیں۔ آخر جوگی گھبرا کر اتر آیا۔ اور معتقد ہوا کہ جس شخص کے نعلین کو یہ مرتبہ ہے اس کی خود کی کوئی کیا برابری

کرے گا. اور مسلمان ہو کر واصلان حق میں شامل ہو گیا" [1]

اس روایت کا لغو ہونا ظاہر ہے. اسی بے سر و پا باتیں دوسرے صوفیا سے بھی منسوب ہیں مگر بزرگان دین کی تاریخ و سیر کی سینکڑوں کتابوں میں کسی ایک بزرگ کا حال بھی ایسا نہیں ملتا جس میں یہ لکھا گیا ہو کہ یہ پہلے جوگی تھے پھر بزرگ سے ان کا مکابرہ ہوا الخ. اور یہ شکست کھا کر "واصلان حق" میں شامل ہو گئے تھے. کوئی صوفی ہو یا کوئی جوگی. اس کا مقصد تلاش حق ہوتا ہے اور مقابۂ نیک ہر دکان کہ بیشد. کے مصداق اسے اپنے ہم مشرب و ہم خیال اصحاب سے ملنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا. صوفیائے کرام کی خانقاہ میں اکثر جوگی اور سادھو آتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت حسن اخلاق اور ملاطفت کا سلوک ہوتا تھا. اسی طرح صوفیائے کرام نے جوگیوں کے مٹھوں میں حاضری دی ہے اور ان کی تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں. ان کی ملاقاتیں "کفر و اسلام" کا مناظرہ کرنے کے لئے نہیں ہوتی تھیں. ایک دوسرے کے افکار جاننے اور برکت حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھیں. چنانچہ ایک جوگی کا قصہ فوائد الفواد میں بھی موجود ہے اور اس کی گفتگو نقل کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کی باتیں بہت پسند آئیں.

پھر یہ کہاں کا اخلاق ہے کہ ایک بوڑھا شخص دور دراز سے ملنے آیا ہے تو خانقاہ میں اس کی خاطر تواضع نعلین سے کی جا رہی ہے؟ اگر ایسے شعبدے اور کرامتیں دکھا کر لوگوں کو ان بزرگوں نے مسلمان کیا ہوتا تو شاید آج دنیا میں کسی بھی دوسرے مذہب کا وجود نہ ہوتا.

دراصل تاریخ میں "ادھوری خواہشوں" کی آمیزش ہو جاتی ہے جنھیں انگریزی میں UNFULFILLED AMBITIONS کہتے ہیں. معمولی سطح ادراک کے مصنف جو اپنے سے بھی معمولی سطح والے قاریوں کے لئے کتاب لکھتے تھے ان کے تحت الشعور میں یہ تمنا چھپی رہتی تھی کہ کہیں کسی مخالف سے ہمارے بزرگ کا مقابلہ ہو تو انھیں ظفریاب اور اس مخالف کو مغلوب و مقہور دکھایا جائے. ایسے معرکے اپنے ذہن کی خلاقی سے پیدا کر کے انھیں لکھ دینا کیا دشوار ہے؟ تاریخی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے صوفیائے کرام کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے تو ایسے آزمائشی مرحلوں سے گزرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں. مگر اوسط درجے کے پڑھنے والوں کو بھی ان بزرگوں کے غیر مستند حالات و ملفوظات پڑھتے ہوئے اتنی احتیاط ضرور رکھنی چاہئے کہ ان بزرگان دین سے جوشِ عقیدت میں منسوب کی ہوئی بے سر و پا حکایتوں اور کرامتوں کو عقل کی روشنی میں پرکھ کر دیکھ لیں کہ اس سے ان بزرگوں کی کرامت اور علوئے مرتبت میں واقعی اضافہ ہوتا ہے یا یہ کسی بے سمجھ عقیدت مند نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے.

---

[1] راحت القلوب: ۲۷ - ۲۸ اردو ترجمہ: ۵۱ - ۵۲

اسرار الاولیاء

ایک تنقیدی جائزہ

نثار احمد فاروقی ۔ استاد شعبۂ عربی ۔ دہلی کالج ، دہلی یونیورسٹی ، دہلی ۶

اسرار الاولیاء حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے[1] جو حضرت کے خلیفہ اور داماد سید بدرالدین اسحٰق رحمہ سے منسوب ہے ۔ اس میں ۲۲ فصلیں ہیں یعنی صرف ۲۲ مجلسوں کے ملفوظات قلم بند ہوئے ہیں ۔ ہر مجلس کسی خاص موضوع سے متعلق ہے :-

---

[1] اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اور متعدد بار چھپ چکی ہے ۔ لیکن اس وقت میرے سامنے اس کا کوئی فارسی متن نہیں ہے ۔ اس مضمون میں جتنے حوالے دیے گئے ہیں وہ اس اردو ترجمے کے ہیں جو " ہشت بہشت " کے نام سے ۱۹۵۵ء میں لاہور سے چھپا تھا ۔ اس میں دوسرے ملفوظات کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے ۔ اگر اردو مترجم نے کہیں فارسی متن سے انحراف کیا ہو تو میں فی الوقت اس کی تصحیح سے قاصر ہوں ۔

زمانۂ تالیف } یہاں ہر مجلس کے آغاز میں دن ، مہینا اور سنہ نہیں لکھا گیا ہے جیسا مثلاً فوائد الفؤاد میں التزام ہے ۔ مگر پہلی مجلس کی تاریخ ۱۸ رشعبان ۶۲۱ھ روز دوشنبہ درج ہے[1] اور آخری مجلس میں لکھا ہے کہ ۔

"بارہ سال کے عرصہ میں آں جناب کی زبانِ گوہرفشاں سے جو اسرار و رموز ادرالفاظ سنے وہ اس مجموعے میں لکھے گئے ہیں ۔ اگر عمر نے وفا کی تو ان شاء اللہ تعالیٰ جو کچھ جناب کی زبان مبارک سے سنوں گا قلم بند کروں گا ۔"[2]

اس سے ظاہر ہے یہ مجالس ۶۲۱ھ سے ۶۳۳ھ کے درمیان بارہ سال کے عرصہ میں قلم بند ہوئی ہیں ۔ اس طویل مدت کو دیکھتے ہوئے کتاب کی ضخامت بہت ہی کم ہے اور ایک سال میں دو مجلسوں کا اوسط بھی نہیں ہے ۔ جب کہ اس کے جامع سید بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بابا صاحبؒ کے خلفاء مخصوص میں سے تھے اور ہمہ وقت کے حاضرباش تھے بلکہ خلوت و جلوت میں آپ ہی ان کے ساتھ رہتے تھے ۔

حضرت سید بدرالدین اسحٰق } کتاب کے جامع دہلی کے رہنے والے تھے ۔ یہاں انھوں نے علوم ظاہر کی تکمیل کی اور اس کے بعد کمالات باطنی کی تحصیل کے ارادے سے روانہ ہوئے ۔ بخارا جانے کا قصد تھا جو اس زمانے میں اسلامی علوم کا مرکز تھا اور جہاں اجل صوفیہ اپنی خانقاہوں میں روحانیت کے فیوض و برکات سے تشنہ کاموں کو سیراب کر رہے تھے ۔ اثنائے سفر میں آپ کا گذر اجودھن سے ہوا جہاں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکر علیہ الرحمۃ کی خانقاہ تھی بابا صاحبؒ کی خدمت میں پہنچکر گویا انھیں منزل مقصود مل گئی ۔ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسی خانقاہ کے ہو رہے ۔ بابا صاحبؒ نے بھی آپ کے فطری جوہر کو تاڑ لیا تھا ۔ انھیں نہ صرف کمالات روحانی سے بہرہ مند کیا بلکہ اپنی صاحبزادی کا عقد بھی آپ سے کر دیا ۔ اس طرح حضرت سید بدرالدین اسحٰقؒ ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو رہے ۔

---

[1] اسرارالاولیاء : ۳ [2] اسرارالاولیاء : ۱۰۳

[3] حضرت سید بدرالدین اسحٰق دہلوی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو : سیرالاولیاء (طبع دہلی ۱۸۸۵) صفحات تا نیز فوائدالفواد (طبع لاہور ۱۹۶۵ء) صفحات

آپ بڑا درمند دل اور جان پُرسوز رکھتے تھے۔ گریہ کیفیت طاری رہتی تھا۔ آپ کے فضائل اور روحانی مراتب کے اکثر واقعات سیرالاولیاء[1] اور فوائدالفواد[2] میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک بار آپ نے یہ شعر پڑھا:

پیش سیاست عشقش روح چہ نطق می زند ۔۔۔ اے زہزار صعوہ کم سپش تو نواچہ می زنی

تمام دن اسی شعر کو پڑھتے اور سر دھنتے رہے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو بابا صاحب نے انھیں امامت کے لیے آگے کردیا۔ آپ نے نماز میں قرأت کی جگہ یہی شعر پڑھنا شروع کیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو بابا صاحب نے آپ ہی کو امامت کرنے کا حکم دیا۔[3]

بابا صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ اجودھن (پاک پٹن) کی جامع مسجد میں مقیم ہو گئے تھے وہاں بچوں کو قرآن شریف کا درس دیتے تھے۔ چناں چہ بابا صاحبؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ یعقوب، اور مولف سیرالاولیاء کے والد نے بھی آپ ہی سے قرآن شریف پڑھا تھا۔[4]

مولف سیرالاولیاء کا بیان ہے کہ جب تک سید بدرالدین اسحٰق زندہ رہے حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ احتراماً خود کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے طالبوں کو مرید کرنا شروع کیا تھا۔ جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو مولف سیرالاولیاء کے دادا سید محمد کرمانی کو اجودھن بھیجا تاکہ وہ سید بدرالدین اسحٰق کی بیوہ (حضرت بی بی فاطمہ) اور دو بچوں خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کو دہلی لے آئیں اور یہاں حضرت نظام الدین محبوب الٰہی نے ان بچوں کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا۔[5]

حضرت سید بدرالدین اسحٰق کی تصانیف تاریخ سے یہ تو ثابت ہے کہ آپ باطنی کمالات کے ساتھ ہی علوم ظاہری میں بھی درجۂ فضل و کمال پر فائز تھے اور آپ کی ایک تصنیف "تصریف بدری" کا حوالہ بھی سیرالاولیاء میں موجود ہے[6] یہ عربی میں منظوم رسالہ تھا جس میں علم صرف کے قواعد نظم ہوئے تھے۔ سیرالاولیاء میں اس کتاب کے آٹھ شعر اقتباس ہوئے ہیں۔

لیکن آپ کی تالیف "اسرارالاولیاء" کا کوئی حوالہ سیرالاولیاء یا فوائدالفواد میں نہیں ملتا۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت بابا صاحب کے ملفوظات جمع کیے تھے۔ حالانکہ تصنیف و تالیف سے آپ کا ذوق، علم و فضل اور بابا صاحب سے قربت و اختصاص کو دیکھتے ہوئے ایسا باور کرنے کے تمام قرینے موجود ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر حضرت سید بدرالدین اسحٰق دہلوی نے بابا صاحبؒ کے حالات و ملفوظات کی جمع و تدوین کی ہوتی تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی محفلوں میں اس کتاب کا تذکرہ نہ ہوتا یا سیرالاولیاء کا مولف اسے نظر انداز کر دیتا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے زمانے میں یا آپ کے بعد خیرالمجالس اور سیرالاولیاء کی تدوین کے وقت تک کوئی بھی اسرارالاولیاء سے باخبر نہیں

---

[1] سیرالاولیاء (طبع دہلی ۱۸۸۵ء) ص ۱۶۹ تا ۱۰۹

[2] فوائدالفواد: (طبع لاہور ۱۹۶۵ء)

[3] اخبارالاخیار: ۶۷

[4] سیرالاولیاء: ۱۷۲

[5] سیرالاولیاء: ۱۷۲-۳، [6] سیرالاولیاء ۱۷۳

تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یعنی ہندوستان کے مغلیہ عہد میں، اسرار الاولیاء وجود میں آچکی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

"و ے را رسالہ ایست مسمی اسرار الاولیا کہ درو ے ملفوظات گنج شکر را جمع کردہ و در علم تعریف کتابے نظم کردہ ۔۔۔" [1]

کتاب کی کیفیت

داخلی شواہد کی روشنی میں ہم یہ دیکھیں گے کہ اسرار الاولیاء کا حضرت بدر الدین اسحاق کی تالیف ہونا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اور اس کے مشمولات کا انتساب حضرت بابا صاحب سے بھی بالکل غلط ہے۔

جعلی ملفوظات کے تمام ذخیرے کے انداز اور ترتیب میں حیرت انگیز یکسانی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، اسرار الاولیا، افضل الفوائد سب کا ایک سا ہی انداز ہے۔ اکثر ایک مجلس میں ایک ہی موضوع پر گفتگو ہوتی ہے۔ حاضرین اس میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ نہ کسی کی طرف سے کوئی سوال ہوتا ہے نہ مکالمہ ہے نہ موضوع گفتگو کے سوا درمیان میں کوئی اور بات یا واقعہ دخل انداز ہوتا ہے۔ صاحب ملفوظ اکثر کتابوں کے حوالے سے گفتگو کرتا ہے کہ میں نے فلاں کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یا اپنے کسی سفر کا کوئی واقعہ بیان کرتا ہے۔ کہیں کسی تاریخ یا سنہ کا کوئی التزام نہیں ہے۔ سفر کا حوالہ بھی اس طرح آتا ہے کہ "ایک بار میں نے بغداد میں فلاں بزرگ کو دیکھا۔" وغیرہ جن شخصیات سے ملاقات کا حال ہے عموماً ان کے غیر معمولی مجاہدوں کا ذکر ہوتا ہے کوئی کتنے سال سے عالم حیرت میں کھڑا تھا۔ کسی نے دنیا سے معمولی تعلق کی بناء پر اپنے آپ کو شدید سزا میں مبتلا کر رکھا تھا کسی کو عالم غیب سے دسترخوان پہنچتا تھا۔ وغیرہ

اس کے علاوہ اکثر بزرگوں کے خوارق، تصرفات اور خوارق عادات کا مبالغہ آمیز بیان ہے۔ سب سے زیادہ شبہ پیدا کرنے والا حصہ وہ ہے جس میں صاحب ملفوظ خود اپنی کرامت بیان کرتا ہے۔ قرآن کی مختلف سورتوں کے فضائل اور مریدی کے آداب ان ملفوظات کا دوسرا موضوع ہیں۔ مگر ان میں نہ کوئی علمی مسئلہ ہے نہ طریقت کے احکام کا بیان ہے نہ اپنے پیر و مرشد کی تعلیمات اور طریق سلوک کا تذکرہ ہے۔ نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملفوظات کس شہر میں قلم بند ہو رہے ہیں۔ اس وقت کے سیاسی اور تاریخی واقعات کی بھی کوئی جھلک ان میں نہیں ہے نہ عام لوگوں کی سماجی اور تہذیبی زندگی کا کچھ سراغ ملتا ہے سارا بیان بالکل سپاٹ، بےرنگ اور مصنوعی ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ سے منسوب ملفوظات کا تو، ایسا بے رنگ اور بے آہنگ ہونا اور بھی حیرت انگیز ہے کیونکہ آپ اتنے شیریں کلام اور خوش تقریر تھے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ "غایت ذوق" سے اسی وقت مر جانے کو جی چاہتا تھا۔

"سلطان المشائخ می فرمود کہ حسن عبارت و لطافت تقریر بر شیخ شیوخ العالم بحدے بود چوں بسمع ایں کس رسیدے خواستے کہ ایں کس از غایت ذوق ہماں ساعت بمیرد نیکو باشد ۔۔۔" [2]

---

[1] اخبار الاخیار: ۶۷، (راقم الحروف نے سیر الاولیاء کے متعدد قلمی نسخے دیکھے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی بارھویں صدی ہجری سے قبل کا نہیں ہے)
[2] سیر الاولیاء: ۷۰

لیکن اسرار الاولیاء میں اس عدوبت اور شیریں کلام کا دور دور پتا نہیں ہے۔

حاضرینِ محفل } جن مجلسوں کا حال اسرار الاولیا میں قلم بند ہوا ہے ان میں مندرجہ ذیل حضرات کا حوالہ ملتا ہے جو وقتاً فوقتاً اُن محفلوں میں موجود رہا۔

۱۔ درویش کمال الدین حاکم اجودھن (ص ۹)

۲۔ شیخ بدرالدین غزنوی	ص ۲۲، ص ۳۵، ص ۵۷، ص ۶۴، ص ۷۱، ص ۷۶، ص ۸۴، ص ۸۹، ص ۹۲، ص ۹۴، ص ۹۵
۳۔ شیخ جمال الدین ہانسوی	ص ۲۴، ص ۴۱، ص ۵۱، ص ۵۷، ص ۷۶، ص ۸۴، ص ۹۳، ص ۹۴، ص ۹۵، ص ۹۹، ص ۱۰۱
۴۔ شیخ برہان الدین ہانسوی	ص ۳۵، ص ۵۱، ص ۵۷، ص ۶۴، ص ۷۱، ص ۷۹، ص ۸۷، ص ۹۹
۵۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند مولانا ناصح الدین	ص ۴۰ - ۴۱
۶۔ شمس دبیر	ص ۴۱، ص ۸۴
۷۔ مولانا یحییٰ	ص ۵۱
۸۔ مولانا محمد صوفی	ص ۷۶
۹۔ خواجہ عزیز درویش	ص ۷۶
۱۰۔ مولانا یحییٰ غریب	ص ۷۶، ص ۸۷، ص ۹۲، ص ۹۹
۱۱۔ شیخ جمال الدین عرف غریب	ص ۷۶
۱۲۔ شیخ علاء الدین درویش	ص ۷۶
۱۳۔ مولانا بہاء الدین بخاری	ص ۷۹
۱۴۔ شہاب الدین غزنوی	ص ۷۹
۱۵۔ مولانا بدرالدین اسحٰق	ص ۷۹
۱۶۔ مولانا نظام الدین بدایونی	ص ۸۴، ص ۹۲، ص ۹۴، ص ۹۵، ص ۹۹، ص ۱۰۱
۱۷۔ مولانا شمس الدین بخاری	ص ۸۴
۱۸۔ شیخ نجم الدین سنامی	ص ۸۴
۱۹۔ مولانا شہاب الدین بخاری	ص ۹۷
۲۰۔ مولانا بہاء الدین غریب	ص ۱۰۱

جیسا کہ ہم آغاز میں ظاہر کر چکے ہیں یہ ملفوظات ۶۳۱ھ سے ۶۴۳ھ تک بارہ سال کے عرصے میں قلم بند ہونا بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ حوالے ذیل اس عہد کے نہیں ہو سکتے۔

(الف) ان محفلوں میں جن بزرگوں کی شرکت ظاہر کی گئی ہے ان کی عمروں میں بے حد تفاوت تھا۔ ان میں بعض حضرات جزوی طور سے ہم عصر تھے، لیکن ہمسر ہرگز نہ تھے۔

(ب) حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی پہلی ہی مجلس میں موجود ہیں جو بقول جامع ۶۳۱ھ کی ہے۔ حالانکہ شیخ جمال الدین ۶۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۳۱ھ میں صرف تین سال کے تھے۔ اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ دوسری مجلس میں شیخ برہان الدین ہانسوی کو بھی شریک کر دیا ہے۔ جو ۶۴۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے آخری زمانے میں بہ کم سن بچے تھے اور ان کے بارے ہی میں بابا صاحب نے وہ مشہور فقرہ کہا تھا کہ "پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے"۔ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاء سے خرقۂ اجازت حاصل کیا تھا۔

(ج) حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پندرھویں مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ یہ بہرحال ۶۳۴ھ سے پہلے ہی ہوئی چاہیے۔ حضرت کی ولادت ۶۳۱ھ کی ہے اگر اس مجلس کا انعقاد ۶۳۴ھ میں مان بھی لیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ۹ سال کی عمر ہی میں حضرت بابا صاحب کی مجلس میں شریک ہو گئے تھے۔ دراں حالیکہ آپ نے بابا صاحب کی حیات مبارک کے آخری زمانے میں ملاقات کا شرف و سعادت حاصل کی ہے۔

(د) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات کو یہ بھی دھیان نہ رہا کہ وہ اسے حضرت بدر الدین اسحٰق دہلوی سے منسوب کر رہا ہے۔ چودھویں مجلس میں حاضرین کے نام گناتے ہوئے اس نے مولانا بہاء الدین بخاری، مولانا شہاب الدین غزنوی اور شیخ برہان الدین ہانسوی کے ساتھ "مولانا بدر الدین اسحٰق اور چند اور درویش حاضر خدمت تھے" بھی لکھ دیا ہے۔[۱]

(ھ) حاضرین کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اتنے زمانے کے بعد لکھی گئی ہے کہ لکھنے والے کے ذہن سے طبقات مشائخ کا تصور محو ہو چکا ہے۔ وہ مولانا بدر الدین غزنوی جیسے طبقۂ اول کے بزرگ کو حضرت شیخ برہان الدین ہانسوی کے ساتھ شریک صحبت بتا رہا ہے، جن دونوں بزرگوں کے درمیان تقریباً ایک صدی کا فصل ہے۔ کیونکہ حضرت بدر الدین غزنوی ۵۴۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مولانا برہان الدین ۶۴۱ھ کی پیدائش ہیں۔

(و) ایک مجلس میں بیان ہو رہا ہے: "جب میرے بھائی مولانا بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنا کام عشق اور محبت میں تکمیل کو پہنچا لیا ... (ص ۴۶)
اس کے مطابق حضرت بہاء الدین زکریا کا بیان واقعہ کے وقت انتقال ہو چکا تھا۔ حالانکہ انھوں نے ۷ صفر ۶۶۱ھ کو انتقال فرمایا ہے۔[۲] اور اسرار الاولیاء ۶۴۳ھ سے لکھی جا رہی ہے۔

مآخذ کے حوالے

حسب معمول اسرار الاولیاء میں بھی جا بجا کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں جن کتابوں کے نام آئے ہیں ان کی فہرست یہ ہے:

(۱) اسرار الاولیاء : ۷۹ ۲؎ اخبار الاخیار : ۲۸

(۱) قاضی حمید الدین ناگوری : تاریخ ص ۳ ، ص ۱۴

(۲) حضرت خواجہ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ... ص ۵

(کتاب کا نام نہیں بتایا)

(۳) زاد المحبین ص ۸

(۴) خواجہ امام محمد طاہر غزالی : تاریخ ص ۱۴ ، ص ۱۹

(مصنف اور کتاب دونوں کے نام محلِ نظر ہیں)

(۵) آثار اولیاء ص ۱۶ - ص ۸۸

مصنف کا نام نہیں بتایا، مگر انیس الارواح (ص ۱۳) میں یہ حضرت ابراہیم ادھمؒ سے منسوب ہوئی ہے، انیس الارواح (ص ۱۴ ، ص ۲۲) میں اس کے دو حوالے اور بھی ملتے ہیں۔

(۶) شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں .... ص ۵۲

کتاب کا نام نہیں بتایا۔

(۷) سلوک میں میں نے دیکھا ہے .... ص ۵۳

بظاہر یہ بھی کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ عنوان اور مصنف دونوں مجہول ہیں۔

(۸) خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے عمدہ میں لکھا دیکھا ہے ص ۵۳

عمدہ کا حوالہ انیس الارواح میں بھی ہے (ص ۵ ، ص ۳۱ ، اور دلیل العارفین (ص ۴) میں بھی آیا ہے۔ راحت القلوب میں بھی اس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۹) اسرار العارفین ص ۵۷ (مصنف کا نام ندارد)

(۱۰) "کتاب محبت" میں ابوہریرہ کی روایت سے لکھا دیکھا ہے (ص ۵۷ ، ص ۶۰ ، ص ۶۳)

اس کتاب کے جامع کا کچھ حال نہیں معلوم۔

(۱۱) حجۃ العارفین میں لکھا دیکھا ہے (ص ۷۵)

(۱۲) سلوک اولیاء میں لکھا دیکھا ہے (ص ۷۵)

(۱۳) خواجہ ذوالنون مصری اپنے حالات میں لکھتے ہیں .... (ص ۸۱)

(۱۴) خواجہ جنید بغدادی .... اپنے حالات میں لکھتے ہیں۔

انھی کتابوں سے جامع نے شاید استفادہ کیا ہو اور ان میں سے اکثر فرضی ہیں، مگر ان کے حوالے دینے کے دو سبب ہیں، ایک تو مشمولات کتاب کو "علمی رنگ" دینا، اور دوسرے اسے "درجہ استناد" پر فائز کرنا۔ لیکن اس کے باوجود کتاب میں کوئی ایسا وصف پیدا نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے ہم وضع کی اس جسارت کو معاف کر دیں اور کتاب کے علمی افادے کی خاطر اس کی پردہ دری کو گوارا کر لیں۔ بد احتیاطی اور کم علمی کی وجہ سے جا بجا ایسی باتیں بکثرت آگئی ہیں جو اصول تصوف کے خلاف ہیں بلکہ تعلیمات اسلامی کے منافی ہیں اور جن کا انتساب کسی بھی درویش سے درست نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی سے منسوب کیا جائے۔ اور ہمیں ان مشمولات کو اسی اصول کی روشنی میں دیکھنا پڑتا ہے جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی نے ایک بار بیان فرمایا تھا کہ

" دراں بسیار الفاظ ست کہ مناسب اقوال ایشاں نیست "[۱]

نامناسب اقوال} اس نوعیت کے چند اقتباسات ہمارے مفہوم کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گے:

(الف) پھر اسی موقع کے مناسب فرمایا کہ اے درویش ایک مرتبہ میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہم سماع کی ایک مجلس میں تھے۔ وہ دونوں بزرگوار سماع میں تھے ایک دن رات رقص کرتے رہے۔ لیکن نماز کے وقت نماز ادا کر لیتے۔ اسی اثناء میں انھوں نے میراں ہاتھ پکڑ کر ارتنا شروع کیا۔ وہاں بھی رقص ہی کرتے رہے ..."[۲]

(ب) ایک مرتبہ میں اور خواجہ قطب الدین بختیار سفر کرتے تھے۔ اوپر کے ملک میں ہم دونوں دریائے مورتہ کے کنارے پہنچے تو وہاں پار ہونے کے لیے کشتی موجود نہ تھی اور وہ نہایت خوفناک تھا۔ شیخ الاسلام نے مسکرا کر فرمایا کہ اے فرید اب تو آگئے ہیں یہاں سے عبور کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کی زہے سعادت۔ لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ بغیر کشتی پار کس طرح ہوں گے؟ ابھی میرے دل میں یہ خیال پورے طور پر گذرنے نہ پایا تھا کہ خواجہ قطب الدین راستے میں کھڑے ہو گئے اور پھر پار ہو گئے۔ پار پہنچکر میں نے حال پوچھا تو فرمایا کہ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تھے تو تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر پانی پر دم کی تھی۔ اللہ تعالے کے حکم سے پانی پھٹ گیا اور راستہ بن گیا اور ہم پار ہو گئے۔"[۳]

(ج) ایک مرتبہ میں بغداد کی طرف بطور مسافر وارد ہوا۔ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچکر ایک بزرگ کو دیکھا کہ پانی پر مصلّے بچھائے نماز ادا کر رہا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو سر سجدہ میں رکھ کر جناب الٰہی میں عرض کی کہ پروردگار خضر علیہ السلام نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اسے توبہ عنایت کر۔ اتنے میں خضر علیہ السلام بھی تشریف لائے اور پوچھا کہ میں کون سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہوں؟ تاکہ میں اس سے توبہ کروں۔ اس بزرگ نے کہا کہ آپ نے جنگل میں ایک درخت لگایا ہے۔ جس کے سائے تلے آپ آرام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے لیے یہ کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے توبہ کی۔ پھر اس بزرگ نے کہا کہ ترک دنیا کے بارے میں اس طرح ہو جس طرح میں ہوں پوچھا کس طرح؟ کہا اگر مجھے ساری دنیا بخش دیں اور کہیں کہ اس کا حساب تجھ سے نہیں لیا جائے گا اور نیز یہ کہ اگر تو نہ لے گا تو تجھے دوزخ میں بھیجا جائے گا تو میں ہرگز قبول نہ کروں بجائے دنیا کے دوزخ میں جانا قبول کر لوں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس واسطے کہ دنیا پر اللہ تعالے کا غضب ہے۔ جسے اللہ تعالے دشمن جانتا ہے میں اس کی بجائے دوزخ قبول کرنے کو بہتر جانتا ہوں۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں نے نزدیک ہو کر سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ آجاؤ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ پانی سے کس طرح گذروں؟ یہ خیال آتے ہی راستہ ہو گیا اور میں اس بزرگوار کے پاس جا پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرید آج چالیس سال سے میں زمین پر پہلو کے بل نہیں لیٹا اور جب تک کوئی مسافر نہیں آتا میں کھانا نہیں کھاتا اور جب تک اس میں سے کسی کو حصہ نہ دے لوں مجھے چین نہیں پڑتا۔ اس واسطے کہ درویشی اس بات کا نام ہے کہ اپنے حصے میں سے دوسروں کو بھی دے

---

۱ خیر المجالس : (مرتبہ خلیق احمد نظامی) ۲ اسرار الاولیاء : ۸۰۹
۳ اسرار الاولیاء : ۴۱

اتنے میں دو پیالے آش اور دو چپاتیاں عالم غیب سے نمودار ہوئیں۔ ایک پیالہ میرے سامنے رکھا اور ایک اپنے۔ ہم دونوں
نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو عشاء کی نماز ادا کر کے نفل نماز شروع کی۔ میں بھی ہمراہ کھڑا ہوا۔ دو رکعت میں
چار مرتبہ قرآن شریف ختم کیا۔ سلام کے بعد سجدے میں سر رکھ کر زار زار رو کر جناب الٰہی میں عرض کی کہ اے پروردگار
میں نے ایسی عبادت نہیں کی جو تیری درگاہ کے لائق ہوتی کہ میں یہ جانوں کہ میں نے کچھ کام کیا ہے۔ بعد ازاں جب
صبح کی نماز ادا کی تو مجھے رخصت کیا۔ میں نے اپنے تئیں دریا کے کنارے کھڑا پایا اور وہ بزرگ نظر سے اوجھل ہوگیا۔

... پھر فرمایا کہ ایک بزرگ بیس سال عالم تحیر میں مشغول رہا۔ سال بھر کچھ نہ کھاتا پیتا جب سال کے بعد
ہوش آتا تو جماعت خانے میں طاق کے اندر ایک کھجور پڑی تھی اسے اٹھا کر چوس لیتا اور پھر اسے وہیں رکھ دیتا۔ اسی
طرح بیس سال اسی کھجور پر گزارا کیا جو پوری ختم نہ ہوئی تھی کہ اتنے میں اس بزرگ کا خاتمہ بالخیر ہوگیا۔"؎

(د) فرمایا کہ ایک بزرگ عبداللہ خفیف نام چالیس سال نہیں ہوئے اور خوف خدا سے اس قدر روئے کہ
رخسارہ مبارک میں گڑھے پڑ گئے جن میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے لیکن آپ ترس خدا سے اس قدر متحیر تھے
کہ ان چڑیوں کی آمد و رفت کی آپ کو مطلق خبر نہیں۔ ...؎

(ہ) جامع ملفوظات کی مذہبی اور تاریخی معلومات کا حال اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے:
"بعد ازاں غلبات شوق سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا اور زلیخا
نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا دین قبول کیا اور یاد حق میں مشغول ہوئی تو ایک روز حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کا پیچھا
کرتے تھے اور آپ پیچھا چھڑاتی تھیں، اس وقت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ ایک دن وہ تھا کہ تو میرا پیچھا کرتی تھی
اور میں پیچھا چھڑاتا تھا اور آج میں پیچھا کرتا ہوں اور تو پیچھا چھڑاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا اے یوسف! اس دن
مجھے اللہ تعالیٰ کی آشنائی حاصل نہ تھی اور اس کی پرستش سے دور تھی، تیرے سوا کسی سے آشنائی نہ تھی
میں سمجھتی تھی کہ بس تو ہی تو ہے، اس واسطے میں تیرا پیچھا کرتی تھی۔ لیکن اب میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے"؎

حضرت یوسف کے زلیخا سے نکاح کرنے کی روایت یہودی ماخذ میں ہے، علمائے اسلام اس کے قائل نہیں۔ جامع ملفوظات نے خدا جانے یہ خرافات کہاں سے نقل کی ہیں۔

(و) چھٹی مجلس میں ہے کہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز قرآن شریف کی تلاوت کرتے
وقت کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو سینے پر ہاتھ رکھ کر بے ہوش ہو جاتے۔ جب پھر ہوش میں آتے تو پھر قرآن
شریف پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ اس طرح دن بھر میں تقریباً چھ ہزار مرتبہ بے ہوش ہوتے تھے۔"؎

لکھنے والے نے فرط عقیدت میں لکھ تو دیا کہ دن بھر میں چھ ہزار مرتبہ بے ہوش ہوتے تھے۔ لیکن اگر ایک بار "بے ہوش
ہونے" کا وقفہ ایک منٹ بھی مان لیا جائے تو چھ ہزار منٹ کے سو گھنٹے ہوتے ہیں اور جس طرح آج ۲۴ گھنٹے کا دن ہوتا ہے
یقین ہے کہ قطب صاحب یا بابا صاحبؒ کی خانقاہ کا بھی اس سے زیادہ طویل نہ ہوتا ہوگا۔ دراصل مبالغہ راوی کا ذوق
صرف اپنی ترنگ میں چھلک رہتا ہے اور یہ تامل کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ ایسا ہونا عادۃً یا عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں!

تقابلی مطالعہ: اسرار الاولیاء کے جو چند اقتباسات اوپر نقل ہوئے ہیں وہ "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں
ایسی حکایات، بے سروپا روایتیں اور مبالغہ آمیز باتیں اس کتاب کے ہر صفحہ پر ملیں گی۔ مجموعی طور پر اسرار الاولیاء
میں پانچ فی صدی ملفوظات بھی تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہیں اور ان کا ایک فی صد حصہ بھی ایسا نہیں ہے جسے بابا صاحب
سے منسوب کیا جا سکے۔ سراسر اختراع ہے۔

؎ اسرار الاولیاء: ۴۹ - ۵۰ ؎ اسرار الاولیاء: ۶۶ ؎ اسرار الاولیاء: ۳۵

لیکن کچھ روایات ایسی ضرور ہیں جو ملفوظات کی دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہیں اور اسرار الاولیا میں انھیں توڑ موڑ کر یا دوسرا رنگ دے کر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے چند نمونے:

(۱) "ایک مرتبہ میں اور میرے بھائی مولانا بہاء الدین زکریا ؒ ایک ہی جگہ بیٹھے تھے اور سلوک کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی تو کچھ دیر کے بعد میرے بھائی مولانا بہاء الدین زکریا اٹھ کر ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور انا للہ و انا الیہ راجعون کہا۔ میں نے پوچھا یہ کیا حالت ہے۔ فرمایا اٹھ کر دیکھو۔ جب میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بغداد کے دروازے سے شیخ سعد الدین حمویہؒ کا جنازہ نکال کر جامع مسجد کے پاس نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں۔"[1]

یہ دوسری مجلس کا حال ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلی مجلس شعبان ۶۳۱ھ میں منعقد ہوئی ہے کہ شیخ سعد الدین حمویہ کا انتقال ۶۵۵ھ میں ہے اور حضرت بہاء الدین زکریا نے ۶۶۱ھ میں رحلت فرمائی ہے۔

راحت القلوب میں اس واقعہ کو دوسرے انداز سے بیان کیا ہے کہ بابا صاحب کی خدمت میں ایک درویش محمد بن احمد بلخی موجود تھے انھیں کشف ہوا کہ بہاء الدین زکریا کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور وہ ۶۵۵ھ کی مجلس ہے۔ روایت کی اصل فوائد الفواد میں ہے:

بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر حکایت فرمود که مریدے بود شیخ بہاء الدین زکریا را — رحمۃ اللہ علیہ — ازو شنیدم که یک روز شیخ بہاء الدین از مقام خود بیرون آمد و گفت: انا للہ و انا الیہ راجعون پرسیدند که چہ حالت است۔ گفت شیخ سعد الدین حمویہ ایں ساعت رحلت کرد۔ بعد از چند گاہ تحقیق شد کہ ہم چناں بودہ است۔

(فوائد الفواد ۲۲۳)

اس کے بعد خواجہ (نظام الدین محبوب الٰہی) ذکرہ اللہ بالخیر نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے ان سے میں نے سنا کہ ایک دن شیخ بہاء الدین اپنے مقام (عبادت) سے باہر نکل کر آگئے اور کہنے لگے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ اس وقت شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال کیا ہے۔ کچھ زمانے کے بعد تحقیق ہوا کہ واقعی (اسی وقت) ہوا تھا۔

(۲) "پھر فرمایا کہ شیر خاں والیٔ ملتان میرا معتقد نہ تھا میں نے بہتیری طرح سمجھایا کہ درویشوں سے کینہ رکھنا اچھا نہیں کیونکہ اس سے ملک میں خلل آتا ہے لیکن اس نے پروانہ کی چنانچہ ایک دفعہ مغلوں نے اوچھ پر حملہ کیا جس میں اور کوئی نہ مارا گیا صرف شیر خاں ہی مارا گیا۔ پھر یہ شعر زبان مبارک سے فرمایا:

فرمایا کہ شیر خاں والیٔ اوچ و ملتان کچھ میرا معتقد نہ تھا بارہا یہ شعر اس کے حق میں کہا گیا:

افسوس کہ حال مست نیست جز
آنگہ خبرت شود کہ افسوس خوری

اسی سال چند روز بعد کافروں نے اس ولایت کو لوٹ لیا۔"

(راحت القلوب: ۴۴)

[1] اسرار الاولیا: ۱۲ سنہ ایضاً ص ۲

درویش را بہ شہر نہ بودے اگر قیام
گشتے سراسر این ہمہ عالم خراب حال
(اسرار الاولیاء : ۷۷)

ان دونوں ملفوظات میں خود حضرت بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ شیر خاں والی ملتان کو ان سے عقیدت نہ رکھنے کی سزا ملی۔ مگر واقعہ کی صحیح صورت فوائد الفواد میں ہے:

"حکایت فرمود کہ شیر خاں والی اوچہ و ملتان بود در حق شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز چنداں اعتقادے نداشت تا بارہا شیخ الاسلام درباب او این دو مصراع بگفتے:
افسوس کہ از حال منت نیست خبر
وانگہ خبرت شود کہ افسوس خوری!
بعد ازاں فرمود کہ چون شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز از دنیا برفت ہماں سال کافراں دراں دیار رسیدند
(فوائد الفواد : ۳۷۳ - ۳۷۴)

حکایت بیان فرمائی کہ اوچہ و ملتان کا گورنر شیر خاں حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بارے میں زیادہ عقیدت نہیں رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ بارہا شیخ الاسلام نے اس کے بارے میں یہ دو مصرعے فرمائے (ترجمہ)
افسوس کہ تجھے میرے حال کی خبر نہیں
اور جب خبر ہوگی تو ہاتھ ہی ملے گا
پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز جب دنیا سے سدھارے اسی سال کافر (منگول) اس شہر میں پہنچ گئے۔

(۳) بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین علیہ الرحمۃ والغفران ملتان کی طرف گیا تو جب اجودھن پہنچا تو میری زیارت کے لیے آیا اور خدمت کی شرائط بجالا کر واپس ہو گیا۔
پھر فرمایا کہ جب لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آگیا تو تنہائی اختیار کرنا چاہی۔ پھر دل میں خیال آیا کہ خواجگان نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے مصافحہ کرتے تھے، سو میں چھت پر بیٹھتا اور دونوں ہاتھ نیچے لٹکا دیتا لوگ آکر ہاتھ کو بوسہ دے جاتے تھے اور مصافحہ کر جاتے۔ کثرت ہجوم کی وجہ سے ہر روز تقریباً دس کرتے پھٹ جاتے" جو لوگ بطور تبرک لے جاتے۔ مجھے ان کے حسن عقیدت پر تعجب آتا ہے کہ دیکھو کیسے راسخ الاعتقاد ہیں چنانچہ ایک جمہ کو فراش نے میرا پاؤں کھینچا تا کہ بوسہ دے۔ یہ بات مجھے ناگوار گذری اس نے کہا شیخ فرید۔ اس بات کا شکریہ ادا کرو کہ آپ جیسے لاکھوں آپ کی پابوسی کے خواہش مند ہیں۔ اس کی بات مجھے بہت پسند آئی۔" (اسرار الاولیاء : ۹۱)
یہ شاید تحریف کی سب سے بھونڈی اور دلچسپ مثال ہے۔ صحیح شکل وہی فوائد الفواد میں ملے گی:

"دوشنبہ پانزدہم ماہ شوال سنۃ المذکور (۷۱۴ھ) بدولت پابوس رسیدہ شد۔ سخن در رغبت خلق افتاد بخدمت مشائخ ....
عالم ایں معنی حکایت فرمود کہ ورانچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ و ملتان رواں شد درمیان اجودھن رفت۔ جملہ لشکر روبزیارت شیخ نہادند

۱۵ر شوال سنہ مذکور (۷۱۴ھ) پیر کے دن پابوسی کی دولت ملی۔ اس روز مشائخ کی خدمت میں عوام کی رغبت پر بات ہو رہی تھی . . .
اس موقع پر آپ نے قصہ سنایا کہ جب سلطان ناصر الدین اوچہ و ملتان کی سمت روانہ ہوا تو درمیان میں اجودھن سے گذرا۔ سارا لشکر حضرت شیخ فرید الدین،

تا آں مقام کہ بود از انبوہ شیخ کہ شیخ حیرت شد و بمقامے برفت۔ آنگاہ آستین شیخ از طرف ہائے جانب کوچہ بیاویختند خلق می آمد و می بوسید و می رفت تا آں ہمہ پارہ پارہ شد۔ آنگاہ در مسجد آمد و مریداں را گفت شما گرد برگرد من باشید تا خلق درون نیایند ہم از بیروں سلامے بکنند و باز گردند مریداں ہمچناں کردند تا یک فراش پیرے بیامد و از مریدانے کہ گرد برگرد استادہ بودند بگذشت و در پائے شیخ افتاد و پائے مبارک شیخ بگرفت و بکشید تا ببوسد۔ شیخ را دشوار آمد۔ آں فراش گفت: شیخ تنگ می آئی! شکر نعمت خدائے را ازیں بگذار۔ چوں فراش ایں سخن بگفت شیخ نعرہ زد آنگاہ آں فراش را بنواخت و بسیار معذرت کرد۔"

(فوائد الفواد: ۲۴۷ - ۲۴۸)

کی زیارت کے لیے آپ کی خانقاہ تک گیا۔ اس انبوہ سے گھبرا کر شیخ کسی اور مقام پر منتقل ہو گئے اور آپ کا ایک کرتہ کوٹھے سے گلی کی جانب لٹکا دیا گیا۔ خلق خدا آتی تھی اور اسے بوسہ دے کر چلی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ بالکل پرزے پرزے ہو گیا۔ پھر آپ مسجد میں آ گئے اور مریدوں سے کہا کہ تم میرے چاروں طرف حلقہ در حلقہ ہو کر بیٹھ جاؤ تاکہ لوگ اندر نہ آئیں اور باہر ہی سے سلام کر کے چلے جائیں۔ مریدوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر ایک بوڑھا فراش آیا اور حلقہ در حلقہ مریدوں سے گذر کر کسی طرح شیخ کے قدموں تک پہنچ گیا اور پاؤں پکڑ کر کھینچا تاکہ اسے بوسہ دے۔ شیخ کو گراں گذرا تو اس فراش نے کہا: "شیخ کڑھتے ہو؟ اس سے زیادہ خدا کی نعمت کا شکر ادا کرو۔" فراش نے یہ کہا تو شیخ نے ایک نعرہ لگایا اور اس فراش کو بہت نوازا اور اس سے معذرت کی۔

(۴) اسی طرح ایک اور واقعہ میں تحریف کر کے اسے خود بابا صاحب کی زبان سے یوں کہلوایا ہے۔

" فرمایا ایک آدمی مرید ہونے کی نیت سے دہلی سے اجودھن میرے پاس آ رہا تھا کہ رستے میں ایک عورت سے دست درازی کرنا چاہی اسی وقت غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس کے چہرے پر تھپڑ مار کر کہا کہ تو مرید ہونے کی نیت سے جا رہا ہے اور فعل ایسے کرتا ہے۔

الغرض جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے کہا کہ دیکھو اللہ تعالے نے تجھے اس مصیبت سے کیسے بچایا۔ "

(اسرار الاولیا: ۹۴)

اس واقعہ کی اصلی روایت بھی فوائد الفواد میں ہے:

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ وقتے مردے از دہلی رواں شد تا در اجودھن رود و بخدمت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز تائب شود۔ در اثنائے راہ مطربہ پریشاں قدرے با او ہمراہ شد و آں مطربہ بسیار در بند آں می بود کہ با آں مرد تعلق کند۔ آں مرد چوں نیت صادق داشت ہیچ بداں زانیہ میل نمی کرد تا در منزلے از منازل چناں افتاد کہ آں مرد و آں مطربہ ہر دو در یک گردوں سوار شدند۔ آں مطربہ بیامد و نزدیک

خواجہ (نظام الدین) نے فرمایا کہ ایک بار ایک شخص دہلی سے روانہ ہوا تاکہ اجودھن جا کر حضرت شیخ الاسلام فرید الدین، قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں توبہ کرے۔ راستے میں ایک گانے والی عورت بھی اس کے ساتھ ہو گئی اور وہ برابر اس فکر میں رہی کہ اس مرد سے ناجائز تعلق پیدا کرے۔ وہ مرد چونکہ نیک نیت تھا اس زانیہ کی طرف ہرگز التفات نہ کرتا تھا۔ مگر راستے میں ایک پڑاؤ ایسا آیا کہ وہ رنڈی اور یہ مرد ایک ہی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ اب وہ رنڈی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی

آں مرد نشست. چنانکہ میان ایشاں ہیچ حجاب مانع نبود مگر دراں حال اندک مایہ دل آں مرد میل کرد تا سخنے گفتہ یا دستے جانبش دراز کرد دراں حال مردے را دید کہ بیامد و طپانچہ برروے او زد و گفت کہ بخدمت فلاں می زوی بر نیت توبہ۔ ایں چیست! آں مرد برفور متنبہ شد و پیش جانب آں زن ندید۔ القصہ چوں بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز رسید اول سخن کہ شیخ با او گفت ایں بود کہ خداے تعالیٰ ترا آں روز نیک نگہ داشت..." (فوائد الفواد: ۲۷۲-۲۷۳)

چونکہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب مانع نہ تھا کچھ اس مرد کا دل بھی اس کی طرف راغب ہوا اور اس سے کوئی بات کہی یا اس کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اسی وقت دیکھا ایک مرد آیا اور اس نے اس کے منہ پر زور کا طمانچہ مار کر کہا کہ فلاں کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جا رہا ہے، پھر یہ کیا حرکت ہے! وہ مرد فوراً اپنی غلطی سے متنبہ ہوا اور پھر اس عورت کی طرف نہ دیکھا۔ غرض جب وہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو پہلی بات جو اس سے حضرت شیخ نے کہی یہی تھی کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب ثابت قدم رکھا۔"

(۵) "فرمایا کہ ایک مرتبہ اسی طرح دہلی میں بارش کی قلت تھی لوگوں نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید سے دعاے باراں کے لیے التماس کی۔ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر دعاے باراں پڑھی اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ اے پروردگار اگر تو بارش نہیں بھیجے گا تو میں پھر کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ کہیں جنگل میں نکل جاؤں گا۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر مینہ برسایا کہ جس کی کوئی حد نہ رہی۔

"بعد ازاں جب آپ کی خواجہ قطب الدین رح سے ملاقات ہوئی تو خواجہ نے فرمایا کہ ہمیں تو آپ کے حق میں بڑا اعتقاد تھا کہ آپ کو حق تعالیٰ سے نیاز ہے لیکن یہ کیسے فرمایا کہ اگر تو بارش نہیں بھیجے گا تو میں آبادی میں نہیں رہوں گا کہیں جنگل میں نکل جاؤں گا۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں جانتا تھا کہ بارش ضرور ہوگی۔ خواجہ صاحب نے پوچھا: آپ کو کیسے معلوم تھا؟

فرمایا کہ ایک مرتبہ سلطان شمس الدین کے پاس نیچے بیٹھنے پر مجھ میں اور سید نورالدین مبارک نور اللہ مرقدہ میں تکرار ہو پڑی تھی۔ میں نے ایسی باتیں کیں جس سے سید نورالدین ناراض ہو گئے تھے۔ اب جبکہ مجھے دعاے باراں کے لیے کہا گیا تو میں نے سید صاحب کے روضے پر جا کر کہا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں اور لوگوں نے مجھے دعاے باراں کے لیے کہا ہے۔ اگر آپ مجھ سے صلح کریں تو میں دعا کروں ورنہ نہیں۔ تو روضۂ مبارک سے آواز آئی کہ جاؤ میری صلح ہے۔ جا کر دعاے باراں پڑھو۔" (اسرار الاولیاء: ۹۶)

اب فوائد الفواد کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

ہم در بزرگی شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ حکایت فرمود کہ وقتے امساک باراں شد او را لازم گرفتند کہ دعاے باراں بگوید۔ بر سر منبر برآمد و دعاے باراں بخواند۔ بعد ازاں رو سوے آسمان کرد و گفت یا اللہ اگر تو باراں نفرستی من بیش در ہیچ آبادانی نباشم۔ ایں بگفت و از منبر

شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بار سوکھا پڑا لوگ ان کے سر ہو گئے کہ دعاے باراں پڑھو۔ وہ منبر پر آئے اور دعا پڑھی۔ پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا: اے اللہ اگر تو بارش نہیں بھیجے گا تو میں آئندہ کسی آبادی میں نہیں رہوں گا یہ کہا

فرود آمد، حق تعالیٰ باران رحمت فرستاد۔

بعد ازاں سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ با او ملاقی شد و ایں سخن با او گفت که مارا اعتقادے در حق تو راسخ است۔ می دانیم که ترا با حق تعالیٰ قدم است اما ایں لفظ بر چه گفتی که اگر تو باراں نفرستی من پیش در ہیچ آبادانی نباشم۔ اگر نفرستادے چه کردی؟ شیخ نظام الدین ابو المؤید گفت که من می دانستم که باراں خواہد فرستاد۔ آنگاه سید قطب الدین گفت: از کجا می دانستی؟ گفت وقتے مرا با سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدهٗ در پیش سلطان شمس الدین برائے زبردست و زیردست نشستن نزاعے رفته بود من سخنے گفته بودم که او گرفته شده بود۔ درانچه مرا دعائے باراں فرمودند من بر سر روضهٔ او رفتم و گفتم که مرا دعائے باراں فرموده اند و تو از من گرفته ای۔ اگر تو با من آشتی کنی من دعا بخوانم و اگر آشتی نکنی نتوانم خواند۔ از روضهٔ او آواز برآمد که من با تو آشتی کردم تو برو دعا بخواں۔

(فوائد الفؤاد، ص ۲۲۴)

اور منبر سے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے باران رحمت بھیج دی۔

اس کے بعد سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے اور ان سے کہا کہ ہمیں آپ پر پکا اعتقاد ہے اور جانتے ہیں کہ آپ کو اللہ سے نیاز حاصل ہے مگر آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ اگر تو نے بارش نہ بھیجی تو میں آئندہ کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ اگر نہ بھیجتا تو کیا کرتے؟ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے کہا کہ مجھے معلوم تھا خدا بارش بھیجے گا۔ اس پر سید قطب الدین نے پوچھا: یہ تمہیں کیسے معلوم تھا؟ تو انھوں نے کہا کہ ایک بار سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہ سے سلطان شمس الدین کے سامنے اوپر نیچے بیٹھنے پر میرا جھگڑا ہو گیا تھا اور میں نے ایک ایسی بات کہی تھی جس سے وہ آزردہ ہو گئے تھے۔ اب جو مجھ سے دعائے باراں کے لیے کہا گیا تو میں ان کے روضے پر گیا اور میں نے کہا کہ مجھ سے دعائے باراں کی فرمایش کی گئی ہے اور آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ اگر آپ صلح کریں تو میں دعا کرتا ہوں اور صلح نہیں کریں گے تو دعا نہیں کرونگا۔ ان کے روضے سے آواز آئی کہ میں نے تم سے صلح کی جاؤ تم دعا پڑھو۔

اسرار الاولیاء کے جامع نے اس روایت میں "سید قطب الدین" کو "خواجہ قطب الدین" بنا دیا ہے گویا وہ انھیں حضرت بختیار کاکی رح سمجھ رہے ہے، دراں حالیکہ یہ سید قطب الدین ان سے مختلف شخصیت ہیں۔

(۶) اسی طرح شیخ جلال الدین تبریزی کا ایک واقعہ فوائد الفواد میں نقل ہوا ہے کہ جب وہ بدایوں پہنچے تو ایک دن گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے۔ ایک دہی بیچنے والا۔ دہی کا مٹکا سر پر لیے ہوئے اس گھر کے سامنے سے گذرا وہ بدایوں کے قریب ایک مواس کا رہنے والا تھا جسے کٹھیر کہتے تھے، وہاں راہزن بہت ہوتے تھے اور یہ دہی فروش بھی ان میں سے ہی تھا۔ جب اس کی نظر حضرت سید جلال الدین تبریزی رح کے چہرہ مبارک پر پڑی تو پہلی ہی نگاہ میں قلب کی حالت بدل گئی ذرا غور سے آپ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ دین محمد (علیہ السلام) میں ایسے بابرکت لوگ بھی ہوتے ہیں! فوراً ایمان لایا اور شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ جب وہ مسلمان ہو کر اپنے گھر پہنچا تو اس وقت وہ شیخ کی خدمت میں واپس آیا اور شیخ کے لیے ایک لاکھ جیتل (ایک سکہ) لاکر نذر کیے۔ شیخ نے نذر قبول کرلی اور اس سے کہا کہ یہ رقم اپنے پاس ہی رکھو جیسے میں کہوں خرچ کرتے رہنا۔ چنانچہ آپ اس رقم میں سے لوگوں کو عطیات دیتے رہے کسی کو سو جیتل مرحمت فرماتے کسی کو پچاس کسی کو کم یا زیادہ۔ کم سے کم جسے دینے کا حکم دیتے تھے اسے پانچ جیتل دیتے تھے۔ آخر کچھ زمانے کے بعد وہ سب جیتل خرچ

ہو گئے اور ایک درہم باقی رہ گیا۔ اس عل کا بیان ہے کہ میں نے دل میں سوچا کہ میرے پاس ایک درہم سے زیادہ باقی نہیں ہے اور شیخ کم سے کم پانچ جیتل کی بخشش کرتے ہیں۔ اگر اب کسی سائل کو دینے کا حکم دیں گے تو میں کیا کروں گا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ سائل آیا اور اس نے سوال کیا۔ شیخ نے مجھ سے کہا: اسے ایک درہم دے دو۔"!

(فوائد الفواد : ۲۲۰ - ۲۲۸)

مولف اسرار الاولیاء نے یہ واقعہ فوائد الفواد ہی سے لیا ہے۔ مگر اس میں یہ ترمیم ہو گئی ہے:

"ایک مرتبہ میں اور شیخ جلال تبریزی قدس سرہ بداؤں پہنچے۔ ایک روز گھر کے دہلیز میں بیٹھے تھے ..."

حالانکہ بابا صاحبؒ کا سفر بدایوں کسی طرح ثابت نہیں ہے۔ (اسرار الاولیاء : ۹۹)

یہ چند حکایات نمونے کے طور پر یہاں درج کی گئی ہیں۔ تمام روایات کا تقابل کرنا ممکن نہیں۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسرار الاولیاء میں جو روایات فوائد الفواد سے اخذ کی گئی ہیں وہ بعض مواقع پر تو لفظاً لفظاً مطابقت رکھتی ہیں۔ مثلاً "شیخ جلال تبریزی" کا جو قصہ اوپر نقل ہوا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ اسرار الاولیاء کی تالیف فوائد الفواد کے بعد اور اخبار الاخیار سے پہلے ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل روایات بھی فوائد الفواد یا دوسرے ماخذ میں ملتی ہیں۔ کہیں ان میں لفظی تحریف ہوئی ہے کہیں معنوی۔ لیکن یہ حیرت ہے کہ بابا صاحب کے سوانح نگار ان جعلی ملفوظات سے کوئی ایک بھی نکتہ بھی نہیں ملتا جسے سیر الاولیاء یا فوائد الفواد کے فراہم کردہ ذخیرۂ معلومات پر اضافہ کہا جا سکے اور تنہا یہی ثبوت ان ملفوظات کے جعلی ہونے کا کافی ہے۔

سیر و سیاحت } ان ملفوظات میں صاحب ملفوظ کے دور دراز علاقوں میں سفر کرنے کی روایات بھی درج ہوئی ہیں اور اس سفر کا مقصد یا زمانہ کبھی متعین نہیں ہوتا۔ مقصد تو خیر عباد اللہ الصالحین سے ملاقات اور کسب فیض ہو سکتا ہے مگر زمانہ معلوم نہیں ہوتا۔ راحت القلوب کے جامع نے بھی بابا صاحبؒ کے دور دراز مقامات میں سیاحت کرنے کے حوالے جابجا درج کیے ہیں۔ اسرار الاولیاء میں آپ کے ان اسفار کا حوالہ ملتا ہے:

(۱) بغداد ص ۹، ۳۱، ۳۳، ۳۶، ۴۴، ۴۹، ۵۹،
(۲) لاہور ص ۱۲، ۶۳، ۹۴
(۳) سیوستان ص ۲۰
(۴) غزنی ص ۳۸، ۵۹، ۸۱، ۹۸
(۵) وسط ایشیا (دریائے موتہ کے کنارے) ص ۱۴
(۶) شیخ شہاب الدین سہروردی کی مجلس (ظاہراً بغداد) ص ۴۴
(۷) علاقہ شام "شہر شام" (غالباً دمشق مراد ہے) ص ۶۴
(۸) بدایوں ص ۹۹

بابا صاحبؒ کے حالات میں سب سے اہم کتاب فوائد الفواد ہی، و سیر الاولیاء ہی ہیں لیکن ان میں حضرت شیخ کے ان طویل سیر و سفر کے حوالے نہیں ملتے جو راحت القلوب یا اسرار الاولیاء جیسی کتابوں سے ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخی وقائع! اسرار الاولیاء میں اس زمانے کے تاریخی وقائع کا حوالہ تقریباً مفقود ہے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس عہد میں یہ کتاب لکھی جاتی تو اس میں تاریخی حوادث کی جھلک نہ پیدا ہوتی۔ جن وقائع کا ضمناً حوالہ آیا ہے وہ بدیہی طور پر اتنے غلط یا متناقض ہیں کہ ان سے کتاب کے جعلی ہونے کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ ان سب حوادث کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات مسلسل ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بقول جامع ان کا زمانۂ تالیف ۶۳۱ھ سے ۶۴۴ھ کے درمیان ہے۔

"ایک مرتبہ سلطان ناصرالدین علیہ الرحمۃ والغفران ملتان کی طرف گیا تو جب اجودھن پہنچا تو میری زیارت کے لیے آیا۔۔۔۔" (اسرار: ۹۰)

پورا واقعہ ہم اوپر نقل کرچکے ہیں یہاں اتنا ظاہر کرنا ہے کہ سلطان ناصرالدین کو باصطلاح اموات یاد کیا ہے گویا تحریر واقعہ کے وقت اس کا انتقال ہوچکا تھا۔ اور اس نے ۶۶۴ھ میں انتقال کیا ہے۔ [1] یہ غیاث الدین بلبن کا دوسرا بیٹا تھا۔

(۲) "شیخ الاسلام اجل شیرازی نے بغداد میں حکایت کی کہ جب شیخ الاسلام سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ بخارا میں تھے۔ غار میں ایک شخص کو دیکھا۔ جو شیخ شمس العارفین کے مریدوں میں سے تھا ۔۔۔" (اسرار: ۳۶)

دوسری باتوں سے قطع نظر یہاں شیخ سیف الدین باخرزی کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھا ہے یعنی ملفوظ قلمبند ہونے کے وقت ان کا انتقال ہوچکا تھا۔ اور انھوں نے ۶۵۸ھ میں رحلت کی ہے۔

(۳) اگر یہ ملفوظات ۶۳۱ھ میں قلم بند ہونا شروع ہوئے تھے تو اس وقت حضرت خواجہ معین الدین اجمیری غریب نواز اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہما بقید حیات تھے۔ ان کا کوئی حوالہ ملفوظات میں نہیں ہے جہاں تذکرہ ہوا ہے وہاں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتقال ہوئے خاصا طویل زمانہ گذر چکا تھا۔

(۴) ۶۳۳ھ میں حضرت بابا فریدؒ بھی اجودھن میں مقیم نہ تھے۔ آپ ۶۳۳ھ میں قطب صاحبؒ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ دہلی میں پھر ہانسی میں قیام فرمانے کے بعد اجودھن تشریف لے گئے تھے اور اجودھن میں آپ کا قیام دراصل ۶۴۴ھ سے ہوا ہے (سیر الاولیا: ۶۳)

(۵) حضرت سید بدرالدین اسحٰق دہلویؒ (۶۰۱ — ۶۷۰ھ) آپ کی خانقاہ میں ۶۳۳ھ میں موجود نہیں تھے۔

(۶) اسی طرح حضرت نظام الدین اولیاؒ (ولادت ۶۳۶ھ) نے باباصاحبؒ سے بیعت ۶۵۵ھ میں کی ہے (سیر الاولیا: ۱۰۷) اور باباصاحبؒ کی حیات میں صرف تین بار اجودھن کا سفر کیا ہے۔ مگر اسرار الاولیا میں وہ ۶۴۴ھ سے پہلے کی مجلسوں میں موجود دکھائے گئے ہیں۔

(۷) باباصاحب نے اپنے بارے میں یوں لکھا ہے: "فرید اجودھنی" (اسرار الاولیا: ۷۶)

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف اسلام۔ جلد دوم۔ صفحہ ۶

اور فوائد الفواد لکھی ہیں، آپ "فقیر حقیر مسعود، جو دعنی" کہتے ہیں۔ بابا صاحب نے اپنا نام اس طرح کبھی نہیں لکھا۔

اس میں بہت سی روایات وہ ہیں جو نہ تاریخی ہیں نہ نیم تاریخی۔ ان کا رشتہ اسرائیلیات سے جوڑا جا سکتا ہے مثلاً فرشتوں کے گدڑی بننے کا ذکر۔ یہ نہیں اور روایت میں لکھی آیا ہے [1]

یا خرقہ کی اصل اور تاریخ۔ اسی میں یہ بیان ہوا ہے کہ "جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حاضر خدمت تھے فرمایا کہ میرے پاس مہتر ابراہیم علیہ السلام کی یادگار یہ گدڑی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ یہ علی بن ابی طالب کو دینا تاکہ وہ میری امتوں کو پہنچا دے۔" [2]

اسی طرح ایک موقع پر سورۂ اخلاص کے فضائل بیان ہو رہے ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں حضرت علی نے عاجز آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ آں حضرت نے فرمایا کہ سب ہم سورۂ اخلاص پڑھنا بھول گئے، بس جواب کے پہنچتے ہی آں جناب نے سورۂ اخلاص پڑھنی شروع کی۔ ایک روز پڑھی تو دوسرے روز ہی خیبر کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اور خیبر کے اکھاڑ کر چالیس قدم پر پھینک دیا۔" [3]

ایک موقع پر کلاہ کی قسمیں اور اس کی اصل بیان کی ہے۔ یہ بھی اسی طرح کی دیو مالی کہانی ہے۔

یہ مجلسیں عموماً اذان کی آواز سے برہم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اذان کس وقت کی تھی۔ سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ بابا صاحب کی خانقاہ میں کبھی نماز باجماعت نہیں ہوتی۔ جب اذان کی آواز آتی ہے تو آپ اٹھ کر اندر چلے جاتے ہیں اور حاضرین اپنے ٹھکانوں پر واپس آجاتے ہیں۔ [5] ایک جگہ تو مجلس کے خاتمے پر لکھا ہے "شیخ الاسلام یہ فرماتے ہی دوڑ کر اندر چلے گئے۔" [6]

---

[1] انیس الارواح (اردو ترجمہ) ۱۳
[2] اسرار الاولیاء : (صفحہ ۵)
[3] اسرار الاولیاء : ۴۳
[4] اسرار الاولیاء : ۱۸
[5] اسرار الاولیاء : ۲۳، ۴۳، ۴۵، ۵۰، ۵۷، [6] ایضاً : ۷۹

فوائد السالکین

(ایک تنقیدی جائزہ)

(جناب نثار احمد فاروقی۔ شعبہ عربی۔ دہلی کالج۔ دہلی ۶)

فوائد السالکین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ (ف ۶۳۳ھ) کے ملفوظات ہیں جنھیں حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ (ف ۶۶۴ھ) نے جمع کیا تھا۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ شائع بھی ہو چکی ہے اور بعض کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر کوئی نسخہ بارھویں صدی ہجری سے زیادہ قدیم نظر سے نہیں گذرا ہمارے سامنے سردست اس کا اردو ترجمہ ہے جو "ہشت بہشت" نامی مجموعے میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔

کتاب کے دیباچے میں مرتب نے اپنا تعارف یوں پیش کیا ہے:

"فقیر حقیر مسعود اجودھنی جو کہ درویشوں کا غلام بلکہ ان کی خاک پا ہے یوں عرض کرتا ہے۔"

کتاب کا ترجمہ بڑے سائز کے صرف ۲۹ صفحات میں آیا ہے۔ اصل فارسی رسالہ کی ضخامت بھی تقریباً اتنی ہی ہے[1]

کتاب میں مجالس کی ترتیب کا لحاظ نہیں ہے۔ ایک کے بعد دوسری مجلس صرف تاریخ کی تبدیلی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

زمانہ} اس طرح کتاب میں کل سات مجلسوں کا حال قلم بند ہوا ہے جن کے انعقاد کی تاریخیں اس طرح ہیں۔

(۱)	۲ رمضان ۵۸۴ھ		(ص ۱)
(۲)	شوال ۵۸۴ھ		(ص ۸)
(۳)	شوال ۵۸۴ھ	سوموار	(ص ۱۰)
(۴)	ذی قعدہ ۵۸۴ھ	سوموار	(ص ۱۷)

---

[1] اصل فارسی کتاب میں نے دیکھی ہے مگر یہ مضمون لکھتے وقت میری دسترس میں نہیں ہے۔ اگر مترجم نے کہیں ترجمہ میں غلطی کی ہو تو میں اس کی نشان دہی سے قاصر ہوں۔ فوائد السالکین کے نسخوں میں کچھ کمی بیشی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ محمد بولاقی نے روضۃ اقطاب (ص ۶۳) میں اس کتاب کا جو حوالہ دیا ہے وہ فوائد کے اس ترجمے میں نہیں ملتا جو اس وقت میرے سامنے ہے۔

(۵) ذی الحجہ ۵۸۴ھ ہفتہ (ص ۲۰)
(۶) شوال ۵۸۴ھ جمعہ (ص ۲۲)
(۷) بدھ کے روز ۵۸۴ھ (ص ۲۷)

ان تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرتب نے تاریخوں کا خاص اہتمام نہیں کیا۔ پہلی مجلس میں ماہِ رمضان کی تاریخ درج ہے دن ندارد۔ دوسری تیسری اور چھٹی مجلسیں شوال ۵۸۴ھ کی ہیں۔ ان کے دن درج ہیں تاریخ نہیں بتائی گئی۔ چوتھی مجلس ذی قعدہ کی ہے اور پانچویں ذی الحجہ کی۔ ساتویں میں مہینہ درج نہیں۔ ساتوں مجلسیں بظاہر ۵۸۴ھ میں منعقد ہوئی ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شوال کی چھٹی مجلس ترتیب میں ذی الحجہ کے بعد کیوں آگئی ہے؟ اور نہ متن میں ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے جس سے جامع ملفوظات کی اتنی طویل غیر حاضری کا سبب معلوم ہو سکے۔

حاضرین مجلس } حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی مجالس میں جن بزرگوں کو حاضر باش دکھایا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں [۱]

(۱) قاضی حمید الدین ناگوری ص ۸ – ۲۰ – ۲۷
(۲) مولانا شمس الدین ترک ص ۸، ۲۷
(۳) خواجہ محمود [۲] ص ۸
(۴) مولانا علاء الدین کرمانی ص ۸، ۱۷، ۲۰، ۲۷
(۵) سید نور الدین غزنوی ص ۲۰، ۲۷
(۶) شیخ نظام الدین ابوالمؤید ص ۲۰، ص ۲۷
(۷) ملک اختیار الدین ص ۱۴
(۸) شیخ محمود موزہ دوز ص ۱۷، ۲۰، ۲۷
(۹) سید شرف الدین ص ۲۰، ۲۷
(۱۰) مولانا فقیہ خداداد ص ۲۰، ۲۷
(۱۱) مولانا شہاب الدین اوشی ص ۲۷
(۱۲) خواجہ تاج الدین غزنوی ص ۲۷
(۱۳) قاضی عماد الدین ص ۲۷

---

[۱] حاضرین کے نام جامع فوائد السالکین نے غالباً سیر الاولیاء (ص ۶۰) کی اس روایت سے اخذ کیے ہیں: "منقول است: دراں مجلس کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز بخدمت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار بیعت کردہ است ایں بزرگان حاضر بودند، قاضی حمید الدین ناگوری و مولانا علاء الدین کرمانی و سید نور الدین مبارک غزنوی و شیخ نظام الدین ابوالمؤید و مولانا شمس ترک و خواجہ محمود موئنہ دوز و عزیزان دیگر ..."

[۲] یہ غالباً خواجہ محمود موئنہ دوز ہی ہیں جن کا حوالہ نمبر ۸ میں ہے اور وہاں انھیں موزہ دوز لکھا ہے

(۱۴) مولانا فخر الدین زاہد ص ۲۷

کتاب کے مندرجات پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حاضرین مجلس کے بارے میں کچھ ضروری معلومات پیش کردی جائیں۔

(۱) حضرت قاضی حمید الدین ناگوری : حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں اصل نام محمد بن عطا ہے۔ انھوں نے ۶۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ قطب صاحب کے دوستوں اور مصاحبوں میں سے ہیں۔ صاحب تصانیف بھی تھے۔ مزار مبارک قطب صاحبؒ کے پائین بلند چبوترے پر ہے۔[۱]

(۲) مولانا شمس الدین ترک۔ ان کی نشان دہی نہیں ہو سکی ممکن ہے کہ اسی نام کے پانی پتی بزرگ مراد ہوں۔

(۳) خواجہ محمود۔ یہ غالباً شیخ محمود موئینہ دوز ہی ہیں جن کا نام اس فہرست میں آٹھویں نمبر پر آیا ہے۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے۔ مگر قطب صاحبؒ سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی مجلسوں کے حاضر باش تھے۔ قطب صاحبؒ کے جوار ہی میں مدفون ہیں۔ خواجہ محمود موئینہ دوز ۵۸۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔[۲]

(۴) مولانا علاء الدین کرمانی

(۵) سید نور الدین غزنوی : یہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں۔ شیخ اجل شیرازی سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ حوض شمسی کے جانب شرق ان کا مزار ہے۔ ۶۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔[۳]

(۶) شیخ نظام الدین ابوالموید[۴] : یہ شمس العارفین رحؒ کی اولاد میں تھے۔ ان کی اولاد میں شیخ جمالؒ ہیں جن کا مزار علی گڑھ میں ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے بھی بچپن میں انھیں دیکھا تھا۔ دہلی میں وعظ کرتے تھے بہت پُر اثر بیان ہوتا تھا۔

(۷) ملک اختیار الدین[۵] اس کا "اولین ملتا ہے کہ" ملک اختیار الدین اس قصبہ کا مالک آیا" (ص ۱۲)

(۸) شیخ محمود موزہ دوز۔ یہ غالباً وہی ہیں جن کا حوالہ نمبر ۳ پر خواجہ محمود کے تحت دیا گیا ہے۔ موزہ دوز غلط لکھا ہے۔ موئینہ دوز ہونا چاہیے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو : اخبار الاخیار ص ۳۰ - ۳۸ میں تاریخ وفات ۶۷۳ھ غلط ہے۔ ان کا انتقال قطب صاحبؒ کی وفات سے دس سال بعد ہوا ہے۔
معین الاولیا : ۱۷۵ - اس میں تاریخ وفات ۶۷۸ھ غلط درج ہے۔

(۲) اخبار الاخیار : ۵۰

(۳) اخبار الاخیار : ۲۸ - ۲۹

(۴) اخبار الاخیار : ۴۶ فوائد الفواد : ۱۵۹، ۲۲۳ - ۲۲۴ وغیرہ

(۵) ملک اختیار الدین، بلبن کے امرا میں سے ہے۔ دیکھو سیر الاولیا : ۵۳
ضیا برنی، تاریخ فیروز شاہی (مرتبہ سر سید احمد خاں) ص ۲۴ (کلکتہ ۱۸۶۲ء)
طبقات ناصری (بہ تصحیح کپتان ولیم ناسولیس. کلکتہ ۱۸۶۴ء) ص ۱۸۱

(۹) سید شرف الدین
(۱۰) مولانا فقیہ خدائداد
(۱۱) مولانا شہاب الدین اوسفی
(۱۲) خواجہ تاج الدین غزنوی
(۱۳) قاضی عماد الدین
(۱۴) مولانا فخر الدین زاہد

تاریخی پس منظر} فوائد السالکین کی تمام مجلسیں ۵۸۴ھ میں منعقد ہوئی ہیں۔ اس زمانے میں تو سلطنت دہلی بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ قطب الدین ایبک نے ۲۰ سال تک دہلی پر حکومت کرنے کے بعد ۶۰۷ھ میں انتقال کیا ہے۔[۱] گویا اس نے ۵۸۸ھ میں دہلی فتح کی تھی اس لحاظ سے جتنے واقعات فوائد السالکین، میں درج ہیں ان کی تاریخی حیثیت قطعاً مشتبہ ہے۔

کتابوں کے حوالے} دوسرے موضوع ملفوظات کی طرح فوائد السالکین میں کتب فقہ و تصوف کے حوالے بہت کم ہیں۔ صرف تین کتابوں کا سرسری تذکرہ آیا ہے۔

(۱) اسرار العارفین　：　خواجہ شبلی۔　ص ۲
(۲) تنبیہ　：　خواجہ ابواللیث سمرقندی　ص ۱۱
(۳) "شیخ الاسلام برہان الملۃ والدین کے روضۂ مبارک میں لکھا دیکھا ہے۔" ص ۱۲

سیاحت} فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے صرف پانچ اسفار کا حوالہ ہے۔

(۱) غزنی　　ص ۲
(۲) سمرقند　　ص ۸
(۳) بغداد　　ص ۱۳ ، ۱۷
(۴) سفر حج　　ص ۱۴
(۵) بدایوں　　ص ۲۴

سوانحی بیانات} اس کتاب میں جو حصہ حضرت قطب صاحبؒ کے سوانح پر روشنی ڈالتا ہے پہلے اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

فوائد السالکین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا فریدؒ ۲ رمضان ۵۸۴ھ کو قطب صاحبؒ کی خدمت

---

[۱] طبقات ناصری (بہ تصحیح کپتان ولیم ناسولیس۔ کلکتہ ۱۸۶۴) ص ۱۴۱

میں حاضر ہوئے اور اسی وقت '' چار گوشہ ترکی کلاہ '' جو آپ پہنے ہوئے تھے بابا صاحبؒ کے سر پر رکھی یہ بھی معلوم ہے کہ بابا صاحبؒ نے ۶۶۴ھ میں نوے سال سے زائد (تقریباً ۹۳ سال) کی عمر میں انتقال فرمایا ہے[۱] اس لحاظ سے ۵۸۴ھ میں بابا صاحبؒ کا سن شریف بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے[۲] اور ظاہر ہے کہ آپ اتنی کمسنی میں حضرت قطب صاحبؒ سے بیعت نہیں ہوئے تھے۔

(۲) قطب صاحبؒ نے فرمایا کہ میں '' کئی سال تک شیخ معین الدین حسن سجزی کی خدمت میں رہا '' (ص ۷) دوسرے مواقع پر بھی حضرت غریب نوازؒ کا تذکرہ ایسے لفظوں میں کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا وصال ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر ہے:

'' میں خود بھی اپنے خواجہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی

علیہ المغفرۃ کے وقت حاضر نہ تھا ..... '' (ص ۳۸)

اور اس سے ہی کتاب کے جعلی ہونے کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کیونکہ اتفاق سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا وصال ایک ہی سال یعنی ۶۳۳ھ میں ہوا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ حضرت قطب صاحبؒ نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو انتقال فرمایا ہے اور خواجہ غریب نوازؒ ان سے تقریباً چار ماہ بعد ۶ رجب ۶۳۳ھ کو محبوب حقیقی سے ملے ہیں[۳] جب خود مرشد کا انتقال مرید کے بعد ہوا ہے تو فوائد السالکین میں قطب صاحبؒ کا یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ '' میں خود اپنے خواجہ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھا۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے فوائد السالکین لکھی ہے اسے ان بزرگوں کے حالات و سوانح سے ذرہ بھر واقفیت بھی نہیں ہے اور اس نے کتاب وضع کرنے میں بھی کسی چالاکی یا ذہانت کا ثبوت نہیں دیا ہے یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

'' فرمایا کہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری ایک مرتبہ شیخ علی سجزی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ

---

[۱] فوائد الفواد : ۸۹ سیر الاولیاء : ۹۱

[۲] مولف سیر الاولیاء نے بھی یہی لکھا ہے کہ بابا صاحبؒ ۵۸۴ھ میں بیعت ہوئے تھے لیکن یہ غلط ہے تفصیلی بحث ہم نے دوسرے موقع پر کی ہے۔

[۳] فوائد الفواد : ۲۴۶ سیر الاولیاء : ۵۵ - ۵۶ درر نظامیہ : ۲۱۰ اخبار الاخیار : ۲۵ - ۲۶

درر نظامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۳۳ھ میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ دہلی تشریف لائے تھے اور یہاں سے رخصت ہو کر ابھی اجمیر پہنچے نہیں تھے کہ دہلی میں قطب صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔

محمد بولاق مولف روضہ اقطاب (مطبع محب ہند۔ دہلی ۱۸۸۷ء، ص ۴۴) نے اس خیال سے اختلاف کیا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے قطب صاحبؒ کی وفات سے چند ماہ بعد انتقال فرمایا تھا۔ اور اپنی تائید میں دلیل العارفین کی عبارت پیش کی ہے جو قطب صاحب سے منسوب جعلی ملفوظ ہے۔ انھوں نے خواجہ صاحبؒ کی تاریخ وصال ۶ رجب ۶۳۲ھ بیان کی ہے۔ لیکن درر نظامیہ کا بیان مستند ہے

میں تھے وہاں سماع ہو رہا تھا [1] اور قوال یہ قصیدہ گا رہے تھے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

.... ہم دونوں میں اس بیت نے کچھ ایسا اثر کیا کہ ہم تین دن رات اسی بیت میں مدہوش رہے پھر جب ہوش میں آئے تو پھر بھی قوالوں سے یہی سنتے رہے۔ چنانچہ تین دن رات اور بھی ہم اسی بیت کی حالت میں رہے کہ ہمیں اپنے آپ کی کچھ سدھ بدھ نہ تھی اسی طرح سات دن اور سات راتیں ہم نے اسی بیت میں گداز دیں ہر مرتبہ جب گانے والے یہ گاتے تو ہمیں ایک خاص قسم کی حالت طاری ہوتی جس کا بیان نہیں کر سکتے۔" (ص ۱۰۱)

اب اصل واقعہ فوائد الفواد کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے۔

"حکایت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار فرمود۔ قدس اللہ سرہ العزیز کہ اورا ہم چنیں چہار شبان روز تحیر بود در وقت نقل۔ و آن چناں بود کہ در خانقاہ شیخ علی سجزی رحمۃ اللہ علیہ سماع بود و شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ حاضر بود گو بندہ قصیدہ می گفت

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

شیخ قطب الدین را قدس اللہ سرہ العزیز ایں بیت بگرفت۔ چوں ازاں مقام بخانہ آمد مدہوش و متحیر بود، ہمی فرمود کہ ہمیں بیت بگوئید ہمیں بیت پیش او بگفتند او ہم چناں متحیر می بود الا آنکہ چوں وقت نماز در می آمد نماز می گذارد و باز ہمیں بیت می گویانید

حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار" کی حکایت بیان فرمائی کہ انھیں بھی چار شبانہ روز حیرت کا عالم رہا۔ انتقال کے وقت۔ اور ماجرا یہ تھا کہ شیخ علی سکنجری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی اور شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ قوال نے یہ قصیدہ پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو اس شعر پر کیفیت ہو گئی۔ جب وہاں سے گھر واپس آئے تو مدہوش اور متحیر تھے اور فرماتے تھے کہ بس یہی پڑھے جاؤ چنانچہ یہی شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا رہا اور آپ اسی طرح عالم حیرت میں رہے بس نماز کا وقت ہوتا تھا تو نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر یہی شعر کہلواتے تھے

---

[1] فوائد السالکین میں ایک اور محفل سماع کا حوالہ بھی ملتا ہے: "وقتے در خدمت خواجہ قطب الدین قوالاں در رسیدند و ایں بیت را بصورت زیبا و آہنگ دلربا آغاز گردانیدند:

سرود چلیست کہ چندیں فنون عشق در وست سرود محرم عشق است و عشق محرم اوست

خواجہ را ایں بیت در گرفت و ہفت شبانہ روز بے ہوش ماند میل بطعام و شراب نداشت اما وقت نماز از دست نمی داد و بہوش باز آمدے و نماز بدستور قدیم می گذاشت ..." روضۃ الاقطاب (ص ۴۳)

حالے وحیرتے پیدا می آمد۔ چہارشبان روز ہم بریں حال بود۔ شب پنجم رحلت فرمود شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ می گوید کہ من آں شب حاضر بودم۔ چوں وقت نقل شیخ نزدیک شد مرا اندک غنودگی ربود۔ در خواب دیدم کہ شیخ قطب الدین قدس سرہ العزیز گوئی ازیں مقام خود برآمدہ است وجانب بالا می رود ومرا می گوید۔ کہ بنگر بدر الدین دوستان خدا را مرگ نباشد۔ چوں بیدار شدم۔ شیخ بدار البقار حلت فرمودہ بود۔" [1]

اور اس سے حال اور حیرت پیدا ہوتی تھی چار شباں روز اسی حال میں رہے۔ پانچویں شب میں انتقال ہوا۔ شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اس رات کو حاضر تھا۔ جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو مجھے کچھ دیر کے لئے اونگھ آگئی۔ خواب دیکھا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز اپنے مقام سے نکل کر آسمان کی طرف جارہے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ دیکھو بدر الدین دوستان خدا کو موت نہیں آتی۔ جب میں جاگا تو شیخ کا انتقال ہوچکا تھا۔

فوائد الفواد کی یہ روایت حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ۱۰ رمضان ۷۱۵ھ کی مجلس میں بیان فرمائی ہے اور انھوں نے ایسے بزرگوں کو دیکھا تھا جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے یا تو مرید اور اجازت یافتہ تھے یا ان کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی روایت ہر اعتبار سے مستند اور قابل قبول ہے۔ مگر فوائد السالکین کے مؤلف نے ۶۳۳ھ میں پیش آنے والا واقعہ ۵۸۴ھ کے واقعات میں گویا تقریباً پچاس سال پہلے ہی بیان کردیا ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہاں بھی شیخ علی سجزیؒ کی خانقاہ ہی کا ذکر ہے۔ اور مبالغہ یہ کیا ہے کہ سات شبانہ روز قطب صاحبؒ کے بے ہوش رہنے کا تذکرہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ مؤلف فوائد السالکین نے "فوائد الفواد" کی روایت کو تحریف کے ساتھ پیش کردیا ہے۔

---

[1] فوائد الفواد (طبع لاہور) ۲۴۶ - ۲۴۷
درر نظامیہ (ترجمہ) ص ۲۶۵ - ۲۶۶ - سیر الاولیا، ص ۵۵ - ۵۶
سیر الاقطاب: ۲۲

[2] شیخ علی سجزی کے لیے دیکھیے: فوائد الفواد: ۱۹۲ - ۲۴۶

سیر الاولیاء میں بھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ یکم شوال ۶۳۲ھ کو جب حضرت قطب صاحبؒ عید کا دوگانہ ادا کرکے آ رہے تھے اس مقام پر جہاں اب مزار مبارک ہے۔ ٹھہر گئے اور فرمایا کہ اس زمین سے "بوئے دلہا می آید" (دلوں کے جلنے کی بو آرہی ہے۔ کنایہ بوئے محبت سے ہے)۔ پھر اس زمین کے مالک کو طلب کرکے اسے خرید لیا۔ اسی سال شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں حضرت کو خواجہ احمد جام کی اس غزل پر وجد ہوا:

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اور "چار شبانہ روز" بے خود رہ کر پانچویں شب میں انتقال فرمایا۔[1] اس سے ظاہر ہے کہ محفل سماع ۱۰۔ ربیع الاول ۶۳۳ھ کی شب میں منعقد ہوئی تھی۔

شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں اس شب کو شیخ احمد نہروالی[2] بھی موجود تھے، اور مولانا فخر الدین زرادی نے اپنے رسالہ سماع میں لکھا ہے کہ اس وقت ایک طبیب حاذق شمس الدین نام تھے ان کے پاس حضرت قطب صاحبؒ کا قارورہ بھیجا گیا تاکہ وہ مرض کی تشخیص کر سکیں، انہوں نے کہا کہ 'یہ ایسے شخص کا قارورہ ہے جو محبت کی آگ میں جلا ہے اور اس کا جگر پگھل گیا ہے۔"[3]

(۲) اسی کتاب میں سلطان شمس الدین التتمش کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے: "ایک دفعہ شیخ معین الدین، شیخ اوحد کرمانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور دعاگو ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ انبیاء کا تذکرہ شروع ہوا۔ اس وقت آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ سلطان شمس الدین (خدا اس کی دلیل کو روشن کرے) ابھی بارہ سال کا تھا اور ہاتھ میں پیالہ لئے جا رہا تھا۔ بزرگوں کی نگاہ جب اس پر پڑی تو فوراً شیخ معین الدینؒ کی زبان سے نکلا کہ یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہولے گا خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔"[4]

یہ شوال ۵۸۴ھ کی مجلس کا ملفوظ ہے۔ یہاں بھی سلطان کو باصطلاح موات یاد کیا ہے۔ اس نے ۶۳۳ھ میں انتقال کیا ہے۔[5] وہ ۶۰۷ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا تھا۔[6]

(۳) اسی طرح ایک مجلس میں ہے، جمعہ کے روز ماہ شوال ۵۸۴ھ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل صفہ حاضر تھے اور حوض شمسی کے بانی کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ برکاتہٗ نے فرمایا کہ جب شمس نے چاہا کہ دہلی میں حوض بنائے تو ایک روز اپنے امیروں وزیروں کے ہمراہ حوض کے لئے جگہ تلاش کرنے کے لئے نکلا جہاں پر اب حوض واقع ہے جب یہاں پہنچا تو کھڑا ہو گیا اور کہا کہ یہ زمین حوض کے لئے بہتر ہے

---

۱ سیر الاولیاء (مطبع محب ہند، دہلی ۱۸۸۵ء) ص ۵۵

۲ برائے شیخ احمد نہروالی ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار: ۴۷

۳ مولانا فخر الدین زرادی کا رسالہ سماع چھپ چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی متعدد کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ جامعہ ملیہ کے ذخیرہ مخطوطات میں بھی ایک نسخہ ہے۔ سیر الاولیاء: ۵۵-۵۶ روضۃ الاقطاب: ۲۲

۴ فوائد السالکین (ترجمہ): ۱۳

۵ فوائد الفواد: ۲۶۵

۶ طبقات ناصری (کلکتہ ۱۸۶۴ء) ص ۱۷۰

چونکہ وہ خدا رسیدہ مرد تھا اس نیت سے اس رات مصلے پر وہیں سوگیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ اس چبوترے کے نزدیک جو حوض واقع ہے ایک مرد نہایت خوبصورت اور وجیہہ جن کی صفت بیان نہیں ہو سکتی گھوڑے پر سوار ہے اور چند ایک آدمی اس کے ہمراہ ہیں۔ جوں ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ تیری کیا نیت ہے؟ میں نے عرض کی کہ میری نیت یہاں حوض بنوانے کی ہے۔ اسی گفتگو میں ایک شخص نے جو نزدیک ہی کھڑا تھا آہستہ سے میرے کان میں کہہ دیا کہ اے شمس یہ رسول خدا ہیں۔ تو درخواست کرتا کہ تیری مراد حاصل ہو۔ چونکہ مجھے اس وقت حوض کا خیال تھا میں نے وہی عرض کی اور آپ کے مبارک قدموں میں گر پڑا۔ پھر میں نے اٹھ کر دست بستہ عرض کی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہاں پر چبوترہ واقع ہے دست مبارک زمین پر مارا اور فرمایا اے شمس اسی جگہ حوض کھدواؤ کہ یہاں کے حوض کا پانی ایسا لذیذ ہوگا کہ کسی جگہ کا پانی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔" ہم اسی گفتگو میں تھے کہ میری نیند کھل گئی۔ اسی صبح اٹھ کر ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے سم مارا تھا وہیں سے پانی جاری ہے۔ اسی جگہ ٹھیر گیا اور حوض بنوایا۔ جو شخص وہاں آکر پانی پیتا قسم کھا کر یہی کہتا کہ لاکھوں شربت اکٹھے کر کے گھول لئے جائیں تو بھی اس پانی جیسی لذت نہیں آتی۔" [1]

یہ حوض بھی سلطان شمس الدین التمش نے تخت نشینی (۶۰۷ھ) کے بعد بنوایا ہے پھر اس کا تذکرہ ۵۸۴ھ میں کیسے ہو رہا ہے؟

(۴) پہلی ہی مجلس میں ایک موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے فرمایا: "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری جو اس دعا گو کے یار غار ہیں دریا کی طرف سیر کر رہے تھے" [2] اور ابتدا میں حاضرین مجلس کے نام گنائے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قاضی حمید الدین ناگوری بھی اس مجلس میں تشریف فرما ہیں۔[3] اسی طرح قاضی صاحب دوسری مجلس (شوال ۵۸۴ھ) میں بھی موجود ہیں اور ان کا ذکر صیغہ واحد غائب میں ہو رہا ہے: "ایک مرتبہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔" [4]

اسی طرح فوائد السالکین میں ہے: "فرمایا کہ شیخ الاسلام دہلی نے میرے بھائی شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ پر تہمت لگائی کہ دعویٰ تو وہ درویشی کا کرتا ہے لیکن خیال اس کا امیری کی طرف ہے۔ چنانچہ یہ خبر شمس دہلی نے بھی سن لی۔ اس نے شیخ جلال الدین کے روبرو کچھ نہ کہا۔ شیخ الاسلام دہلی کا اس میں کچھ خاص کام تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کو بلایا گیا اور شیخ جلال الدین کو کہلا بھیجا کہ اس دعوت کے لئے کوئی منصف ہونا چاہیے۔ شیخ الاسلام دہلی نے کہلا بھیجا کہ ان کو بلایا جائے۔ چنانچہ دوسرے روز سب بزرگ اکٹھے ہوئے اور شیخ جلال الدین بھی آئے اور معمولی صف میں بیٹھ گئے۔ شمس دہلی نے بہتیرا چاہا کہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ سے اوپر بیٹھے لیکن شیخ جلال الدین نے فرمایا کہ اب دعویٰ کا مقام ہے

---

[1] فوائد السالکین : ۲۲ - ۲۳

[2] فوائد السالکین : ۶

[3] فوائد السالکین : ۱

[4] فوائد السالکین : ۱۰

اس وقت میرا یہی مقام ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے جلال الدین کے منسوب حال روایتیں اور باتیں بیان کیں۔ اسی اثناء میں شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز بھی آن پہنچے سب لوگ حیران رہ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شیخ بہاء الدین کو کس نے خبر کی تھی؟ اور وہ ملتان سے کب روانہ ہوئے تھے اور کب یہاں پہنچے اور جب شیخ بہاء الدین زکریا وہاں آئے تو جہاں پر بزرگوں نے جوتیاں اتاری تھیں وہاں کھڑے ہوگئے اور شیخ جلال الدین کی نعلین مبارک کو پہچان کر زمین سے اٹھا لیا اور چوم کر سر آنکھوں پر رکھ لیا اور پھر آستین مبارک میں رکھ کر آئے اور سلام کیا۔ اور شیخ جلال الدین کے پاس ہی بیٹھ گئے جوں ہی تشنیع والی کو معلوم ہوا تو لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا: شیخ جلال الدین تبریزی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بزرگی میں کوئی کلام نہیں کیونکہ جب بہاء الدین جیسے منصف نے شیخ جلال الدین کی نعلین کو بوسہ دیکر آستین میں رکھ لیا پس معلوم ہوگیا کہ وہ دعوی باطل ہے جو شیخ الاسلام دہلی نے شیخ جلال الدین پر کیا ہے اور یہ کہ فعل ان کی نیت میں نہیں تشنیع والی نے بہت سی معذرت کی۔ الغرض شیخ جلال الدین اور بہاء الدین دونوں واپس چلے گئے اور ندی کے کنارے آئے۔ رات اسی جگہ بسر کی جب دن چڑھا تو شیخ بہاء الدین کو ملتان کی طرف وداع کیا اور شیخ جلال الدین لکھنوتی (ہندوستان) کو روانہ ہوگئے اور مدت تک زندہ رہے۔

الغرض بہت زمانہ نہ گذرنے پایا کہ شیخ الاسلام دہلی پیٹ کے درد میں مبتلا ہوئے اور اسی عارضے میں انتقال فرمایا۔[1]

تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ بھی ۵۸۳ھ سے تقریباً ... سال بعد پیش آیا ہے۔

کتاب میں ایسے واقعات کی بھرمار ہے جو چشتی صوفیاء کے عقائد اور تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ فوق العادۃ عنصر کی بھی کمی نہیں اور خوارق کے بیان میں مبالغہ ہے۔ چند مثالیں:

(۱) ایک بار خانہ کعبہ خواجہ معین الدین اجمیری کی کٹیا میں آگیا تھا (ص ۲۱)۔

> "خانہ کعبہ کے مسافروں کی حکایت شروع ہوئی۔ خواجہ قطب الاسلام نے زبان مبارک سے فرمایا کہ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ جب وہ اپنی کٹیا میں ہوتے ہیں تو خانہ کعبہ کو حکم ہوتا ہے کہ جا کر ان کے گرد طواف کرے۔ ابھی یہ فرما رہے تھے کہ آپ اور سارے حاضرین اللہ کر عالم تحیر میں محو ہوگئے اور شوق میں مستغرق ہوگئے اس ثنا میں سارے اشخاص وہی الفاظ زبان سے نکالتے تھے جو حاجی لوگ طواف کے وقت بولتے ہیں اور ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر ایک کے بدن سے خون جاری تھا اور جو خون کا قطرہ زمین پر گرتا تھا اس سے تکبیروں کے نقش بنتے جاتے تھے۔ جب ہوش میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ سامنے کھڑا ہے ہم سارے مقررہ آداب بجا لائے اور چار مرتبہ اس کے گرد پھرے ..."[2]

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری جو اس دعاگو کے یار غار ہیں دریا کی طرف سیر کر رہے

---

[1] فوائد السالکین : ۲۵

[2] فوائد السالکین : ۲۰ — ۲۱

تھے اور اللہ تعالے کی قدرت کے عجائبات کا نظارہ کر رہے تھے جس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی دریا کے نزدیک ایک مقام تھا جہاں پر ہم دونوں بیٹھ گئے اور بھوک نے ہم دونوں کو لاچار کر دیا۔ وہاں بیابان میں طعام کہاں مل سکتا تھا الغرض کچھ وقت کے بعد ایک بکری منہ میں دو روٹیاں لیے ہوئے آئی اور روٹیاں ہمارے سامنے رکھ کر واپس چلی گئی۔ ہم نے وہ روٹیاں کھا لیں۔ اس کے بعد ہم نے آپس میں کہا کہ اللہ تعالے نے یہ دونوں روٹیاں اپنے خزانۂ غیب سے عطا کی ہیں وہ بکری نہیں تھی بلکہ مردانِ غیب سے کوئی ہوگا ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ناگاہ ایک بچھو ایک بڑے اونٹ کے قد کا ظاہر ہوا اس طرح جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے اور دوڑتا ہوا آیا جوں ہی کہ دریا کے پاس پہنچا اپنے تئیں بے دھڑک پانی میں پھینک دیا۔ میں نے قاضی کی طرف دیکھا اور قاضی میری طرف دیکھتا تھا۔ ہم دونوں نے کہا کہ اس میں کچھ بھید ہے جو بچھو جلدی جلدی آ رہا ہے۔ مناسب ہے کہ ہم بھی اس کے پیچھے چل کر دیکھیں لیکن دریا کے اس کنارے کوئی کشتی موجود نہ تھی جس پر سوار ہو کر پار جاتے۔ جب عاجز ہو گئے تو دعا کی: "اے پروردگار۔ اگر ہم درویشی میں مکمل ہو چکے ہیں تو ہمیں دریا راستہ دے دے تاکہ چل کر اس بچھو کا تماشا دیکھیں کہ کہاں جاتا ہے جوں ہی یہ مناجات ہم نے کی تو اللہ تعالے کے حکم سے دریا پھٹ گیا اور خشک زمین نکل آئی۔ ہم دونوں پار گئے۔ وہ بچھو ہمارے آگے آگے تھا اور ہم پیچھے پیچھے۔ چلتے چلتے ہم ایک درخت کے پاس پہنچے۔ جہاں ایک آدمی سویا پڑا تھا اور درخت سے ایک بڑا سانپ نیچے اتر رہا تھا تاکہ اس شخص کو ہلاک کرے۔ اس بچھو نے سانپ کو ڈسا اور ہلاک کر دیا۔ ہمارے سامنے سے وہ بچھو غائب ہو گیا اور سانپ اس آدمی کے پاس ہی مردہ ہو کر گر پڑا ہم نے نزدیک جا کر سانپ کو دیکھا تو تقریباً اڑھائی من وزن کا ہوگا۔ ہم نے کہا جب وہ آدمی جاگے گا تو ہم دریافت کریں کہ اللہ تعالے نے جو اسے بچایا ہے تو یہ ضرور کوئی بزرگ آدمی ہوگا۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ شراب پی کر مست پڑا ہے اور قے کی ہوئی ہے۔ ہم از حد شرمندہ ہوئے اور کہا کہ کاش ہم نہ ہی آتے تاکہ اس طرح کی حالت نہ دیکھتے اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالے نے ایسے شراب خوار اور نافرمان کو بچایا۔ ابھی یہ خیال پورے طور پر ہمارے دل میں نہ گذرا تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ اے عزیزو اگر ہم صرف پرہیزگاروں اور صالح آدمیوں کو بچائیں تو گنہ گاروں اور مفسدوں کو کون بچائے؟ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ وہ مرد جاگ پڑا اور سانپ کو پاس مرا ہوا دیکھا تو بہت ہی حیران ہوا۔ اور اس فعل سے توبہ کی کہتے ہیں کہ وہ جوان خدا رسیدہ بن گیا۔ اور ستر حج ننگے پاؤں کیے۔" [1]

اس روایت میں جو مبالغہ اور فوق الفطری عنصر ہے اس کے علاوہ یہ لطیفہ بھی ہے کہ ابتدا میں حاضرین محفل کے نام گنے ہیں تو ان میں خود قاضی حمید الدین ناگوری موجود ہیں۔ ان کے روبرو وہی واقعہ سنایا جا رہا ہے جس کے شریک بدے میں وہ شریک تھے۔

پھر یہ محفل ۶۱۳ھ کی ہے جب باباصاحبؒ کی عمر ۱۰۔۱۲ سال سے زیادہ نہیں ہوگی اور اس میں وہ دعا کر رہے ہیں کہ "اے پروردگار اگر ہم درویشی میں مکمل ہو چکے ہیں تو دریا ہمیں رستہ دے دے۔" فوائد السالکین کے مطابق اسی سال بابا صاحب نے قطب صاحب سے بیعت بھی کی ہے ابھی منازل سلوک ہی پورے نہیں ہوئے کہ درویشی میں "مکمل" ہونے کا حوالہ آ گیا۔

---

[1] فوائد السالکین۔ ص ۶۔۷

جس شرابی کی جان بچانے کا قصہ بیان ہوا ہے اس نے اس واقعہ کے بعد سترہ برس تک توبہ کی زندگی گزاری۔ غرض یہ قصہ فوائد السالکین کی تصنیف سے کم سے کم ستر سال پہلے کا ہوا اور یہ ۵۸۴ھ کے متعلق ہو جاتا ہے جب بابا صاحبؒ یا قاضی حمید الدین ناگوری تو کجا، قطب صاحبؒ، حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

(۳) مبالغہ آرائی کی ایک اور مثال: ''ایک مرتبہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے وہاں پر شیخ برہان الدین نامی ایک بزرگ جو خواجہ ابوبکر شبلی کا غلام تھا اور از حد بزرگ تھا خانۂ کعبہ کا طواف کرنے آیا تھا۔ ہم نے بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی طرح طواف کرنا شروع کیا کہ جہاں وہ قدم رکھتے ہم بھی وہیں رکھتے۔ چونکہ وہ پیر روشن ضمیر تھا سمجھ گیا۔ اس نے کہا میری ظاہری متابعت قبول کرتے ہو اگر کرنی ہے تو باطنی کرو۔ اور جو ہمارا عمل ہے اس پر کاربند رہو۔ ہم دونوں نے ان سے پوچھا آپ کونسا عمل کرتے ہیں؟ شیخ مذکور نے کہا کہ ہم ایک دن میں بیس ہزار مرتبہ قرآن شریف ختم کرتے ہیں۔ ہم دونوں نے اس بات سے بڑا تعجب کیا کہ یہ بزرگوار کیا کہتا ہے ہم نے خیال کیا کہ شاید انہوں نے ہر سورت کا کوئی خاص حصہ زبانی یاد کیا ہو گا اتنے میں انہوں نے سر اٹھا کر مجھ سے کہا کہ خبردار ایسا نہیں بلکہ ہم حرف بحرف کرتے ہیں۔'' [1]

لازماً اس طرح کی مبالغہ آمیز حکایات اور تاریخی اعتبار سے غلط روایات ہی سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا انتساب جعلی ہے۔ نہ یہ حضرت قطب صاحبؒ کے ملفوظات ہیں اور نہ ان کے جامع حضرت بابا فرید گنج شکر ہو سکتے ہیں۔

---

[1] فوائد السالکین، ۱۰

دُرَرِ نظامیہ

حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے حالات کا ایک ماخذ

(نثار احمد فاروقی - دہلی کالج - دہلی ۶)

(الف) تمہید: حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ (ف ۷۲۵ھ) کے ملفوظات کا سب سے اہم اور مستند مجموعہ فوائد الفواد ہی ہے جس کے جامع حضرت امیر حسن علا سجزی دہلویؒ ہیں۔ اس میں شعبان ۷۰۷ھ سے شعبان ۷۲۲ھ تک ۱۸۸ مجلسوں کا حال قلم بند ہوا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل کتابیں تالیف ہوئی ہیں جن میں سے اکثر اب ناپید ہو چکی ہیں۔

فوائد الفواد کا تفصیلی اور تحلیلی مطالعہ پیش کرنے کا یہ مناسب موقع نہیں ہے[1] دوسری اہم تالیف جس سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے دوسرے بزرگوں کا حال معلوم ہوتا ہے، خیر المجالس ہے۔ یہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ (ف ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور ضمناً اس میں بابت کچھ ملفوظات حضرت فرید الدین گنج شکرؒ (ف ۶۶۴ھ) اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (ف ۶۳۳ھ) کے بارے میں آ گئی ہیں۔ خیر المجالس کا سنہ تالیف ۷۵۵ھ، ۷۵۶ھ ہے اس کی تکمیل کے تقریباً ایک ہی سال کے بعد حضرت چراغ دہلویؒ کا وصال ہوا ہے۔[2]

تیسری اہم کتاب احسن الاقوال ہے یہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور اس کا زمانہ تالیف ۷۳۸ھ ہے اسی سال حضرت برہان الدینؒ کا انتقال ہوا ہے۔[3]

سب سے اہم اور مفصل کتاب سید امیر خورد کرمانی کی تالیف سیر الاولیاء ہے جو خیر المجالس کے بعد غالباً (۷۵۸ھ) میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔[4]

---

[1] بشرط توفیق ارادہ ہے کہ "فوائد الفواد" کا مفصل تجزیہ اور مطالعہ بھی پیش کیا جائے۔

[2] خیر المجالس کا متن پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تصحیح اور عالمانہ مقدمہ کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ عرصہ ہوا مولوی حیدر علی رامپوری کے صاحبزادے مولانا احمد علی سیماب (مترجم تزک جہانگیری) نے کیا تھا، اس کا نیا ایڈیشن حال ہی میں لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

[3] احسن الاقوال کے بارے میں ایک مطالعہ منادی کے کسی شمارے میں شامل ہے۔

[4] مولف سیر الاولیاء نے کہیں اس کا سال اتمام نہیں بتایا ہے۔ لیکن اس میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا سنہ وفات (۷۵۷ھ) درج ہے، اس سے پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے یہ قیاس کیا ہے کہ سیر الاولیاء کی تکمیل اس کے ایک دو سال بعد ہوئی ہوگی۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل اتنے مجموعے مرتب ہوئے:

(۱) فوائد الفواد[۱] : مرتبہ امیر حسن علاء سجزی دہلوی۔ اس کا فارسی متن اب تک غالباً پانچ بار چھپا ہے۔ حال ہی میں (۱۹۶۶ء) جناب محمد لطیف ملک نے لاہور سے اس کا بہت عمدہ ایڈیشن چھاپا ہے۔

(۲) انوار المجالس[۲] : مرتبہ خواجہ محمد بن خواجہ سید بدرالدین اسحٰق[۳]

(۳) تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار[۴] : مرتبہ عزیزالدین صوفی۔ (یہ نسخہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی نظر مبارک سے بھی گذرا تھا۔)

(۴) مجموع الفوائد[۵] : مرتبہ عبدالعزیز ابن ابوبکر مصلی بردار خواہرزادہ سلطان المشائخ۔

(۵) ملفوظات المشائخ : مرتبہ خواجہ شمس الدین دھاری[۶]

(۶) خلاصۃ اللطائف[۷] : مرتبہ مولانا علی جاندار۔

(۷) درر نظامیہ : مولانا علی بن محمود جاندار

اس فہرست میں صرف اول و آخر کی دو کتابیں دستبرد زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں۔

درر نظامیہ درر نظامیہ کا فارسی متن ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور اس کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں پایا جاتا ہے۔[۸] لیکن اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔[۹] اس کی ترتیب مجالس کے اعتبار سے نہیں ہے نہ اس میں کوئی تاریخ درج ہوئی ہے بلکہ پوری کتاب کو ۳۰ ابواب میں تقسیم کر دیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

باب اول	: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بیان	باب دوم	: علم اور علماء کے بیان میں
باب سوم	: توحید اور معرفت کے بیان میں	باب چہارم	: توبہ کے بیان میں
باب پنجم	: اخلاص کے بیان میں	باب ششم	: محبت اور عشق کے بیان میں
باب ہفتم	: دیدار باری تعالےٰ کا بیان	باب ہشتم	: نماز کا بیان
باب نہم	: زکوٰۃ اور صدقہ کا بیان	باب دہم	: روزے کا بیان
باب یازدہم	: حج اور سفر کا بیان	باب دوازدہم	: قرآن شریف کے فضائل
باب سیزدہم	: ادعیہ و اوراد کا بیان		

---

۱ سیرالاولیاء : ص ۳۰۸

۲ سیرالاولیاء ص ۲۰۰ نیز ص ۲۷۹

۳ سیرالاولیاء ص ۲۰۲

۴ سیرالاولیاء ص ۲۰۷

۵ سیرالاولیاء ص ۳۱۸

۶ سیرالاولیاء ۳۴۹ اخبار الاخیار : ۹۴ - ۹۵

۷ پروفیسر محمد حبیب : حضرت نظام الدین اولیاءؒ حیات اور تعلیمات۔ نظام خطبات ۱۹۷۰ء ص ۴

۸ کتب خانہ نذیریہ اردو بازار۔ دہلی۔ سنہ ندارد

باب چہاردہم	بیعت اور اصل خرقہ
باب پانزدہم	آداب کے بیان میں
باب شانزدہم	مراقبہ اور مشغولی باطن
باب ہفدہم	صحبت کا بیان
باب نوزدہم	توکل، وجہ حلال اور خوف ورجا کا بیان
باب بستم	ترک دنیا اور زہد و قناعت
باب بست ویکم	عزلت اور گوشہ نشینی
باب بست ودوم	اخلاق ولطائف کا بیان
باب بست وسوم	تواضع، تکبر، تحمل
باب بست وچہارم	کرامات اولیاء کا بیان۔
باب بست وپنجم	اخفائے کرامت کا بیان
باب بست وششم	ضیافت، آداب طعام، بذل وایثار کا بیان
باب بست وہفتم	سماع کے بیان میں
باب بست وہشتم	متفرقات
باب بست ونہم	مرض کی فضیلت کے بیان میں۔
باب سی ام	وصال بزرگاں کے بیان میں

اس طرح تیس ابواب میں باعتبار موضوع حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کے ملفوظات وارشادات جمع ہوئے ہیں اور ان کا بیشتر حصہ وہ ہے جو فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں بھی موجود ہے۔ کمتر روایات ایسی ہیں جو درر نظامیہ کے سوا کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں۔

خلاصۃ اللطائف } درر نظامیہ کے مولف کی ایک اور تالیف خلاصۃ اللطائف کا حوالہ سیر الاولیاء میں ملتا ہے۔ غالباً یہ بھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حالات وملفوظات پر مشتمل تھی اور عربی زبان میں تھی۔ مولف سیر الاولیاء نے اس کا ایک اقتباس دیا ہے[1]

"مولانا علی شاہ جاندار در خلاصۃ اللطائف آوردہ است۔
رأیت شیخی ومخدومی سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز فی المراقبۃ فاذا اردت ان ادخل فی بعض

مولانا علی شاہ جاندار نے خلاصۃ اللطائف میں لکھا ہے۔
"میں نے اپنے شیخ اور مخدوم سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو (حالت) مراقبہ میں دیکھا جب میں نے ایک بار کسی وقت ان کی مجلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ وہ بہت اچھے

---

[1] یہی مفہوم درر نظامیہ (باب ۱۶) ص ۱۴۹ میں بیان ہوا ہے۔

الا وقت فی مجلسہ مرّۃً۔
رأیتُ جالساً ساکنَ حسنَ الاجتماع
ما یتحرّکُ من ظاہرہٖ شیٔ ، وھُو
فاتحٌ عینیہ ۔ فَدَ اَخبَرنا فلا یعرفنی
فقالَ لِی : من اَنت ؟ فاذا
رائیتہ فی ھذہٖ الحالۃِ اردتُ
ان ارجع القہقری ۔ تمسح عینیہ فعرفنی
فقال اجلس ، فجلست فتکلم معی وھو
یُدوّر عینہ کانّہٗ سکران ۔ ثمّ قال
لی : بم تشتغل فی بیتک ؟ قلتُ بما
اُمر لی مخدومی۔
قال اشتغل باللہ ۔ ثمّ قال : ینبغی
للفقیر ان یتصوّر فی قلبہٖ خاشعاً انا جالسٌ
بین یدی اللہ ورسولہٗ ویداوم ۔ ثمّ قالَ
لی ۔ قم واجلس مع الاصحاب انا مشغول"[1]

درحقیقت بالکل ساکن بیٹھے ہیں اور بظاہر بالکل جنبش (بدن میں) نہیں ہے اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں ۔ ہم نے انھیں اطلاع دی ۔ مگر وہ مجھے نہیں پہچانے اور فرمایا : تم کون ہو ؟ ۔ جب میں نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو چاہا کہ الٹے پاؤں واپس ہو جاؤں ۔ آپ نے اپنی دونوں آنکھیں (ہاتھ سے) ملیں اور مجھے پہچان کر فرمایا بیٹھو میں بیٹھ گیا ۔ پھر آپ ہم کلام ہوئے اور آپ کی آنکھیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں جیسے نشے میں ہوں ۔ پھر فرمانے لگے : تم گھر میں کیا کرتے رہتے ہو ۔ میں نے کہا جو کچھ مخدوم نے حکم دیا ہے (وہ شغل کرتا ہوں) فرمایا : اللہ سے مشغول رہا کرو ۔ فرمایا فقیر کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے دل میں تصور یہ کرے کہ میں خدا کے اور رسول صلعم کے سامنے بیٹھا ہوں اور اس (شغل) کی مداومت کرے ۔ پھر فرمایا ۔ جاؤ باہر جاکر اصحاب کے ساتھ بیٹھو میں اس وقت مشغول ہوں ۔

یہ اقتباس حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی نقل کیا ہے [3] اور غالباً ان کا ماخذ سیرالاولیاء ہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ خلاصۃ اللطائف کی تالیف سیرالاولیاء سے قبل ہو چکی تھی ۔ لیکن اس میں درر نظامیہ کا تذکرہ نہیں ہے ، اگرچہ اس کتاب میں سیرالاولیاء سے اقتباسات ہوئے ہیں ۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ درر نظامیہ کی تالیف ۷۵۶ھ کے بعد کسی وقت ہوئی ہوگی ۔

مولانا علی بن محمود جاندار } کتاب کے مولف کا نام سیرالاولیاء میں مولانا علی شاہ جاندار آیا ہے ۔[2] شیخ عبدالحق محدث نے جاندار لکھا ہے مگر یہ کاتب کا تصرف معلوم ہوتا ہے [4] خود درر نظامیہ کے دیباچہ میں انھوں نے اپنا نام علی بن محمود جاندار بتایا ہے ۔[5] "جاندار" عہد سلاطین کا ایک عہدہ ہے

---

[1] سیرالاولیا : ۴۴۹
[2] سیرالاولیا : ۴۲۹
[3] اخبارالاخیار : ۹۴
[4] اخیرالاحیار : ۹۴ - ۹۵
[5] درر نظامیہ (اردو ترجمہ) ص ۱۸

یا تو یہ خود اس عہدے پر سرفراز ہوں گے یا ان کے والد کی نسبت سے لکھے ہوئے آتے ہیں۔

مولانا جاندار نے [illegible]ھ میں حضرت محبوب الٰہیؒ سے بیعت کی تھی[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی محی الدین کاشانیؒ (ف ۷۲۰ھ) سے ان کے دوستانہ مراسم تھے اور یہ اکثر ان کے ساتھ حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرض وفات میں انھوں نے ایک غلام کو جس کا نام رشید تھا بطور صدقہ آزاد کیا تھا۔ حضرت کے آخری وقت کی کیفیت بھی انھوں نے قلم بند کی ہے جو اگرچہ زیادہ مفصل نہیں ہے لیکن سیر الاولیا کی تفصیلات پر کچھ اضافہ کرتی ہے۔

"حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا سبب ہے کہ لوگ میرے پاس قوالوں کو نہیں لاتے ہیں۔ میں نے کہا حضور یہ خیال ہے کہ بیماری کے باعث ذات اقدس پر ضعف طاری ہے سماع کے سننے سے اور زیادہ نہ ہو۔ فرمایا نہیں، سماع کے اندر مجھ میں بہت قوت ہو جاتی ہے جو اور کسی وقت نہیں ہوتی۔ اس بیماری میں جب میں حاضر ہوتا اکثر زبان مبارک سے شیخ سیف الدین باخرزی کی یہ بیت سنتا:

خیر بادا گفتمت اے جاں، اگرچہ نیست　　جان خود را گفتن آساں خیر باد

درر نظامیہ ہی میں مؤلف یعنی مولانا علی بن محمود کے بارے میں متفرق سوانحی تفصیلات ملتی ہیں۔ مثلاً ان کی شادی ہوئی تھی (ص ۲۸) ایک فرزند جس کا نام ابوالقاسم بتایا ہے (ص ۲۸) ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔ مولانا علی شاہ سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے (ص ۱۰۶)۔ ان کی تعلیم اس زمانے کے مطابق اچھی طرح ہوئی تھی اور وہ فارسی و عربی زبان کے علاوہ کتب حدیث و تفسیر وغیرہ پر عبور رکھتے تھے چنانچہ عربی میں ایک تصنیف خلاصۃ الالفاظ لکھ چکے تھے جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ ان ملفوظات میں جہاں انھوں نے جابجا علمی نکات پیش کیے ہیں یا اپنے بعض شبہات کا اظہار کیا ہے ان سے آپ کی علمیت کا اچھا تاثر قائم ہوتا ہے۔[5]

---

[1] درر نظامیہ: ۱۰۵ - ۱۰۶ سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ علی بن محمود جاندار ملازمت سلطانی سے وابستہ تھے اور اسے چھوڑنا بھی چاہتے تھے مگر مقروض ہونے کے باعث ترک کرنا ممکن نہ تھا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے انھیں ایک وظیفہ بتایا، جسے یہ پڑھتے رہے اور جب قرض ادا ہو گیا تو ملازمت ترک کر دی۔

[2] درر نظامیہ : ۱۲۳

[3] درر نظامیہ : ۲۶۸

[4] درر نظامیہ : ۲۶۹ - ۲۷۰

[5] مثلاً انھوں نے رویت باری تعالیٰ کے موضوع پر جو گفتگو حضرت شیخؒ کی مجلس میں کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ درر نظامیہ (باب ۷) ص ۷۸ - ۷۹

دُررِ نظامیہ اور فوائد الفواد: جیسا کہ ہم نے ابتدا میں اشارۃً عرض کیا ہے دررِ نظامیہ میں بیشتر وہ مواد ہے جو فوائد الفواد میں ملتا ہے اور بہ مشکل دس فی صد ایسا ہو، جو کہ جو فوائد الفواد میں نہیں ہے اور اس سے بھی کمتر وہ جو کسی بھی دوسرے ماخذ میں نہیں ملتا۔ بس فرق یہی ہے کہ امیر حسن سجزی نے حضرت کے ملفوظات کو مجلس وار اور تاریخی ترتیب سے قلم بند کیا ہے اور مؤلف دررِ نظامیہ نے اسی مواد کو تین مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے لیکن کتاب میں کہیں بھی فوائد الفواد یا سیر الاولیاء کا حوالہ نہیں آیا ہے۔ یہ مؤخر الذکر دونوں کتابوں میں دررِ نظامیہ کا نام ملتا ہے۔ مولانا جاندار سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اتنی کثرت سے جس کتاب کا مواد استعمال کریں اس کا نام بھی نہ لیں یا اسے قصداً نظر انداز کر دیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ ۷۰۷ھ سے ۷۲۲ھ تک جب فوائد الفواد قلم بند ہوئی ہے یہ وہی زمانہ ہے جب مولانا علی بن محمود جاندار حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں اور آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس لیے یہ بخوبی ممکن ہے کہ جن مجلسوں کے ملفوظات امیر حسن دہلوی نے لکھے ہیں، ان میں خود مولانا جاندار بھی حاضر رہے ہوں اور وہ بھی حضور کے ملفوظات بطور یادداشت قلمبند کرتے رہے ہوں۔ بعد کو انھوں نے ان ملفوظات کو بہ ترتیب موضوعات یکجا کر لیا ہو۔ مگر فوائد الفواد میں کہیں ان کے حاضر رہنے کا حوالہ موجود نہیں ہے۔ اگرچہ مولانا محی الدین کاشانی (ف ۷۲۰ھ) کا نام ایک جگہ آیا ہے یہ ۲۲ صفر ۷۱۳ھ کی مجلس ہے۔[1]

دررِ نظامیہ اور فوائد الفواد کی جو روایات مشترک ہیں ان میں اکثر تطابق ہے۔ الفاظ اور ان کی ترتیب بھی ایک ہے۔ اگرچہ ہمارے سامنے دررِ نظامیہ کا فارسی متن موجود نہیں ہے۔ لیکن اردو ترجمہ کا مقابلہ فوائد الفواد کے فارسی متن سے کرنے پر بھی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ فارسی عبارت بہت زیادہ مختلف نہ رہی ہوگی۔ مگر بعض مقامات پر فوائد الفواد کا متن "مشتبہ" یا ناقص اور دررِ نظامیہ کا اس کے مقابلے میں بہتر ہے۔ مثلاً فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ ایک بار انھوں نے دیکھا حضرت بابا فریدؒ اپنے حجرے میں بار بار سجدہ کرتے تھے اور یہ مصرع پڑھتے تھے۔

از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

مگر دررِ نظامیہ میں ہے کہ آپ "برہنہ سر" تشریف رکھتے تھے اور یہ رباعی پڑھتے تھے

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم

مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

اس موقع پر حضرت محبوب الٰہیؒ حجرے میں تشریف لے گئے تو بابا صاحبؒ نے فرمایا: "مانگو کیا مانگتے ہو" حضرت نے فرمایا کہ میں نے "ایک دینی چیز" طلب کی۔ قاضی محی الدین کاشانی نے اس پر سوال کیا کہ حضور نے کیا طلب فرمایا تھا؟ تب محبوب الٰہی نے بتایا کہ اس وقت میں نے "استقامت" مانگی تھی۔[2] یہ تفصیل سیر الاولیاء میں ہے مگر فوائد الفواد

---

[1] فوائد الفواد : ۱۶۸

[2] فوائد الفواد : ۲۴۴

[3] دررِ نظامیہ، باب ۲۷، ص ۲۳۶ ۔ سیر الاولیاء : ۱۲۴

میں پہنچا ہے

(۲) دررنظامیہ سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایک سفر اجودھن کی تاریخ قطعیت سے معلوم ہو جاتی ہے آپ ۲۶ رمضان سنہ ۶۶۳ھ کو باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اسی سال آپ کو خلافت نامہ عطا ہوا تھا[1]

(۳) بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ باباصاحبؒ کے برادر خورد حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا انتقال باباصاحبؒ کے وصال سے "چند ماہ قبل" ہوا تھا۔ مگر دررنظامیہ سے حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے انتقال کی تاریخ معلوم ہو جاتی ہے کہ انھوں نے ۹ رمضان سنہ ۶۶۳ھ کو سفر آخرت اختیار کیا تھا۔ جب کہ باباصاحبؒ ۵ محرم سنہ ۶۶۴ھ کو محبوب حقیقی سے واصل ہوئے ہیں۔[2]

(۴) دررنظامیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باباصاحب نے اپنی حیات مبارک کے آخری ۲۷ سال اجودھن میں بسر کیے تھے۔ یہاں معلوم ہے کہ انھوں نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ اس طرح آپ کے پاک پٹن تشریف لانے کا زمانہ سنہ ۶۳۷ھ ہوتا ہے[3] اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے انتقال کے وقت (سنہ ۶۳۳ھ) آپ ہانسی میں تشریف فرما تھے اور قطب صاحبؒ کے انتقال سے پانچویں روز (۱۹ ربیع الاول) دہلی تشریف لائے تھے اور ایک ہفتہ یہاں قیام کرکے (۲۶ ربیع الاول ۶۳۳ھ) پھر ہانسی تشریف لے گئے تھے۔ اس طرح آپ نے ۶۳۳ھ سے ۶۳۷ھ تک کا زمانہ ہانسی ہی میں بسر کیا ہوگا۔

(۵) محمد بولاق مؤلف روضۂ اقطاب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی زندگی ہی میں (چند ماہ قبل) انتقال کیا تھا۔ لیکن مؤلف دررنظامیہ نے حضرت خواجہ معین الدینؒ کے آخری سفر دہلی کا حال لکھا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ

> "حضرت خواجہ معین الدینؒ ہنوز اجمیر نہ پہنچے تھے کہ دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے انتقال فرمایا۔"[4]

(۶) اجودھن سے واپسی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی اور شمس الدین دبیر وغیرہ تھے۔ اس سفر کا حال فوائدالفواد میں بھی ملتا ہے مگر مولانا جاندار نے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے[5]

---

۱ دررنظامیہ: ۱۲۶ - سیرالاولیاء میں بعض سنہ صریحاً غلط ہیں۔ ان پر تفصیل سے بحث علیحدہ مضمون میں کی گئی ہے اس موقع پر بھی سیرالاولیاء میں سنہ ۶۶۹ھ درج ہے حالانکہ ۶۶۴ھ میں باباصاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔

۲ دررنظامیہ: ۱۲۷
یہاں بھی سیرالاولیاء میں دیا ہوا سنہ غلط ہے۔

۳ دررنظامیہ (باب ۲۵) ص ۲۲۰

۴ دررنظامیہ (باب ۲۴) ص ۲۱۰

۵ دررنظامیہ (باب ۱۲) ص ۱۵۳ - فوائدالفواد: ۲۲۰

(۷) [illegible] کے ایک مرید اور خلیفہ خواجہ فخر الدین صفاہانی دہلی میں رہتے تھے ان کا تذکرہ فوائد الفواد میں نہیں ہے۔ درر نظامیہ میں ہے [1] اور یہی سیر الاولیاء میں بھی پایا جاتا ہے۔ [2]

(۸) سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی حضرت محبوب الٰہیؒ سے کد رکھتا تھا۔ یہ خود شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید تھا۔ مؤخر الذکر کا انتقال ہوا تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ مجلس سوم میں تشریف لے گئے تھے وہاں سلطان مبارک شاہ بھی موجود تھا۔ مشہور یہ ہے کہ اس نے آپ کے سلام کا جواب تک نہیں دیا [3] یہی خواجہ ضیاء الدین برنی نے بھی لکھا ہے۔ لیکن درر نظامیہ سے اس ملاقات کا کچھ تھوڑا سا حال معلوم ہوتا ہے

> "فرمایا کہ جس مجلس میں سلطان قطب الدین سے میری ملاقات ہوئی ہے میں نے اس کے آگے یہ حدیث پڑھی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما من صاحب یصحب صاحبہ ولو ساعۃً من لیل الا سألہ اللہ من صحبتہ هل اقام فیہا حق اللہ ام لا۔" یعنی جو شخص کسی کی صحبت میں ایک گھڑی بھی بیٹھے گا خدا اس سے پوچھے گا کہ اس صحبت میں خدا کا حق بھی ادا کیا یا نہیں۔" [4]

(۹) درر نظامیہ میں ملک نظام الدین کوتوال کا قصہ درج ہے جسے ہم نے آگے نمبر (۴۴) کے تحت نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ فوائد الفواد میں کچھ تغیر کے ساتھ درج ہوا ہے۔ اور دونوں روایتوں کو ایک ساتھ پڑھیں تو پوری صورت حال روشن ہوتی ہے۔

نظام الدین کوتوال جس کا اس روایت میں حوالہ ہے عہد بلبن کے امراء میں سے تھا اور معز الدین کیقباد کے آخری زمانے میں (۶۸۸ھ) زہر خورانی سے ہلاک ہوا تھا اس کا حال ضیاء الدین برنی کے ہاں تفصیل سے درج ہے۔

(۱۰) فوائد الفواد کی ۲۰ رشعبان ۷۱۵ھ کی محفل میں حضرت محبوب الٰہی نے تفصیل سے بتایا ہے کہ آپ نے کن حالات میں [illegible] کو اپنے مستقل قیام کے لیے انتخاب کیا۔ یہ سب تفصیل درر نظامیہ میں بھی ہے۔ فوائد الفواد میں یہ ہے۔

> "تا بزرگے کہ از استادِ من بود در شہر وفات کرد۔ من با دل خود راست کردم کہ فردا کہ از وفات او سوم خواہد بود من بزیارت او بروم۔" [5]

اور درر نظامیہ میں ایک [illegible] کا نام مولانا امین الدین محدث [6] درج ہوا ہے جو فوائد الفواد میں نہیں ہے

---

[1] درر نظامیہ : ۱۲۸ - سیر الاولیاء : ۳۴۵ - ۳۴۶
[2] سیر الاولیاء : ۳۴۶
[3] اخبار الاخیار : ۴۳ - روضۃ الاقطاب ۸۰
[4] درر نظامیہ : ۱۲۰
[5] فوائد الفواد : ۲۴۳
[6] درر نظامیہ : (باب ۲۱) صفحہ ۱۸۸

سیر العارفین میں جمالی دہلوی نے انھیں امین الدین تبریزی لکھا ہے۔

(۱۱) حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جس محفل سماع میں انتقال فرمایا ہے اس کا بیان فوائد الفواد میں ہے[۱] اور درر نظامیہ میں کئی جگہ ہے[۲] اور اس میں تاریخ انتقال واضح طور پر ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ درج ہے جو فوائد الفواد میں نہیں ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت بدر الدین غزنوی کو اور ایک بزرگ جن کا مزار قطب صاحب کے پائین مزار ہے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا جانشین بننے کی خواہش تھی[۳] درر نظامیہ میں دوسرا نام خواجہ شماجی (تماجی ؟) دیا ہوا ہے[۴] — یہ نام فوائد یا سیر الاولیاء میں نہیں ہے۔ مولف جواہر فریدی نے ان خواجہ احمد کو قطب صاحب کا فرزند لکھا ہے۔

(۱۳) حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی وفات کا واقعہ فوائد الفواد[۵] میں موجود ہے۔ یہی سیر الاولیاء، راحت القلوب اور دوسری کتابوں میں بھی آیا ہے۔ مگر درر نظامیہ میں اتنا اضافہ ہے کہ "اسی رات چھت سے نیچے گر کر انتقال فرمایا"[۶]

(۱۴) سیر الاولیاء[۷] وغیرہ میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے مرض وفات کا حال موجود ہے اور اس میں یہ ہے کہ اس زمانے میں آپ اکثر "می رویم ومی رویم" پڑھا کرتے تھے۔ علی بن محمود جاندار مولف درر نظامیہ بھی حضور کی وفات کے وقت موجود تھے اور انھوں نے صدقے میں ایک غلام بھی آزاد کیا تھا۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ حضور محبوب الٰہیؒ آخری ایام میں اکثر شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے[۸]

خیر بادا گفتم اے جاں گرچہ نیست جان خود را گفتن آساں خیرباد

اسی کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قصیدے کے اشعار ہیں اور ان کے مصنف حضرت شیخ سیف الدین باخرزی ہیں۔ شیخ سیف الدین باخرزی کے دیوان فارسی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں موجود ہے۔

(۱۵) فوائد الفواد[۹] میں ہے کہ قاضی منہاج سراج نے ایک وعظ میں کہا: متواتر حدیثیں صرف چھ ہیں۔ تین احادیث انھوں نے سنا دیں اور باقی تین کو کہا کہ اس وقت یاد نہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کیوں یاد نہیں تو میں کہوں گا کہ تم نے بھی یہ تین احادیث مجھ سے سنی ہیں ورنہ تم بھی ان سے بے خبر تھے مگر درر نظامیہ میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے جیسے حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہو کہ باقی تین احادیث وہ بھول گئے ہیں[۱۰]

قرض کی ممانعت

(۱) فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الحق والدین فرماتے تھے کہ جو اس درویش (یعنی بابا فرید)

---

[۱] فوائد الفواد : ۲۴۶ [۲] درر نظامیہ۔ صفحات ۲۳۹ - ۲۶۵ وغیرہ

[۳] فوائد الفواد : ۳۱۵

[۴] درر نظامیہ : ۱۲۴

[۵] فوائد الفواد : ۲۷۴

[۶] درر نظامیہ : (باب ۳۰) ۲۶۹ [۷] سیر الاولیاء : ۱۵۲

[۸] درر نظامیہ (باب ۳۰) ۲۶۷ [۹] فوائد الفواد : ۲۹۶ [۱۰] درر نظامیہ : ۳۰

کا مرید بیہودہ قرض نہ لیا کرے۔ اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد کیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ نعوذ باللہ من الکفر والدین۔ قیل انعدل بینھما۔ قال نعم۔ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کفر اور قرض سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ ان دونوں کو برابر سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں[1]

غیر خدا پر تکیہ (۲) ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین بیمار تھے۔ عصا ہاتھ میں لے کر چند قدم چلے پھر عصا کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ اور چہرۂ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھ کو عصا پر سہارا کرنے کے سبب عتاب ہوا کہ ہمارے سوائے غیر پر تکیہ کرتا ہے۔"[2]

حق دار کو اس کا حق دیا جائے فرمایا: جب میں نے شیخ فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہو کر نابت حاصل کی ہے تو کئی بار آپ نے فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور حق داروں کو ان کا حق پہنچانے میں بہت تاکید فرمائی۔ مجھ کو یاد آیا کہ ایک شخص کے بیس جیتل قرض مجھ کو دینے ہیں اور ایک شخص سے میں نے عاریۃً ایک کتاب لی تھی وہ میرے پاس سے گم ہو گئی ہے۔ اب جو میں دہلی پہنچوں گا تو ان دونوں کو راضی کروں گا۔[3]

خدا تجھے درد دے (۴) حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ ہر ایک کو بارہا فرماتے تھے کہ خدا تجھ کو درد دے وہ شخص حیران ہوتا تھا کہ یہ کیا دعا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ ہاں وہ یہ دعا تھی۔"[4]

اتیمر اور انیگر (۵) دہلی میں ایک ترک نے مسجد تیار کی اور اس کی امامت پر حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کو مقرر فرمایا اور ایک مکان بھی آپ کے واسطے تیار کیا۔ اور انھیں دنوں میں اس ترک نے ایک لاکھ جیتل خرچ کر کے اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔ شیخ نجیب الدین نے ایک روز بات چیت میں اس ترک سے فرمایا کہ کامل مومن وہ شخص ہے جس کے دل میں خدا کی محبت مال و اولاد کی محبت پر غالب ہو۔ تم اگر ایک لاکھ جیتل راہ خدا میں خرچ کرو جب اس مرتبہ پر پہنچو۔ ترک یہ بات حضرت سے سن کر سخت ناراض ہوا اور امامت و مکان آپ سے واپس لے لیا۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل جناب بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ عرض کیا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ خداوند تعالےٰ ارشاد کرتا ہے۔

ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا

اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہیے۔ اگر یہ جاتی رہی تو خداوند تعالےٰ اس سے بہتر بھیجے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند روز کے بعد ایک شخص ملک بزرگ انیگر نام یہاں پہنچا اور اس نے اس خاندان کی بہت خدمت کی

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱) ۲۵ - ۲۶

[2] درر نظامیہ (باب ۱) ۲۶ - ۲۷ - سیر الاولیا : ۸۱

[3] درر نظامیہ (باب ۲) ۵۸ - فوائد الفواد : ۲۲۹ - سیر الاولیاء : ۲۳۰ - ۲۳۱

[4] درر نظامیہ (باب ۲) ۶۵ - فوائد الفواد : ۲۲۷

اور ان کی خدمت گاری سے منسوب ہوا۔"[1]

نمازِ نفل کی جماعت (۶) فرمایا: نفل نماز بھی جماعت سے پڑھنی آئی ہے۔ مشائخ اور بزرگانِ پیشیں نے ادا کی ہے۔ ایک دفعہ شبِ برات آئی تو شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ اس رات میں جو نماز آئی ہے تم امامت کرکے پڑھاؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔[2]

زکوٰۃ کی قسمیں شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ روحہ ارشاد فرماتے تھے کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہے۔ زکوٰۃ شریعت۔ زکوٰۃ طریقت۔ زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہیں اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم خود رکھے باقی راہ خدا میں دے دے اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب دے دے کچھ نہ رکھے۔"[3]

شیخ کا افطار (۸) فرمایا: حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ اکثر شربت سے افطار فرمایا کرتے تھے آدھا یا دو تہائی پیالہ آپ کو دیا جاتا اور حاضرینِ مجلس کو بھی اسی قدر تقسیم کیا جاتا اور نماز سے پہلے دو روٹیاں بھی چپڑی ہوئی آتیں ان میں سے ایک روٹی کے ٹکڑے کرکے حاضرین کو تقسیم فرماتے اور ایک روٹی خود نوش فرماتے پھر مغرب کے بعد عشاء کی نماز تک یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ پھر کھانا حاضر کیا جاتا اس کو نوش فرماکر پھر دوسرے دن کے افطار تک کچھ نہ کھاتے۔

فرمایا: حضرت شیخ الاسلام کئی باتیں ایسی کرتے تھے جن میں نہیں کر سکتا ہوں۔ سحری کو آپ کچھ نوش نہ فرماتے پھر مغرب کے بعد سے عشاء کی نماز تک یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ پھر کھانا حاضر کیا جاتا اس کو نوش فرماکر پھر دوسرے دن کے افطار تک کچھ نہ کھاتے۔[4]

شہرت طلبی سے احتراز (۹) فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ میں نے اپنی تمام عمر میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی انار اللہ مرقدہ کے سامنے ایک جرأت کی جو یہ تھی کہ میں نے حضرت سے چلّہ کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: ضرورت نہیں ہے ان باتوں سے شہرت ہوتی ہے۔ ہمارے پیروں کا یہی طریقہ ہے یعنی چلّہ نہیں کرتے۔" میں نے عرض کیا کہ حضور میرے سرپر موجود ہیں یعنی میری شہرت نہ ہوگی نہ میری یہ نیت ہے۔ حضرت شیخ خاموش ہو رہے اور میں اس کے

---

[1] درر نظامیہ (باب ۶) ۶۹ - ۷۰ - فوائد الفواد : ۱۳۴ - سیر الاولیا : ۷۸
طبقات ناصری : ۲۳۶ میں ملک نصیرالدین ایتمر کا نام آیا ہے اس کا انتقال ۶۲۵ھ کے بعد ہوا ہے۔
[2] درر نظامیہ (باب ۸) ۸۳ - فوائد الفواد : ۱۵۰
[3] درر نظامیہ (باب ۹) ۹۲ - فوائد الفواد : ۱۷۸
[4] درر نظامیہ (باب ۱۰) ۹۸ - فوائد الفواد : ۸۶ - سیر الاولیاء : ۶۵

لیکن تمام عمر کھٹکتا رہا کہ ایسی بات کیوں منھ سے نکلی جو آپ کے منشاء کے خلاف تھی ...

سفر کا وظیفہ (۱۰) فرمایا اس سے پہلے جب میں دہلی سے اجودھن حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں جاتا یہ تین اسم پڑھتا تھا : یا حافظ یا ناصر یا معین۔ اور یہ دعا میں نے کسی سے نہیں سنی تھی خود ہی خداوند تعالیٰ سے طلب امداد و اعانت کے واسطے پڑھتا تھا۔ خیر ایک مدت کے بعد یہی اسماء ایک دوست نے مجھ کو لکھ کر دیئے یا حافظ یا ناصر یا معین بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ [1]

حفظ قرآن (۱۱) شیخ الاسلام حضرت فریدالدین مسعود فرماتے تھے کہ جس کو قرآن یاد کرنا ہو وہ پہلے سورۂ یوسف یاد کرے اس کی برکت سے خداوند تعالیٰ اس کو تمام قرآن شریف نصیب فرمائے گا۔" [2]

بغیر اسباب کے عیش (۱۲) فرمایا کہ ایک دفعہ خواب میں جناب شیخ الشیوخ العالم حضرت فریدالدین نے مجھ کو حکم فرمایا کہ ہر روز سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر پڑھ لیا کرو۔ جب میں بیدار ہوا تو اس کی مواظبت شروع کی اور دل میں خیال کیا کہ اس فرمان کے اندر ضرور کچھ حکمت ہے۔ چند روز کے بعد ایک کتاب میں دیکھا کہ جو شخص یہ دعا پڑھے بغیر اسباب کے خوش گذرانے۔ میں نے جان لیا کہ حضرت شیخ کا یہی مقصد تھا۔" [3]

مسبّعات عشر (۱۳) فرمایا : شیخ الاسلام شیخ فریدالدین کا ارشاد ہے کہ مسبّعات عشر کے بعد یہ دعا بھی پڑھے توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین۔ چھ بار۔ [4] بندہ سید قطب الدین حسین نے بیان کیا کہ میں نے بھی حضرت شیخ کی زبان سے اسی طرح سنا ہے کہ مسبّعات عشر کے بعد اللّٰھم اصدلی برحمتک یا نافع یا رافع چھ بار پڑھے۔

دولت وقت فرمایا : شیخ فریدالدین قدس اللہ روحہ نے فرمایا ہے کہ بدھ کے روز ظہر اور عصر کے درمیان وقت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اسی طرح سحری کا وقت غنیمت ہے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو فرمایا ہے۔ سوف استغفر لکم ربی یعنی عنقریب میں تمہارے واسطے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا تو یہاں بھی سحر کا وقت مراد ہے۔ اس وقت آپ نے کھڑے ہو کر دعا مانگی اور آپ کے فرزندوں نے آمین کہی تو خداوند

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱۰) ۹۹ — ۱۰۰ — فوائد الفواد : ۴۲ — ۴۳
[2] درر نظامیہ (باب ۱۱) ۱۰۱ — فوائد الفواد : ۳۲۸
[3] درر نظامیہ (باب ۱۲) ۱۰۳ — ۱۰۳ — فوائد الفواد : ۱۱۰
[4] درر نظامیہ (باب ۱۳) ۱۰۹ — فوائد الفواد : ۱۹۲
[5] درر نظامیہ (باب ۱۳) ۱۰۷ سیر الاولیاء : ۳۰۷

تدے نے رجوع بھیجی کہ میں نے تم کو بخش دیا اور سب کو بخش دیا" [1]

زندہ کی بیعت (۱۵) حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہ کے مزار شریف کے پاس جا کر حلق ہوئے۔ یہ خبر حضرت خواجہ فریدالدین کو پہنچی۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ قطب الدین میرے خواجہ اور مخدوم ہیں مگر وہ بیعت درست ہے جو زندہ کے ہاتھ پر ہو"۔ [2]

درخت سایہ دار فرمایا: میں اجودھن گیا اور حضرت شیخ الاسلام شیخ فریدالدین کی قدمبوسی بجا لا کر بیعت و حلق کے واسطے عرض کیا۔ حضرت شیخ نے اسی وقت مرید کیا اور فرمایا آج میں نے ایک درخت لگایا ہے جس کے سایے میں بہت سے بندگان خدا آرام کریں گے۔ بعد ازاں شام کے وقت فرمایا کہ اس متعلم غریب کے واسطے چارپائی بچھا دو۔ میں جماعت خانے میں گیا تو دیکھا کہ چارپائی بچھی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ ایسے بڑے بڑے بزرگان تو فرش خاک پر بیٹھے ہیں میں غریب چارپائی پر نہ سوؤں گا۔ یہ خبر مولانا بدرالدین صاحب اسحاق کو پہنچی انھوں نے کہلا بھیجا کہ اپنا کہا کرو گے یا اپنے شیخ کا؟ میں نے کہا کہ میں تو حضرت شیخ ہی کا فرمان بجا لاؤں گا۔ [3]

بیعت کا طریقہ فرمایا: حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین رح کی خدمت میں جو شخص مرید ہونے کو حاضر ہوتا تو آپ پہلے سورۂ فاتحہ اور اخلاص اور آمن الرسول اور شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو ..... تا ..... عنداللہ الاسلام پڑھواتے اور یہ کہلواتے کہ تو نے اس ضعیف اور اس کے خواجگان اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کی اور عہد کیا کہ ہاتھ پیر اور آنکھ کو محفوظ رکھے گا اور شریعت کا پابند رہے گا۔ اور جب خرقہ پہناتے یہ فرماتے ولباس التقوی ذلک خیر والعاقبۃ للمتقین۔ [3]

دونوں طرف سے نعمت (۱۸) فرمایا خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ قطب الدین اور خواجہ فریدالدین مسعود ایک حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس جوان کو مجاہدہ کراتے کراتے جلا دو گے اس کو کچھ بخشش کرو۔ پھر حضرت معین الدین کھڑے ہو گئے اور حضرت فریدالدین سے فرمایا کہ اٹھو کھڑے ہو۔ میں تم پر بخشش کرتا ہوں۔
چنانچہ خواجہ معین الدین دائیں طرف اور خواجہ قطب الدین بائیں طرف کھڑے ہوئے اور حضرت خواجہ

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱۲) ۱۱۷ — ۱۱۸

[2] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۱۹ - فوائد الفواد: ۱۳۲

[3] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۳۱

[4] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۱ - ۱۲۲

فریدالدینؒ پر ازحد بخشش و عنایت فرمائی اور خلیفہ کیا۔[1]

قطب صاحب کی جانشینی فرمایا: حضرت شیخ فریدالدین دو ہفتہ کے بعد حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور شیخ بدرالدین غزنوی و خواجہ تماجی (حضرت کے خادم) کو یہ تمنا تھی کہ حضرت کے بعد حضرت کی جگہ بیٹھیں مگر حضرت نے آخری وقت یہ وصیت فرمائی کہ جامہ اور عصا اور مصلیٰ اور نعلین چوبیں فریدالدین مسعود اجودھنی کو دے دینا۔ حضرت شیخ فریدالدین اس وقت ہانسی میں تھے اور اسی شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ آپ کو بلاتے ہیں چنانچہ آپ صبح ہی روانہ ہوئے اور چوتھے روز دہلی پہنچ گئے۔ قاضی حمیدالدین ناگوری نے وہ تمام تبرکات آپ کے حوالے کئے اور آپ نے شکریہ کا دوگانہ ادا کرکے وہ جامہ زیب تن فرمایا اور سات روز حضرت خواجہ کے مکان میں رہ کر پھر ہانسی چلے گئے اور ہانسی جانے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت خواجہ کے مکان میں ایک شخص انتظام طعام پر مقرر تھے۔ انھوں نے دروازے پر ایک شخص سرہنگ نامی کو دربان مقرر کیا تھا۔[2] ایک روز حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں ایک شخص ہانسی سے آیا اور دربان نے اس کو اندر جانے نہ دیا کئی بار ایسا ہوا۔ آخر ایک روز حضرت بابا صاحب باہر تشریف لے گئے تو یہ شخص آپ کے قدموں میں گر کر زار زار رونے لگا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے کئی بار خدمت میں حاضر ہونا چاہا مگر دربان نے جانے نہ دیا آپ نے دربان سے فرمایا کہ تجھ کو کس نے نصب کیا ہے دربان نے کہا کہ ان شخص نے جو کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا: پیران چشت کے مکان میں دربان کا کیا کام ہے؟ میں پھر ہانسی میں جاتا ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ نے تو آپ کے لئے یہی مقام فرمایا ہے۔ آپ دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا شیخ نے جو نعمت مجھ کو عنایت فرمائی ہے وہ جیسی کہ شہر میں ہے ویسی ہی جنگل میں ہے۔ بعد آپ ہانسی تشریف لے گئے۔"[3]

تعلیم دعا (۳۰) فرمایا: حضرت شیخ فریدالدین نے مجھ کو دعا تعلیم کی اور فرمایا کہ اس کو یاد کر لو تو پھر میں تم کو اپنا خلیفہ بناؤں گا:

> اللّٰھم یا دائم الفضل علی البریۃ ویا باسط الیدین بالعطیۃ ویا صاحب المواھب السنیۃ ویا دافع البلاء والبلیۃ صلّ علی محمد خیر الوریٰ السجیۃ وعلیٰ آلہ البررۃ النقیۃ واغفرلنا ولوالدین ولجمیع المومنین والمومنات

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۳ - ۱۲۴ - سیر الاولیاء : ۳۶
[2] یہاں مولف درر نظامیہ سے غلطی ہوئی ہے یا مترجم کا سہو ہے۔ سرہنگ نامی شخص کو حضرت بابا صاحبؒ اپنے ساتھ ہانسی سے لائے تھے۔ وہی تین دن تک بابا صاحب سے ملنے کی کوشش کرتا رہا مگر دربان نے باریاب نہ ہونے دیا اور اسی کی شکایت پر آپ نے ہانسی تشریف لے جانے کا فیصلہ کیا۔
[3] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۵ - ۱۲۶ - فوائد الفواد : ۲۱۵ - ۲۱۶ - سیر الاولیاء : ۷۲-۷۳ روضۃ الاقطاب : ۶۹

ربنا توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین بفضلک ورحمتک یا
ارحم الراحمین۔"

میں نے یہ دعا یاد کرلی اور شہر میں روز پڑھتا رہا پھر جب میں ماہ رمضان سنہ ۶۶۹ھ میں جو حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ تم کو یاد ہے میں نے وعدہ کیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ خداوند کریم تم کو نیک بخت کرے اور اپنی مرضی کے عمل نصیب فرمائے۔ اسعدک اللہ فی الدارین ورزقک علماً نافعاً وعملاً مقبولاً اور فرمایا کہ تم ایسے درخت ہوگے کہ تمہارے سائے میں خلق خدا آرام کرے گی۔ اور فرمایا کہ مجاہدہ کرنا چاہیئے تاکہ استعداد حاصل ہو۔ بعد ازاں مولانا بدرالدین اسحٰق سے ارشاد کیا کہ کاغذ لاکر اجازت نامہ لکھ دو۔ انھوں نے اجازت نامہ تیار کیا۔ حضور نے اپنے دست خاص سے اجازت نامہ اور خلعت مجھ کو عنایت فرما کر ارشاد کیا کہ ہانسی میں مولانا جمال الدین کو اور دہلی میں قاضی منتجب الدین کو دکھا دینا۔ شیخ نجیب الدین متوکل کا نام نہیں لیا۔ جس کے سبب سے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید حضرت ان سے ناخوش ہیں۔ پھر جب میں دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ نویں ماہ رمضان شریف کو شیخ نجیب الدین متوکل نے انتقال فرمایا۔[1]

حضرت کے فرمان کے مطابق جب میں ہانسی پہنچا اور شیخ جمال الدین ہانسوی کو اجازت نامہ دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ بیت پڑھی۔

خدائے جہاں را فراواں سپاس ــــ کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

اور چند روز میری مہمانی اور ضیافت کرکے رخصت کیا۔[2]

بے طلب خلافت } فرمایا کہ جس روز حضرت خواجہ فریدالدینؒ نے مجھ کو خلیفہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ میں ایک متعلم شخص ہوں یہ کام مجھ سے کیونکر ہوگا؟ فرمایا تم سے خوب ہوگا اور جو شخص خود خلافت طلب کرکے لیتا ہے اس سے واقعی یہ کام درست نہیں ہوتا۔[3]

ظہیرالدین سقا } (۲۲) شیخ ظہیرالدین سقا میرے پاس آئے اور کہا میں بھی مرید کرتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کو شیخ بہاءالدین زکریا نے اجازت دیدی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں خاموش ہو رہا۔ بعد ازاں فرمایا: اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شیخ الاسلام نے ان کو اجازت دی تھی۔[4]

---

[1] سیرالاولیاء: ۱۱۶، میں خلافت ملنے کی تاریخ ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ ملتی ہے لیکن یہ غلط ہے اور درر نظامیہ کی روایت یعنی ۶۶۶ھ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل بحث دوسرے موقع پر ہوگی۔

[2] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۶ – ۱۲۷ [3] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۷ – ۱۲۸

[4] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۸۔ سیرالاولیاء: ۳۴۵۔ (یہاں یا تو درر نظامیہ کے مترجم نے غلطی کی ہے یا کوئی تحریف ہوئی ہے سیرالاولیاء میں ہے کہ ظہیرالدین سقا نے شکایت کی کہ جو میرا مرید ہوتا ہے وہی بعد کو میرے سامنے شیخی بگھارنے لگتا ہے حضرت محبوب الٰہی نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت بہاءالدین زکریا سے باقاعدہ اجازت رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں اس پر حضرت محبوب الٰہیؒ*

---

*نے دل میں سوچا کہ جسے شیخ کی طرف سے اجازت نہ ہو اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔)

فخرالدین صفاہانی (۴۳) فرمایا کہ خواجہ فخرالدین صفاہانی شیخ الاسلام شیخ فریدالدین کے مرید اور خلیفہ تھے انھوں نے ایک شخص داؤد نام کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ مجھ سے بہت لوگ مرید ہونا چاہتے ہیں خلافت عطا فرمائی جائے۔ میں اس وقت خدمت شریف میں حاضر تھا۔ فرمایا کہ یہ کام حق کا ہے آرزو کا نہیں ہے۔ جو اس کے قابل ہوتا ہے اس کو بغیر مانگے مل جاتی ہے۔ الغرض تیسری بار انھوں نے پھر عرض کرایا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مخدوم حاکم ہیں یہ شخص بظاہر درویش معلوم ہوتے ہیں تب حضور نے ان کو خلافت عنایت کی مولانا بدرالدین اسحٰق سے اجازت نامہ لکھوا کر بھجوا دیا۔ پھر دہلی میں جوان فخرالدین سے میری ملاقات ہوئی میں نے اس مجلس کی تکلیف بیان کرنی شروع کی جس میں حضرت شیخ سے ان کی خلافت کے واسطے التماس کیا تھا۔ ان کو سخت دشوار معلوم ہوا۔ میں نے دل میں کہا کہ ان کی نسبت شیخ نے جو کچھ فرمایا وہی حق تھا اور میں غلطی پر تھا۔" [۱]

قسمت کا حصہ (۴۴) فرمایا: حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین کے ایک مرید یوسف نام تھے۔ ایک دفعہ نہایت افسوس کے ساتھ حضرت کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ میں برسوں سے یہاں پڑا ہوا ہوں حضرت میرے اوپر کچھ کرم نہیں فرماتے اور لوگ چند ہی روز میں بہت سی نعمتیں لے کر چلے جاتے ہیں۔ غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی باتیں کیں حضرت نے ان کے جواب میں ارشاد کیا کہ اس میں میری تقصیر نہیں ہے تمھاری استعداد و قابلیت بھی ہونی ضروری ہے اور نیز جب خدا ہی نہ دے تو میں کیا کروں؟ یوسف اسی طرح شکایت کرتے رہے کہ اتنے میں ایک چھوٹا سا لڑکا سامنے آیا اور وہیں اینٹوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا حضرت نے اس بچے سے کہا کہ میرے واسطے ایک اینٹ اٹھا لا۔ لڑکا ایک اینٹ بہت عمدہ اٹھا لایا پھر آپ نے فرمایا کہ ایک اور اینٹ ان یار کے واسطے اٹھا لا۔ لڑکا ایک عمدہ اینٹ ان کے واسطے بھی لے آیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک اینٹ ان کے واسطے بھی لاؤ۔ لڑکے نے آدھی اینٹ لاکر شیخ یوسف کے آگے رکھ دی۔ حضرت نے فرمایا: لو اب اس بات کو میں کیا کروں تمھارے نصیب ہی میں اسی قدر ہے تو پھر مجھ پر کیا الزام ہے۔" [۲]

خواجہ عبدالرحمٰن (۴۵) حضرت شیخ فریدالدین یہی فوائد بیان فرمارہے تھے کہ ایک درویش گیلان کی طرف سے حاضر خدمت ہوا حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم بغداد میں خواجہ عبدالرحمٰن سے بھی ملے؟ اس نے عرض کہ جی ہاں بڑے بزرگ تھے ایک سال ہوا کہ انتقال فرمایا ہے۔ . [۳]

صحرا میں عبادت (۴۶) فرمایا کہ حضرت شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ کبھی ڈودے میں سوار ہو کر صحرا میں

---

[۱] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۲۸ - ۱۲۹ [۲] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۲۹ - ۱۳۰ - فوائد الفواد: ۵۲

[۳] درر نظامیہ (باب ۱۴) ۱۳۰۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہاں طباعت کی غلطی یا مترجم کا سہو ہے۔ یہ ملفوظ حضرت نظام الدین اولیاء کا ہے اور شروع میں آپ ہی کا نام ہونا چاہئے۔

تشریف لے جاتے اور درخت کے سائے میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوتے۔ حقہ اور نعلین چوبیں مجھ کو مرحمت فرمایا کرتے تھے میں ڈولے کے سامنے سے الٹے پیروں واپس ہوتا اور گر پڑتا۔ حضرت فرماتے کہ بدرالدین جاؤ سیدھے چلو۔[۱]

عصائے پیر

(۲۷) فرمایا: حضرت شیخ فریدالدین جب زیادہ بیمار ہو گئے اور ماہِ رمضان آیا تو آپ افطار فرماتے تھے (یعنی روزہ قضا کرتے تھے)۔ ایک روز بیماری میں آپ کو خربوزے کی پھانکیں کر کے کھلا رہے تھے کہ ایک قاش آپ نے مجھ کو عنایت کی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت کی عنایت کی ہوئی نعمت مجھ کو کہاں نصیب ہے اور اس کو کھالوں۔ قریب تھا کہ اس کو کھا جاؤں کہ حضرت نے فرمایا کہ تم نہ کھاؤ تم کو شرعی رخصت نہیں ہے۔"[۲]

متابعت کاملہ

(۲۸) فرمایا ایک دفعہ حضرت شیخ فریدالدین کے ہاتھ میں ایک دعا تھی۔ فرمایا: اس دعا کو کون یاد کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: حکم ہو تو میں یاد کر لوں۔ حضرت نے وہ دعا مجھ کو دے دی۔ میں نے عرض کیا ایک بار حضور کے سامنے پڑھ بھی لوں۔ فرمایا: بہتر ہے۔ میں نے پڑھی تو ایک جگہ آپ نے اعراب میں اصلاح فرمائی حالانکہ جس طرح میں نے پڑھا تھا اس کے بھی معنی تھے پھر میں نے وہ حضرت کو سنائی اور اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے بتائی تھی۔ پھر جب میں خدمت شریف سے باہر آیا تو مولانا بدرالدین اسحٰق نے کہا کہ تم نے خوب کیا جو اعراب حضرت کے فرمان کے مطابق پڑھی۔ میں نے کہا اگر سیبویہ جو اس علم کا بانی ہے اور دیگر علماء جنھوں نے یہ قواعد بنائے ہیں مجھ سے کہیں کہ خلاف فرمودہ شیخ پڑھو تو میں ہرگز نہ پڑھوں۔ مولانا نے کہا: جیسا کہ تم حضرت شیخ کا ادب ملحوظ رکھتے ہو ہم میں سے کسی کو میسر نہیں ہے۔"[۳]

شیخ کی رنجش کا قصہ[۴]

(۲۹) فرمایا: ایک دفعہ بلا قصد مجھ سے حضرت شیخ کی خدمت میں جرأت ہو گئی تھی اور وہ یوں ہوا تھا کہ ایک روز کتاب عوارف المعارف آپ کے آگے رکھی تھی اور آپ اس کے فوائد بیان فرما رہے تھے۔ مگر چونکہ اس نسخہ کا خط باریک اور کچھ سقیم بھی تھا اس کے پڑھنے میں قدرے توقف واقع ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس میں نے صحیح نسخہ دیکھا ہے۔ میری یہ بات خاطر مبارک میں گراں گذری اور دو تین بار فرمایا کہ اس درویش میں سقیم نسخہ کو صحیح کرنے کی قوت نہیں ہے؟ میں نہ سمجھا کہ میری نسبت یہ ارشاد ہے۔ مولانا بدرالدین نے فرمایا کہ تمہاری نسبت فرما رہے ہیں۔ میں یہ سنتے ہی کھڑا ہوا اور سر برہنہ کر کے قدموں میں رکھ دیا اور عرض کیا نعوذ باللہ منہا میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ مخدوم کی کتاب سقیم ہے۔ غرضکہ ہر چند میں نے معذرت کی مگر اثر بے رضائی اسی طرح قائم رہا۔ تب وہاں سے اٹھ کر کنوئیں پر پہنچا اور قصد کیا کہ اس کے اندر گر پڑوں۔ پھر سوچا کہ یہ بدنامی مرنے سے نہ جائے گی حضرت شیخ کی خدمت ہی میں واپس چلا۔ حضرت شیخ کے ایک فرزند شہاب الدین نام میرے بڑے دوست تھے انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ میری سفارش کی۔ تب حضرت نے خواجہ محمد کو میری خبر کے واسطے بھیجا۔ میں بے حاضر

---

۱ دررِ نظامیہ (باب ۱۵) ۱۳۷ ۲ دررِ نظامیہ (باب ۱۵) ۱۳۹ - ۱۴۰ - سیرالاولیا: ۳۳۷

۳ دررِ نظامیہ (باب ۱۵) ۱۳۹ - ۱۴۰ - سیرالاولیا: ۳۳۷

۴ دررِ نظامیہ (باب ۱۵) ۱۴۰ - فوائد الفواد: ۴۱ - ۴۲ - سیرالاولیا: ۳۴۶

ہو کر قدم بوسی کی۔ حضرت خوش ہوئے اور بہت مرحمت فرمائی اور فرمایا میں یہ سب باتیں تمہاری تکمیل کے واسطے کرتا ہوں۔ پھر خلعت خاص سے مشرف فرمایا۔"

امانت سے احتراز (۳۰) فرمایا: مرید کو چاہئے کہ کسی کی امانت قبول نہ کرے اور مجھ کو چونکہ حضرت شیخ کی اجازت نہیں ہے اس سبب سے میں کسی کی امانت نہیں رکھتا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ میں ایک امانت اپنے ساتھ لایا ہوں اور ارادہ ہے کہ آپ کی دہلیز خانے میں بیٹھنا چاہتا ہوں میں نے اس کو اجازت نہ دی فرمایا: شیخ الاسلام حضرت شیخ فریدالدین قدس اللہ روحہ فرماتے تھے جو امانت رکھے گا وہ میرا مرید نہیں ہے۔ [۱]

مراقبہ کی نشست (۳۱) فرمایا کہ مراقبہ کے واسطے درویش قبلہ رو زانو سے حرمت کے ساتھ بیٹھے۔ بندہ (علی بن محمود جاندار) نے عرض کیا کہ مرصاد العباد میں لکھا ہے کہ مراقبہ میں مشغول ہونے کے واسطے چار زانو بیٹھے۔ حضرت نے فرمایا میں اس طرح بھی بیٹھتا ہوں مگر جو ذوق اس طرح حاصل ہوتا ہے اس طرح نہیں ہوتا اور زانو کھڑا کرکے اس پر سر رکھ کر بھی مراقبہ کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام فریدالدین اور مولانا بدرالدین اسحٰق اسی طرح بیٹھتے تھے۔ [۲]

مولوی صاحب کا طعنہ (۳۲) فرمایا: اجودھن میں ایک طالب علم نے مجھ کو طعنہ دیا کہ تم طالب علموں سے نکل کر ایسے بدحال ہو گئے اور مشائخ کی نسبت بھی کچھ کہا۔ میں نے تحمل کیا۔ پھر میں حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مکاشفہ سے تمام حال معلوم کرکے فرمایا کہ اگر کوئی طالب علم کسی طالب علم کو طعنہ دے تو اس کے جواب میں عین القضاۃ کی یہ بیت پڑھ دے۔

نہ ہمرہی تو مرا، راہ خویش گیر برو ترا سعادتِ بادا مرا نگوں ساری [۳]

اجودھن سے واپسی کا سفر (۳۳) فرمایا کہ ایک دفعہ مجھ کو اور شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ شمس الدین دبیر اور دیگر عزیزان کو ایک ساتھ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین کی خدمت سے رخصت ہونے کا اتفاق ہوا تو شیخ جمال الدین نے وصیت کی درخواست کی۔ کیونکہ یہ تو عادہ ہے کہ جب مرید کو شیخ رخصت کرتے ہیں تو خود وصیت فرماتے ہیں ورنہ مرید شیخ سے وصیت کی درخواست کرتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا اس کو خوش رکھنا۔ چنانچہ شیخ جمال الدین اس وصیت کے سبب سے مجھ پر بڑی مہربانی فرماتے اور ہم ایک دوسرے کی ہمراہی سے بہت خوش تھے اور خواجہ شمس الدین معدن لطافت و کان ظرافت ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ ہم موضع اگروہہ کے قریب پہنچے۔ یہاں کا حاکم شیخ جمال الدین کے یاران

---

[۱] درر نظامیہ (باب ۱۵) ۱۴۰ - ۱۴۱ - سیر الاولیا : ۱۸۶ - ۱۸۷ - فوائد الفواد : ۴۳
[۲] درر نظامیہ (باب ۱۵) ۱۴۳
[۳] درر نظامیہ (باب ۱۶) ۱۴۶
[۴] درر نظامیہ (باب ۱۶) ۱۵۲

(مریدوں) سے تھا۔ ہمارے استقبال کو آیا اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ اپنے مکان پر لے گیا۔ تکلف سے مہمانی کی۔ بعد ازاں شیخ جمال الدین نے فرمایا کہ اب ہم کو اجازت دو۔ اس نے عرض کیا کہ اجازت جب ہوگی جب مینھ برسے گا۔ کیونکہ ان دنوں بارش نہ ہونے سے قحط کا اندیشہ ہے۔ شیخ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا مگر دل میں توجہ کی چنانچہ رات ہی کو اس قدر مینھ برسا کہ تمام ملک سیراب ہوگیا۔

صبح کو سب یاراں کی سواری کے واسطے گھوڑے حاضر کیے گئے میرا گھوڑا نہایت سرکش و بدلگام تھا تمام یاراں تو آگے چلے گئے اور میں اکیلا جنگل میں رہ گیا۔ گھوڑے نے مجھ کو تکلیف پہنچائی میں اس پر سے گر کر بے ہوش ہوگیا مگر اس بے ہوشی میں بھی شیخ کی یاد میرے دل میں تھی اور جب میں ہوش میں آیا تو میری زبان پہ حضرت کا نام جاری تھا۔ میں نے خدا کا شکر کیا اور قوی امید ہوئی کہ آخری وقت بھی حضور کا نام میری زبان پر ہوگا اور یہ تمام ثمرہ مراقبہ شیخ کا ہے۔ الحمد للہ علی نعمۃ یہ۔

اس سفر میں جب ہم دوراہے پر پہنچ کر خواجہ شیخ جمال الدین سے جدا ہوئے کیونکہ یہاں سے ایک راستہ سامانہ کو جاتا تھا شیخ جمال الدین نے یہ بیت پڑھی:

یار قدیم را ستی می بردی (؟) داو تو مقیم راستی بردی (؟)

سبحان اللہ اس وقت کا میں کیا بیان کروں کہ کیا تھا۔" [1]

شیخ سے پہلا تعارف (۲۴۳) فرمایا: میں بارہ سال کی عمر میں علم لغت پڑھتا تھا ایک شخص ابوبکر قوال میرے استاد کے پاس ملتان کی طرف سے آیا اور بیان کرنے لگا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا کو سماع سنایا اور یہ قول پڑھا:

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی فلا طبیب لہا ولا راق
الا الحبیب الذی شغفت بہ عندہ رقیتی و تریاقی

بعد ازاں شیخ بہاء الدین زکریا کے مناقب بیان کرنا شروع کیے کہ اس قدر عبادت کرتے اور اوراد پڑھتے ہیں۔ مگر ان باتوں نے میرے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ قوال کہنے لگا کہ پھر میں اجودھن گیا وہاں ایک ایسے بادشاہ دیکھے کہ جن کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ الغرض جب میں نے حضرت شیخ شیوخ العالم کا نام نامی سنا تو خود بخود ایک محبت دل میں پیدا ہوئی اور ایسی بڑھی کہ ہر فرض کے بعد دس بار شیخ فریدالدین اور دس بار مولانا فریدالدین صاحب پڑھتا تھا اور پھر میرے یاروں کو بھی اس محبت کی خبر ہوئی تو جب وہ مجھ سے کوئی بات دریافت کرتے یا مجھ کو قسم دیتے تو مجھ سے کہتے کہ شیخ فریدالدین کی محبت کی قسم کھاؤ۔

القصہ جب میں بدایوں سے دہلی کو روانہ ہوا تو ایک بڑھا عزیز، عوض نام میرے ساتھ ہولیا۔ جہاں کہیں خوف و خطر کا موقع ہوتا وہ کہتا کہ "اے پیر حاضر باش ما در پناہ تو می رویم۔" میں نے پوچھا کہ تمہارے پیر کون ہیں؟ کہا کہ شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس سرہ۔ فرمایا اس وقت میرا ذوق و شوق اک گونہ موکد ہوگیا۔" [2]

---

[1] دررنظامیہ (باب ۱۶) ۱۵۳ — ۱۵۴ — فوائد الفواد: ۲۲۰ — سیر الاولیا: ۱۸۰

[2] دررنظامیہ (باب ۱۶) ۱۵۴ — ۱۵۵ فوائد الفواد: ۲۵۲ — ۲۵۳

یا شیخ فرید الدین } فرمایا: ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک زنگی سیاہ مہیب صورت میرے پیچھے دوڑا اور میری ہلاکت کا قصد کیا۔ میں بھاگا یہاں تک کہ بھاگتے بھاگتے تھک گئے عاجز ہوا اور زنگی پیچھے ہے تب مجھ کو حضرت شیخ یاد آئے اور میں نے فریاد کی کہ "یا شیخ فرید الدین۔" زنگی کھڑا ہو گیا اور "قدس اللہ سرہ" کہا پھر لوٹا چلا گیا الحمد للہ کہ میں نے اس کے شر سے خلاصی پائی۔" [1]

حاضر باش! } فرمایا ایک شخص محمد نیشاپوری شیخ الاسلام حضرت شیخ فرید الدین کے مرید تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہندوؤں کے ملک میں رہتا تھا ایک دفعہ راستے میں جا رہا تھا اور کوئی ہتھیار نہ میرے پاس نہ تھا کہ ایک ہندو [2] تلوار کھینچ کر میرے آگے آیا۔ میں دوڑا اور میں نے کہا "یا شیخ حاضر باش"۔ کہ فوراً ہندو کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور تھر تھر کانپنے لگا کہ مجھ کو امان دو۔ میں نے کہا: تجھ کو امان دی اور اس کی تلوار بھی اٹھا کر اس کے حوالے کی وہ اپنے رستے چلا گیا اور میں اپنی راہ چلا آیا۔" [3]

شیخ کی صحبت } (۳۷) فرمایا: شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ کسی کو چلہ نشینی کا حکم نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ اگر تم اس درویش کی صحبت کو چلہ نشینی سے کم سمجھتے ہو تو چلہ میں بیٹھو۔" [4]

قرض کی ممانعت } (۳۸) فرمایا: شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ کبھی قرض نہ کرتے جو کچھ آتا فوراً خرچ فرماتے ورنہ صبر کرتے آخر کچھ نہ کچھ غیب سے موجود ہوتا۔ اور فرماتے جو شخص اس فقیر کا مرید ہو اس کو قرض نہ لینا چاہئے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میں کاتب ہوں وقت بے وقت کاغذ و سیاہی کی ضرورت پڑ جاتی ہے فرمایا کہ تمہارے واسطے تین درہم لینے کی اجازت ہے۔" [5]

قطب صاحب کا حال } (۳۹) کسی نے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ سے دریافت کیا کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ کے پاس بہت زیادہ روپیہ تو نہ تھا؟ فرمایا: نہیں حضرت نہایت تجرید کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ایک بقال آپ کے ہمسایہ میں رہتا تھا جب ضرورت ہوتی تو قرض لے لیتے اور بقال سے فرما دیا تھا کہ جب تمہارے تین سو درہم ہو جائیں تو پھر قرض نہ دینا اور جب آپ کی خدمت میں فتوح آتی قرض

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱۶) ۱۵۵ - ۱۵۶

[2] ہندو، فارسی میں ڈاکو اور لٹیرے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ ہندو بمعنی باشندہ ہند سے کچھ علاقہ نہیں یہاں مترجم نے سمجھنے میں غلطی کی ہے ترجمہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ "میں ڈاکوؤں کے علاقے میں رہتا تھا۔"

[3] درر نظامیہ (باب ۱۶) ۱۵۶ - فوائد الفواد: ۱۲۹

[4] درر نظامیہ (باب ۱۲) ۱۶۱

[5] درر نظامیہ (باب ۱۸) ۱۶۴

ادا کر دیتے۔ آخر آپ نے قرض لینا بھی چھوڑ دیا۔ ایک کاک آپ کے مصلے کے نیچے سے برآمد ہوتا اور سب گھر کے لوگ اس کو ہی نوش کرتے بقال یہ سمجھا کہ حضرت مجھ سے ناخوش ہیں جو قرض منگوانا چھوڑ دیا آخر اس نے اپنی بیوی کو حضرت کے گھر میں بھیجا اور حضرت کی اہل خانہ نے کاک کا واقعہ اس کے سامنے بیان فرمایا۔ دوسرے روز کاک پیدا نہ ہوا۔ حضور نے اہل خانہ سے فرمایا کہ تم نے کسی سے ذکر کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ بقال کی بیوی آئی تھی۔ میں نے اس کے آگے ذکر کر دیا...." [1]

باباصاحبؒ کا بستر

(۴۰) فرمایا: ایک استراحت کے وقت جو میں شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جس کمبل پر آپ دن کو تشریف رکھتے تھے وہی پلنگ پر بچھا ہے اور وہ پیروں تک نہیں پہنچتا وہاں چادر رکھی ہے کہ اگر چادر کو اوڑھیں تو وہ جگہ بغیر بستر کے رہ جائے اور حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کا عصا سرہانے رکھ لیتے اور جب اٹھتے تو ہاتھ سے اس پر سہارا لیتے اور اس کو بوسہ دیتے۔ آخر وقت بھی ان کے ہاں از حد عسرت تھی۔ یہاں تک کہ ماہ رمضان میں بھی جو کھانا حاضرین کے واسطے آتا وہ ان کو کافی نہ ہوتا۔ میں نے ایک شب بھی سیر ہو کر نہ کھایا۔ اس کے علاوہ اور جو مجاہدے حضور نے کیے ہیں کس کی طاقت ہے کہ ان کو ذکر سکے۔" [2]

درویش کی معاش

(۴۱) فرمایا جو درویش طاعت و عبادت میں مصروف ہے بیت المال میں اس کا کچھ حق نہیں ہے۔ جو درویش کہ تعلیم و تعلم یا درس و تدریس کا سلسلہ نہیں رکھتے جس میں مسلمانوں کا نفع ہے ان کو بیت المال سے کیا تعلق؟ درویشوں کی روٹی زنبیل گردانی سے ہوتی رہا ہے۔

بغداد میں اب تک درویشوں کی زنبیل پھرتی ہے اور اجودھن میں حضرت شیخ فریدالدینؒ کی زنبیل پھرتی تھی۔ [3]

چاقو کا تحفہ

فرمایا ایک شخص حضرت شیخ الاسلام شیخ فریدالدین کی خدمت میں چھری لایا۔ آپ نے وہ اس کو واپس کر دی اور فرمایا یہ قطع کرنے کا آلہ ہے اس کو میرے پاس نہ لاؤ۔ میرے پاس سوئی لاؤ کہ ملانے کا آلہ ہے۔" [4]

ضمیر غائب میں

(۴۲) شیخ الاسلام حضرت فریدالدینؒ اپنا حال اس طرح بیان فرماتے تھے کہ "ایک درویش

---

[1] درر نظامیہ (باب ۱۸) ۱۶۴ - ۱۶۵ - سیر الاولیاء: ۴۸ - ۴۹

[2] درر نظامیہ (باب ۱۸) ۱۶۷ - فوائد الفواد: ۸۷ - سیر الاولیاء: ۶۵ - ۶۶

[3] درر نظامیہ (باب ۱۹) ۱۷۳

[4] درر نظامیہ (باب ۱۹) ۱۷۳ - فوائد الفواد - ۳۸۴

کا یہ حال تھا "اور اس نے یہ کیا۔" میں سمجھ گیا تھا، جان لیتا تھا کہ حضرت اپنا حال بیان فرما رہے ہیں۔[1]

دنیا قدموں میں (۴۴) فرمایا: شیخ فریدالدینؒ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا کو ترک کرتا ہے خداوند تعالےٰ دنیا اور دنیا داروں کو اس کے پیروں میں لا ڈالتا ہے۔ فرمایا: کبھی کبھی نظام الدین کوتوال اپنے ملازم کے ہاتھ میرے پاس کچھ بھیجا کرتے تھے۔ جس کے سبب سے میرے یاروں کی زحمت رفع ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جو تنگی واقع ہوئی تو مجھ کو ان کا خیال آیا اسی وقت میں نے توبہ کی کہ اب ان کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کا ہدیہ جو آیا تو میں نے واپس کر دیا۔ انھوں نے میرے قدموں میں گر کر اصرار و الحاح شروع کیا اور وہ روپے بھی میرے قدموں میں پڑے تھے۔ مجھ کو اسی وقت حضرت شیخ کا بھی فرمان یاد آیا کہ جو دنیا کو ترک کرتا ہے خداوند تعالےٰ دنیا اور دنیا داروں کو اس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے۔"[2]

دونوں جہان ہیچ (۴۵) فرمایا: ابتدائے حال ہی میں مجھ کو کسی چیز کے جمع کرنے کا خیال نہ تھا اور پھر میرا پیوند بھی ایسی جگہ ہوا کہ جن کی نظر میں دونوں جہان کچھ چیز نہ تھے۔"[3]

ایک جوگی سے مکالمہ (۴۶) : میں اجودھن شریف میں تھا کہ ایک جوگی حاضر ہوا۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے ہاں اصل کار کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: ہمارے ہاں آدمی کے دو عالم رکھے گئے ہیں، ایک عالم علوی جو سر سے ناف تک ہے۔ دوسرا عالم سفلی جو ناف سے لے کر پاؤں تک ہے۔ عالم علوی میں صدق و صف اور اخلاق حسنہ ہیں اور عالم سفلی میں پاکی اور پارسائی ہے۔ فرمایا: حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو جوگی کی یہ بات بہت پسند آئی۔"[4]

باباصاحب کا تحمل (۴۷) فرمایا: شیخ فریدالدینؒ کا ایسا تحمل تھا جس کا بیان ممکن نہیں ہے۔ فرمایا: ایک دفعہ پانچ درویش حضرت شیخ فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پانچوں نہایت غضب ناک اور سخت کلام تھے حضرت کے آگے سے اٹھ کر کہنے لگے کہ ہم نے اس قدر سفر کیا مگر کوئی درویش نہ ملا۔ حضرت نے فرمایا: بیٹھو میں تمھیں درویش دکھاتا ہوں۔" انہوں نے جلدی کی۔ حضرت نے فرمایا: اگر جاتے ہو تو جنگل کے راستے سے نہ جانا انھوں نے حضرت کے فرمان پر کچھ التفات نہ کیا تب حضرت نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا تاکہ دیکھے وہ کدھر جاتے ہیں۔ آدمی نے آکر عرض کیا کہ وہ بیابان کی طرف گئے ہیں۔ حضرت یہ سنتے ہی بہت روئے۔ پھر اس کے بعد خبر آئی کہ ان میں سے چار آدمی تو لو سے ہلاک ہوئے اور پانچویں نے ایک کنوئیں پر پہنچ کر اس قدر پانی پیا کہ وہ بھی ہلاک ہو گیا۔[5]

---

[1] درر نظامیہ (باب ۲۰) ۱۷۶ - فوائد الفواد: ۱۴۰ - سیر الاولیا: ۳۳۶

[2] درر نظامیہ (باب ۲۰) ۱۷۷ - ۱۷۸ - فوائد الفواد - ۲۱۵

[3] درر نظامیہ (باب ۲۰) ۱۸۱ - فوائد الفواد: ۸۳

[4] درر نظامیہ (باب ۲۲) ۱۸۹ - ۱۹۰ فوائد الفواد: ۱۴۴

[5] درر نظامیہ (باب ۲۳) ۱۹۷ - ۱۹۸ - فوائد الفواد: ۳۳۶ - سیر الاولیا: ۸۶

درویشوں کا جھگڑا (۴۸) فرمایا: میں شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ چند نوجوان جو خواجگانِ چشت ہی سے بیعت رکھتے تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے آپس میں کچھ جھگڑا ہے۔ حضرت اپنے مریدوں میں سے کسی کو حکم دیں جو ہمارا جھگڑا سن لیں حضرت نے مجھ کو اور مولانا بدرالدین اسحٰق کو حکم دیا کہ تم سنو۔ ہم ان کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ انھوں نے آپس میں گفتگو شروع کی۔ ایک نے کہا: میں نے آپ سے یہ عرض کیا تھا اور آپ نے یہ فرمایا۔ پھر میں نے یہ گذارش کی یا میری سمجھ میں نہیں آیا یا میں نے غلطی کی تھی۔ دوسرے نے بھی اسی طرح جواب دیئے کہ میری خطا تھی آپ حق پر ہیں غرضیکہ ایسی عمدگی اور لطافت کے ساتھ تقریر کی کہ ہم دونوں پر گریہ طاری ہوا اور ہم نے کہا کہ ان کو خدا نے ہماری تعلیم کے واسطے بھیجا ہے کہ جھگڑے اس طرح فیصل کرنے چاہئیں کہ گردن کی رگ نہ ابھرے یعنی غصہ کا اثر ظاہر نہ ہو۔" [1]

تیر بہدف (۴۹) فرمایا: جامع اجودھن میں ایک شخص قاضی کی طرف سے خطیب تھا اس نے نماز میں ایسا غلط پڑھا کہ سب لوگوں نے نماز دہرائی۔ اس پر قاضی عبداللہ نے جو اجودھن کے قاضی تھے لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ان کے بیٹے محمد ابوالفضل نے جو ایک جنگ جو شخص تھا کہا کہ جا بجا سے یہ چند لوگ کام سے بھاگ بھاگ کر یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں۔" اس کے بعد جب حضرت مکان پر تشریف لائے تو یاراں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ بدزبانی کرے اور وہ تحمل سے کام لے تو خیر ورنہ اگر وہ بھی جواب دے تو جائز ہے۔ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ اسی وقت قاضی کے بیٹے پر فالج گرا۔ قاضی حضرت کی خدمت میں ایک سیر قند سفید اور ایک سیر روغن اور ایک سیر میدہ اور دس سیر شکر لے کر حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ عبداللہ۔ اٹھارہ برس سے میں تمہاری باتیں سنکر صبر و تحمل کر رہا تھا۔ اب جو کچھ قرآن شریف کا حکم ہو میں اس کی فال لیتا ہوں "قرآن شریف کھولا تو اس میں یہ آیت برآمد ہوئی: انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح حضرت نے فرمایا بس یہی حکم ہے۔ ہر چند قاضی نے الحاح وزاری کی مگر آپ نے دعا نہ فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ تیر نشانے پر پہنچ گیا۔ اور جو کچھ وہ لائے تھے سب واپس کیا۔ جب قاضی واپس گھر پہنچے تو بیٹے کو مردہ پایا۔" [2]

عبداللہ رومی کا قصہ (۵۰) فرمایا: غزنی کے ایک شخص عبداللہ رومی نام شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ کی خدمت میں رہتے تھے ایک عرصے کے بعد ان کو سفر ملتان کا اتفاق ہوا۔ حضرت سے عرض کیا کہ میں ملتان جانا چاہتا ہوں۔ راستہ پر خوف و خطر ہے۔ حضرت میرے واسطے دعا فرمائیں کہ میں بسلامت پہنچ جاؤں، حضرت نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں مقام تک جہاں ایک حوض ہے میری سرحد ہے اور اس حوض سے ملتان تک شیخ بہاءالدین زکریا کی سرحد ہے۔ میری سرحد میں تم صحیح وسلامت پہنچ جاؤ گے۔ عبداللہ

---

[1] دررِ نظامیہ (باب ۲۴) ۲۰۱ — ۲۰۲ - فوائد الفواد: ۱۴۷

[2] دررِ نظامیہ (باب ۲۴) ۲۰۴ - ۲۰۵ - سیر الاولیا: ۸۴ - ۸۵

رومی کہتے ہیں کہ حضرت کا یہ کلام سن کر میں روانہ ہوا اور اس حوض تک راستے میں مجھ کو کچھ اندیشہ نہ ہوا۔ جب میں حوض پر پہنچا وضو کرکے دوگانہ پڑھا اور شیخ بہاء الدین زکریا سے استمداد کی کہ یا حضرت اب میں آپ کی حد میں داخل ہوتا ہوں یہاں تک تو حضرت شیخ فریدالدین نے میری حفاظت کی اب آپ کیجئے۔ پھر اس کے بعد روانہ ہوا اور صحیح سلامت ملتان پہنچ گیا۔ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں پہنچا تو میں کمبل و لبادہ پہنے ہوئے تھا حضرت نے فرمایا کہ یہ شیطانی لباس کیوں پہنا ہے؟ اور بہت باتیں کہیں۔ میں حیران ہوا کہ لوگ تو سونے چاندی کے خزانے رکھتے ہیں شاید ان کو کچھ نہیں کہتا اور میں نے ایک کمبل پہنا ہے تو اس پر یہ فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ نے یہ دیکھا کہ میں جامے سے بالکل باہر ہو گیا ہوں فرمایا: اس قدر خفا کیوں ہوتے ہو حوض پر کا قصہ یاد کرو پھر بتاؤ میری کیا تقصیر ہے۔؟ "[1]

اجودھن میں (۵۱) فرمایا: حضرت شیخ فریدالدینؒ ایک مدت ہانسی میں رہے۔ علم وافر تھا اس پر عمل کیا۔ مشہور ہو گئے تب وہاں سے اپنے آباؤ اجداد کے مقام پر چلے گئے مگر چونکہ یہ جگہ ملتان سے قریب تھی یہاں بھی مشہور ہو گئے تب خیال کیا کہ یہاں سے لاہور چلا جاؤں جو اس وقت ویران پڑا ہوا تھا اور وہاں پر دریا بھی ہے۔ آخر ستائیس سال آپ نے اجودھن میں گذارے اور وہیں وفات پائی۔[2]

(۵۲) فرمایا: شیخ الاسلام شیخ فریدالدینؒ فرماتے تھے۔

ہر کہ در بند نام و آوازہ است   خانۂ او برون دروازہ است[3]

نیکی کا بدلہ (۵۳) فرمایا: ایک دفعہ میں حضرت شیخ فریدالدینؒ کی خدمت میں حاضر تھا فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میں نے کچھ گیہوں کے دانے چڑیوں کے آگے ڈالے اور دوسرے روز ایک شخص مجھ کو ایک من گیہوں اور ایک تنکہ نقد دے گیا اس کے بعد حضرت نے یہ بیت پڑھی:

خورِشش دہ بہ گنجشک و کبک و حمام   کہ ناگہ ہمائے در افتد بدام "[4]

بابا صاحب عالم مشغولی میں (۵۴) فرمایا: شیخ فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ کو میں نے دیکھا کہ حجرہ کے اندر سر برہنہ کیے ہوئے تشریف رکھتے ہیں چہرہ متغیر ہے اور زبان مبارک پر یہ بیت جاری ہے۔

---

[1] یہاں خود حضرت بہاؤالدین زکریا کی طرف اشارہ تھا۔ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ نہایت مالدار تھے۔
[2] درر نظامیہ (باب ۲۴) ۲۱۳ - ۲۱۴ - فوائدالفواد: ۲۳۵ - ۲۳۶
[3] درر نظامیہ (باب ۲۵) ۲۲۰
[4] درر نظامیہ (باب ۲۵) ۲۲۰
[5] درر نظامیہ (باب ۲۶) ۲۲۷ - سیرالاولیا: ۷۷

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

یہ بیت پڑھ کے سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر وجد میں مشغول ہوئے اور اسی طرح کرتے رہے۔ میں نے حجرے کے اندر جا کر پیروں میں سر رکھ دیا۔ فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے ایک دینی چیز مانگی جو حضرت نے مجھ کو عنایت فرمائی۔ پھر میں پشیمان ہوا کہ میں نے سماع کے اندر وفات ہونے کی فرمایش کیوں نہ کی۔
حضرت قاضی محی الدین کاشانی رہ نے عرض کیا کہ مخدوم نے کونسی چیز طلب کی تھی۔ فرمایا استقامت"[1]

وقت کی قضا نہیں

(۵۵) فرمایا: ایک دفعہ حضرت شیخ فریدالدین نور اللہ مرقدہ پر ایک حال طاری تھا۔ حضرت نے ایک مرید کو آواز دی وہ نماز میں مشغول تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سلام پھیر کر عرض کیا لبیک۔ حضرت نے فرمایا اب وہ وقت گذر گیا۔
گر وقت خوش است آں غنیمت می دار — کاں را چو نماز ہا قضا نتواں کرد[2]

ایک رباعی

(۵۶) فرمایا: ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ فریدالدین قدس اللہ روحہ کی خدمت میں عریضہ تحریر کیا اور اس کے اندر یہ رباعی تحریر کی:
زاں روز کہ بندۂ تو دانند مرا — بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است — ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا
اس کے بعد جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ وہ رباعی جو تم نے لکھی تھی یاد کر لی ہے۔"[3]

زباں درکش

ایک روز حضرت نے یہ بیت پڑھنی شروع کی اور ہر بار چہرۂ مبارک میں ایک تغیر پیدا ہوتا یہاں تک کہ افطار کا وقت آ گیا نہ معلوم کہ خاطر مبارک میں کیا تھا اور کون آپ سے یہ بیت پڑھواتا تھا۔
نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر ہمی ریزی — کے سرش نمی دانند زباں درکش زباں درکش[4]

حالت سماع

(۵۸) فرمایا: ایک روز حضرت شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ نے سماع سننا چاہا قوال حاضر نہ تھا اسی وقت مولانا بدرالدین اسحٰق عرائض کا خریطہ لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کھڑے ہو کر پڑھو۔ انھوں نے قاضی حمیدالدین نور اللہ مرقدہ کا مکتوب نکال کر پڑھنا شروع کیا جس میں لکھا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ او بندہ پروردۂ درویشان است و از سر و دیدہ خاک قدم ایشان"

---

[1] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۳۶۔ فوائد الفواد: ۱۴۳ - ۳۴۲
[2] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۳۶۔ فوائد الفواد: ۲۹۲ میں ہے کہ خواجہ بدرالدین اسحٰق کو آواز دی تھی۔
[3] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۳۸۔ فوائد الفواد: ۳۰۱
[4] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۳۸ - ۲۳۹ فوائد الفواد: ۱۷۴

حضرت پر ان الفاظ کے سنتے ہی ذوق و کیفیت طاری ہوا۔ اس کے بعد اس مکتوب میں یہ رباعی لکھی تھی:

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد آں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد[1]

(۵۹) فرمایا: جب میں نے سماع میں کسی چیز کی تعریف یا صفت سنی اس کو حضرت شیخ کے اوصاف و اخلاق پر حمل کیا۔ ایک دفعہ قوال نے یہ بیت پڑھی۔

مخرام بدیں صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندے

مجھ کو اس کے سنتے ہی حضرت کے اوصاف اور اخلاق یاد آئے اور میں ایسا بے خود ہوا کہ جس کا بیان ممکن نہیں ہے۔"[1]

(۶۰) فرمایا: خواجہ خضر پارہ دوز حضرت خواجہ فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درویشوں نے سماع شروع کیا۔ جب مجلس گرم ہوئی حضرت کی طبیعت ناساز تھی دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ بیت پڑھنے لگے۔

صاحب درد کجا تا بنمائیم صد گریہ ہزار زہر صد ریش[2]

شیخ جمال ہانسوی کی وفات

(۶۱) فرمایا: میں حضرت شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے واسطے روانہ ہوا جب ہانسی میں پہنچا شیخ جمال الدین ہانسوی سے ملاقات ہوئی وہ بیمار تھے۔ اس سبب سے میں چند روز ٹھہر گیا۔ آخر جب ان کا انتقال ہو گیا تو سوم کے بعد میں روانہ ہو کر حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے جمال الدین کا حال دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت چشم پر آب ہوئے اور ارشاد کیا کہ ان کی نماز کی کیا کیفیت تھی؟ میں نے عرض کیا کہ تین روز کی نماز فوت ہوئی۔ حضرت خاموش ہو گئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے کہا یہ اچھا نہ ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت تو خاموش ہو گئے مولانا بدرالدین اسحٰق نے کہا یہ اچھا نہ ہوا۔ انھوں نے کیوں ایسا کہا۔ پھر جب بدرالدین اسحٰق کا آخری وقت پہنچا تو آپ نے جماعت سے نماز ادا کی اور وظیفہ ختم کیا۔ پھر اشراق پڑھی اور وظیفہ میں مشغول ہوئے۔ پھر چاشت پڑھ کر سر بسجدہ ہوئے اور جان بحق تسلیم کی۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بے شک۔ ایسے شخص کی یہ بات کہنی بجا تھی۔"[3]

انار کا دانہ

(۶۲) فرمایا: ابتداء میں شیخ فریدالدین انار اللہ مرقدہ نماز گاہ کھتوال میں جو آپ کے آباء و اجداد کا مقام تھا عبادت کرتے تھے۔ جب شیخ جلال الدین تبریزی وہاں پہنچے تو لوگوں سے دریافت کیا یہاں

---

[1] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۴۰ – ۲۴۱ – فوائد الفواد: ۲۵۴ – سیر الاولیا: ۵۰۲

[2] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۴۱ – فوائد الفواد: ۱۲۲ – سیر الاولیاء

[3] درر نظامیہ (باب ۲۷) ۲۴۱ [4] درر نظامیہ (باب ۲۸) ۲۴۸ – سیر الاولیا: ۷۷ میں یہی واقعہ ہے مگر شیخ جمال ہانسوی کا نام نہیں لکھا "بزرگے بود از خلفائے شیخ شیوخ العالم" لکھا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نے نام حذف کر دیا ہو۔

کوئی درویش ہے ؟ لوگوں نے کہا : ہاں قاضی صاحب کے فرزند شیخ مسعود خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہیں۔ شیخ جلال الدین تبریزی یہ سن کر آپ سے ملنے خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک شخص نے انار پیش کیا آپ اس کو لئے ہوئے بابا صاحب کے پاس آئے اور ملاقات کے بعد انار کے ٹکڑے کر کے آگے رکھ لئے کھانا شروع کیا۔ بابا صاحبؒ روزے سے تھے اس سبب سے آپ نے نہ کھایا اور آپ کا ازار (پاجامہ) بوسیدہ تھا آپ گھڑی گھڑی کرتے سے اس کو ڈھکتے مگر ہوا کھول دیتی۔ شیخ جلال الدینؒ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ بخارا میں ایک درویش نے پانچ سال تک طالب علمی کی ہے۔ تم اس بات سے کیوں شرم کرتے ہو ؟ (درویش کہہ کر شیخ نے خود اپنی طرف اشارہ کیا تھا) پھر شیخ جلال الدین تبریزی رخصت ہوئے تو بابا صاحبؒ کو افسوس ہوا کہ میں نے روزہ افطار کر کے کیوں نہ ان کے ساتھ انار نوش کیا اور ایک دانہ جو وہاں پڑا رہ گیا تھا اسی کو اٹھا کر نوش فرمالیا۔ اس کے بعد جب حضرت بابا صاحبؒ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا : مسعود جو انار کا دانہ مقصود تھا وہ تم کو پہنچ گیا خاطر جمع رکھو۔[۱]

ملک الفقراء والمساکین

(۳۶) فرمایا : ابتدا میں جب کہ میں بابا صاحبؒ کا مرید بھی نہ ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک عورت کے پیچھے جا رہا ہوں وہ عورت ایک مکان میں داخل ہوئی اور میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا کہ اتنے میں میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ میں بہت شرمندہ ہوا کہ ایسی پریشان حالت میں کس طرح حضور کو منہ دکھاؤں۔ پھر اسی وقت حضورؐ تشریف لے آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا : السلام علیک یا ملک الفقراء والمساکین — اور مجھ کو بغل میں لے لیا۔ جب میں بیدار ہوا تو دل میں خطرہ گذرا کہ لفظ مساکین کا فقراء سے بدل ہونا جائز ہے ؟ پھر دل سے کہا کہ کاش میں علم نہ پڑھتا تاکہ رسول خدا کے فرمان پر اعتراض کا خطرہ نہ گذرتا۔"[۲]

حضرت محبوب الٰہی کے لئے بابا صاحب کی دعا

فرمایا : جس بیماری میں حضرت خواجہ فریدالدینؒ قدس اللہ سرہ نے وصال فرمایا ہے جب وہ شروع ہوئی تو آپ نے مجھ کو اور چند دیگر مریدان کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ فلاں خطیرۂ شہداء میں جا کر شب بیداری کرو اور میرے واسطے دعا مانگو۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور کھانا بھی وہیں ساتھ لے گئے رات بھر دعا کی پھر صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی۔ حضرت نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ تمہاری دعا سے میرے اندر کچھ اثر نہ کیا۔ علی بہاری عرض کرنے لگے کہ ہم لوگ ناقص ہیں اور حضرت شیخ کامل ہیں پھر ناقصوں کی دعا کامل کے حق میں کیا اثر کر سکتی ہے۔ حضرت کے گوش مبارک تک یہ بات نہ پہنچی تو میں نے اس کو دہرایا۔ حضرت نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ جو کچھ خدا سے چاہو تم کو عنایت کرے پھر پانچویں تاریخ ماہ محرم انتقال فرمایا اور آخری وقت میری نسبت فرماتے تھے کہ وہ دہلی میں ہے۔ فرمایا : آخری وقت حضرت پر بے ہوشی غالب تھی عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے بے ہوش

---

۱ درر نظامیہ (باب ۲۸) ۲۵۳ - ۲۵۴ - سیر الاولیاء : ۶۲ - ۶۳

۲ درر نظامیہ (باب ۲۸) ۲۵۵

ہوگئے جب ہوش میں آگئے تو دریافت کیا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ کسی نے عرض کیا کہ جی حضور پڑھی ہے فرمایا ایک بار اور پڑھ لوں کیا خبر ہے پھر کیا ہو؟ پھر تیسری اور پڑھی۔ [1]

باسعادت زمانہ } فرمایا کہ شیخ سیف الدین کی وفات کے تین سال بعد شیخ بہاء الدین نے اور ان کے تین سال بعد حضرت شیخ فریدالدین نے انتقال فرمایا ہے فرمایا وہ زمانہ بڑا باسعادت تھا جس میں یہ بزرگوار موجود تھے: شیخ ابوالغیث یمنی۔ سیف الدین باخرزی۔ شیخ فریدالدین۔ شیخ بہاء الدین۔ شیخ سعدالدین حمویہ۔ قدس اللہ اسرارہم۔ [2]

---

[1] درر نظامیہ (باب ۳۰) ۲۶۲ — ۲۶۹ - فوائد الفواد: ۱۰۰ - سیرالاولیاء: ۱۴۳-۱۴۴

[2] درر نظامیہ (باب ۳۰) ۲۶۸ - فوائد الفواد: ۳۷۵

احسن الاقوال

حضرت باباصاحبؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حالات کا ایک اہم ماخذ

نثار احمد فاروقی ۔ استاد شعبۂ عربی ۔ دہلی کالج، دہلی یونیورسٹی ، دہلی

احسن الاقوال آٹھویں صدی ہجری کے ادب ملفوظ میں ایک اہم اور مستند مجموعہ ہے[1] اس میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب علیہ الرحمۃ کے ملفوظات وارشادات جمع ہوئے ہیں ۔ ان کے مرتب حضرت خواجہ حمّاد کاشانیؒ ہیں ۔ یہ خواجہ عماد کاشانیؒ کے فرزند ہیں ان کے دو بھائی خواجہ مجدالدین کاشانی ، اور خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی بھی حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ سے بیعت تھے ، اور تینوں بھائیوں نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اہم کام کیے ہیں ۔

خواجہ حمّاد کاشانی} چنانچہ خواجہ حمّاد کاشانی کی تصنیف میں ایک تو یہی احسن الاقوال ہے جس کا تعارف یہاں پیش کیا جارہا ہے ۔ دوسری کتاب فقہ میں منافع المسلمین ہے ۔ فن سلوک میں دو اور کتابیں "اسرار الطریقت" اور "حصول الوصول" بھی ان کے رشحات قلم سے ہیں ۔ اول الذکر کے سوا ان میں سے کوئی کتاب بھی دستیاب نہیں ہے ۔

دوسرے بھائی خواجہ مجدالدین کاشانی نے بھی حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات اور کرامات پر مشتمل دو کتابیں تالیف کیں ۔ ایک کا نام غرائب الکرامات اور دوسری کا بقیۃ الغرائب ہے ۔ یہ دونوں بھی کمیاب ہیں ۔ ایک زمانے میں ان کے تراجم کی اشاعت کا اعلان ہوا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی چھپے نہیں ۔ اصل فارسی نسخے بھی ابھی تک ناپید ہیں لیکن ایسا گمان ہوتا ہے کہ ان میں حضرت برہان الدین غریبؒ کے اسلاف اور آپ کے اجازت یافتہ خلفا کے حالات وکرامات ، وملفوظات سے متعلق بہت قابل قدر خزانہ ہوگا ۔ خواجہ مجدالدین کی تیسری تالیف دیوان عین الحیات ہے ۔ ممکن ہے ۔ شعری دیوان ہو ۔

تیسرے بھائی خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی اپنی تالیف شمائل الاتقیا کی وجہ سے حلقۂ اہل تصوف میں خاص طور سے معروف اور محترم سمجھے جاتے ہیں ۔ یہ کتاب چشتی سلسلے کے سلوک ، اور طریق تعلیم وآداب کے بارے میں بہت جامع اور مستند ہے ۔ بزرگان چشت نے برسوں تک اسے اپنا رہنما بنایا ہے ۔ اس کا ترجمہ دکھنی زبان میں اسی نام سے میراں یعقوب نے کیا تھا جس کے قلمی نسخے حیدرآباد دکن کے کتب خانوں

---

[1] اس کے قلمی نسخے بہت کم ملتے ہیں ۔ راقم الحروف کے علم میں صرف ایک نسخہ ہے جو پروفیسر محمد حبیب مرحوم کے کتب خانے میں ہے اور اس سے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی تالیف "تاریخ مشائخ چشت" میں استفادہ کیا ہے (مشائخ چشت ۲۰۶)

میں ملتے ہیں۔[1]

خواجہ رکن الدین دبیر نے بھی حضرت برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات "نفائس الانفاس" جمع کیے تھے۔ لیکن یہ کتاب اب ناپید ہے۔ ان کی تیسری معلوم تصنیف فن سلوک میں "رموز الوالہین" ہے۔

خواجہ حماد کاشانی کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بقیۃ الغرائب" میں ان کے حالات کے علاوہ کچھ ملفوظات بھی قلم بند ہوئے تھے۔ وہ کتاب دریافت ہو جائے تو ہم ان کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

خواجہ حماد کو سماع کا بہت ذوق تھا۔ چنانچہ ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۷۶۱ھ کو ایک محفل میں انھیں تمام رات اس شعر پر وجد و حال رہا۔

اے اجل آں قدرے صبر کن امروز کہ من
لذّتے گیرم ازاں زخم کہ بر جانم زد

اور صبح کو اسی وجد کے عالم میں انتقال فرمایا۔ ان کا مزار گلبرگہ کے نواح میں "سکر بھکر" نامی قصبہ میں ہے

حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ بن شیخ محمد محمود ہانسوی، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں جن کی کوششوں سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو دکن میں فروغ حاصل ہوا۔ حضرت برہان الدین غریبؒ ۶۵۴ھ میں ہانسی (ہریانہ) میں پیدا ہوئے تھے۔ ۶۹۳ھ میں آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اپنے مرشد ہی کے حکم سے دکن کا سفر اختیار کیا تھا جہاں آپ نے ۷۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک خلد آباد (مہاراشٹرا) میں ہے۔

آپ کو حضرت نظام الدینؒ سے بے حد عشق اور عقیدت تھی جس کی وجہ سے تمام عمر اس سمت کو پشت کی جدھر غیاث پور (موجودہ بستی نظام الدینؒ) واقع تھا نہ اُدھر کو تھوکا۔[2] حضرت امیر خسرو، حضرت میر حسن دہلوی اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی بھی آپ کے گرویدہ تھے اور اپنا وقت اکثر ان کی خدمت میں گذارتے تھے۔

مولف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ انھیں سماع کا خاص ذوق تھا اور ان کا محفل سماع میں وجد و رقص کا یہ مخصوص طرز تھا جو "برہانی طرز" مشہور ہو گیا تھا۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو: فہرست مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو۔ مرتبہ ڈاکٹر زور۔ جلد ۴ صفحہ ۱۵۸ - ۱۵۹
فہرست کتب خانہ سالار جنگ۔ مرتبہ نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ
فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ جلد ص
اس کے دو نسخے ہیں جن میں ایک نسخہ ۱۰۴۷ھ کا لکھا ہوا ہے کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں موجود ہیں (فہرست مرآۃ العلوم جلد اول صفحہ ۲۲۳)
[2] سیر الاولیاء (مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء) صفحات ۲۷۸ و بعد
[3] سیر الاولیاء: ۲۷۹

حضرت محبوب الٰہی کی رنجش کا واقعہ مولف سیر الاولیاء نے ایک واقعہ بھی درج کیا ہے[1]۔ ایک بار حضرت محبوب الٰہی، حضرت برہان الدین غریبؒ سے ناخوش ہو گئے تھے۔ اور حضرت امیر خسروؒ کی وساطت سے حضور کی رنجش دور ہوئی تھی۔ ہوا یہ کہ مولانا برہان الدین غریب چھریرے بدن کے تھے، اور کثرت ریاضت سے ہڈیاں بھی نکل آئی تھیں۔ پھر عمر شریف بھی ستر سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اپنی خانقاہ میں اکثر ایک کمبل دوہرا بچھا کر اس پر نشست کرتے تھے۔ یہ طریقہ مشائخ کرام کا رہا ہے۔ علی زنبیلی اور ملک نصرت دونوں سلطان علاء الدین خلجی کے مقربان خاص میں سے تھے، اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔ انھوں نے خدا جانے کن لفظوں میں حضرت محبوب الٰہی کے سامنے یہ بیان کیا کہ خواجہ برہان الدینؒ "مسند شیخی" پر بیٹھتے ہیں کہ جب مولانا برہان الدینؒ حضور کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے بات نہیں کی اور مولانا برہان الدینؒ پابوسی کے بعد وہاں سے آکر جماعت خانے میں بیٹھ گئے۔ حضور محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبال نے یہ فرمان لے کر آئے کہ تم اسی وقت اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ مولانا برہان الدینؒ سخت حیران تھے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے اور حضور محبوب الٰہیؒ کس سبب سے ناراض ہیں۔ خیر جماعت خانے سے نکل کر اپنے ایک قدیم اور مخلص دوست مولانا ابراہیم کے مکان پر غیاث پور ہی میں مقیم رہے لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کی خفگی ایسی نہیں تھی کہ آپ کے معتوب کو کوئی اپنے گھر میں پناہ دے سکتا۔ انہوں نے بھی دبے لفظوں میں یہی کہا کہ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اگر محبوب الٰہیؒ کو یہ اطلاع ملے گی کہ میں نے تمھیں اپنے گھر میں پناہ دی ہے تو ایسا نہ ہو کہ مجھے ان کے دل کو تکلیف پہنچانے کا عذاب ملے مولانا برہان الدینؒ دہلی شہر کی طرف چلے گئے اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ہر وقت زار و قطار روتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شیخ کو کس طرح خوشنود کریں۔ سارے شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ مولانا برہان الدین معتوب ہو گئے ہیں لوگ انھیں دیکھنے کے لئے آتے تھے تو ان کی گریہ و زاری دیکھ کر ان کا گریہ بھی نہیں تھمتا تھا۔ آخر حضرت امیر خسروؒ نے محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں عرض کی کہ مولانا برہان الدینؒ بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور بوریا پر بیٹھنے سے ان کے زانو دکھنے لگے ہیں اسی وجہ سے کمبل پر نشست رکھتے ہیں اور کوئی سبب نہیں ہے۔ مگر یہ عذر حضور محبوب الٰہی نے قبول نہ فرمایا۔ آخر امیر خسروؒ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ تدبیر کیا ہو؟ سب نے کہا کہ امیر خسروؒ اپنی گردن میں دستار ڈال کر عفو تقصیر کے لئے شیخ کی خدمت میں جائیں اور معافی طلب کریں۔ چنانچہ ایک دن حضرت امیر خسروؒ نے یہی کیا کہ دستار گردن میں ڈال کر آئے۔ یہ عذر خواہی اور معافی کے لئے حاضر ہونے کی علامت تھی۔ حضرت شیخ نے اس عالم میں دیکھا تو فرمایا "کیوں ترک کیا ہوا؟" کہا: "حضور مولانا برہان الدینؒ کے جرائم کی معافی طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" محبوب الٰہیؒ نے تبسم فرمایا اور پوچھا وہ کہاں ہیں؟ خادم کو حکم دیا کہ بلا کر لاؤ۔ مولانا برہان الدینؒ اپنے گھر سے مرشد کی خانقاہ میں لائے گئے۔ اب امیر خسروؒ نے ان کی گردن میں بھی دستار ڈال دی اور دونوں عفو طلبی کے لئے سلطان المشائخؒ کے سامنے صف نعال میں کھڑے رہے۔ محبوب الٰہیؒ نے انھیں معاف فرما دیا اور تجدید بیعت سے مشرف کیا[2]۔

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار صفحات ۹۲-۹۴ میں یہی واقعہ نقل کیا ہے (مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء)۔ اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے کہ مدھیہ پردیش کا شہر برہان پور انھیں برہان الدین غریبؒ کے نام پر آباد ہے۔

[2] یہ غالباً ۲۰ محرم ۷۱۳ھ پنجشنبہ، کا واقعہ ہے اس سال کی چودھویں مجلس میں میر حسن دہلوی نے لکھا ہے کہ اسی دن میر حسن کے بھتیجے میر محمد اور شمس الدین محفوظ ہوئے تھے، اور مولانا برہان الدین غریب بسلسلہ استرضاء تجدید مخلوق شد (فوائد الفواد، طبع لاہور، صفحہ ۲۱)

جب سلطان المشائخؒ نے اپنے قدیم مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو مولف سیر الاولیاء کے چچا سید خاموش اور حضور محبوب الٰہیؒ کے خادم خواجہ مبشرؒ نے سید حسین سے کہا کہ مولانا برہان الدینؒ بہت پرانے مرید ہیں اور شیخ کی محبت و اعتقاد میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ خلافت کے لئے سلطان المشائخؒ کے سامنے ان کا تذکرہ بھی کرنا چاہیے۔ سید حسین نے کہا کہ میں حضور کے خادم خاص خواجہ اقبالؒ سے کہوں گا کہ وہ کسی مناسب موقع پر یہ بات حضرتؒ کے سمع مبارک تک پہنچا دے۔ خواجہ اقبال کو سید حسین اور سید خاموش سے تعلق خاطر تھا۔ انھوں نے کہا آپ لوگ تیاری کرکے آئیے میں مناسب موقع دیکھ کر حضور سے عرض کروں گا۔ اور مولانا برہان الدین کو بھی آمادہ کرکے ساتھ لائیے گا۔

چنانچہ ایک دن خواجہ اقبالؒ مولانا برہان الدینؒ کو سلطان المشائخؒ کے سامنے لے گئے اس وقت سید خاموش بھی برابر کھڑے تھے۔ اور سلطان المشائخ جماعت خانے کی اوپر کی منزل میں اپنے حجرہ "چوب خانہ" میں پلنگ پر استراحت فرما رہے تھے آپ نے لحاف اوڑھ رکھا تھا اور صرف چہرۂ مبارک لحاف سے باہر تھا۔ اس وقت خواجہ اقبالؒ نے سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ مولانا برہان الدینؒ پائے بوسی کے لئے آئے ہیں اور آپ کی عنایات کے امیدوار ہیں۔ حضور نے آنکھیں کھول کر خواجہ اقبال کو دیکھنا شروع کیا اسی وقت مولانا برہان الدین زمیں بوس ہوئے اور خواجہ اقبالؒ نے سلطان المشائخ کے جامہ ہائے خاص کا صندوق کھولا۔ اس میں سے "پیراہن و کلاہ" نکالا اور سلطان المشائخ کی خدمت میں لائے۔ حضور نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور خواجہ اقبالؒ نے حضور کے سامنے ہی دونوں چیزیں مولانا برہان الدین کو پہنا دیں۔ اور کہا کہ آج سے تم بھی خلیفہ ہو اس وقت سلطان المشائخ خاموش رہے۔ یعنی آپ نے اسے قبول فرمایا۔[1]

فوائد الفواد میں حضرت برہان الدین غریبؒ کا حوالہ چار جگہ آیا ہے[2] ان میں سے تین مجالس میں یعنی، محرم ۷۰۸ھ، ذی قعدہ ۷۰۸ھ، ۲۴ محرم ۷۱۳ھ ہم انھیں موجود پاتے ہیں۔ ایک موقع پر حضور محبوب الٰہیؒ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے پوچھا ہے کہ کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر چلا جاتا ہوں فرمایا: "مرد سرو باش ہر کجا کہ خواہی باش" (کھرے انسان بن کر ہو کہیں بھی رہو)

خیر المجالس میں } حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں بارہ جگہ حضرت برہان الدین غریب کا حوالہ ملتا ہے۔[4]

---

[1] یہاں تک سیر الاولیاء صفحات ۲۷۹ - ۲۸۲ سے ماخوذ ہے۔
[2] فوائد الفواد، صفحات ۲۴، ۵۵، ۷۳، ۱۳۴، ۲۰۴
[3] فوائد الفواد: ۴۳، سیر الاولیاء ۲۷۹۔ جب کہ آگے ہم نے خیر المجالس کے متعلقہ اقتباسات نقل کیے ہیں ان سے اندازہ ہوگا کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ان سے گہرے مراسم تھے، اور وہ جب دہلی شہر میں جاتے تھے تو مولانا برہان الدین غریبؒ کے مکان پر قیام کرتے تھے۔ مولانا برہان الدینؒ کے انتقال کے بعد ہر سال ان کا عرس بھی حضرت چراغ دہلیؒ بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔
[4] خیر المجالس، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، صفحات ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۴۰، ۲۶۰، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۸۵

یہی ہی مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چراغ دہلی ہر سال خواجہ برہان الدین غریبؒ کا عرس کرایا کرتے تھے چنانچہ پہلی مجلس جس روز حمید قلندر نے قلمبند کی ہے وہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے عرس کا دن تھا۔

"پابوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خواجہ (حضرت چراغ دہلوی) نے مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کی روح مقدس و مطہر (کو ایصال ثواب کرنے) کے لیے کھانا پکوایا تھا اور آج ان کا عرس تھا۔ افطار کے بعد خود زبان مبارک سے فاتحہ پڑھی اس نیت کے ساتھ کہ "بروح مطہر مولانا و سیدنا برہان الحق والدین فاتحہ بخوانیم۔" بندہ نے دل میں کہا سبحان اللہ کیا خلاق ہے درویشوں کا، مولانا برہان الدین جو خود اتنے برسوں تک (حضرت چراغ دہلی کے) قصے اور کرامات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہے اور یہ ان کے لیے فاتحہ پڑھ رہے ہیں کہ "بروح مطہر سیدنا برہان الحق والدین۔" حق محبت کی کیسی رعایت ہے، مولانا (غریبؒ) کے انتقال کے بعد سے کتنے برس ہو گئے ہر سال ان کا عرس کرتے ہیں۔ یقیناً انھوں نے اپنے شیخ (حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) قدس سرہ العزیز کے اخلاق سے بہرہ وافی پایا ہے۔ الغرض جب تمام خلق خدا چلی گئی تو بندہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ اس ناچیز نے حضور مولانا برہان الدین غریبؒ (کے ملفوظات کی) بیس مجلسیں لکھی تھیں[1]۔ اس میں ایک حکایت آپ سے متعلق بھی انھوں نے بیان کی ہے۔ وہ بھی میں نے اس کتاب میں لکھی ہے۔ اگر حکم ہو تو پیش کروں۔" خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا۔ "اچھی بات ہے۔ اس موقع پر حضرت چراغ دہلیؒ لوگوں کو رخصت کرنے اور معذرت طلب کرنے کے لیے اٹھ گئے تھے اور چاہتے تھے کہ اسی طرح کھڑے کھڑے سن لیں مگر مولانا شیخ زین الدین نے جو آپ کے بھانجے بھی ہیں عرض کیا کہ یہ قصہ طویل ہے۔

تو خواجہ تشریف فرما ہوئے اور بندہ کو حکم دیا۔ "سناؤ" بندہ نے شروع کیا کہ حضرت مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا کہ ایک بار حضرت الشیخ نظام الدین قدس سرہ سے مجھے کلاہ ملی تھی وہ کھو گئی اس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوا اور فریاد و زاری کرنے لگا۔ میں نے دل میں سوچا کہ خداوند مولانا محمود (حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کی خدمت میں جاؤں اور ٹوپی کے گم ہونے کا ماجرا سناؤں۔ اس شب مولانا محمود (سلمہ اللہ العزیز) عالم مشغولی میں تھے[2]۔ فرمایا: جاؤ اس سے بڑی اور بہتر نعمت تم کو ملے گی۔" یہاں بندہ نے عرض کیا کہ مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ حضور سے دریافت کروں یہاں "درکار بودن" کا کیا مطلب ہے؟ خواجہ نے فرمایا کہ "درکار بودن" یہ ہے کہ مشغولی، استغراق، اور ذوق کا عالم ہو۔ غرض مولانا برہان الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب مولانا محمود سلمہ اللہ نے فرما دیا کہ اس سے بہتر اور بڑی نعمت پاؤ گے تو مجھ بندے نے ان کی بات پکڑ لی اور اپنے شیخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس روز شیخ نے اپنا "مصلیٰ صوف" مجھے عنایت فرمایا۔ اور یہ نعمت اس (ٹوپی) سے بہتر اور بڑی تھی۔ جب بندہ نے یہ حکایت ختم کی تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ آج کتنے برس کے بعد یہ قصہ یاد دلایا ہے۔ بہت خوش ہوئے فرمایا مولانا برہان الدینؒ کے ملفوظات لاؤ۔ بندہ نے پھر عرض کیا مولانا برہان الدین علیہ الرحمۃ ہی نے حضور سے اتنی عقیدت اور محبت میرے دل میں پیدا کر دی ہے۔ میں نے بارہا دل میں سوچا ہے کہ ایسا بزرگوار صاحب کشف و کرامات، ممتاز درویش، مرد وصل، صاحب ولایت، عاشق سوختہ جب حضور سے

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا برہان الدین غریب کے ملفوظات حمید قلندر نے بھی جمع کیے تھے۔ یہ ملفوظ بھی اب ناپید ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ کا نام "اخبار الاخیار" تھا (خیر المجالس ص ۲۷۹)

[2] یہاں فارسی میں "درکار بود" استعمال ہوا ہے۔ اس کی وضاحت آگے کی ہے

استمداد کرتا ہے اور نعمت پاتا ہے تو حضور کی بزرگی کا کیا ٹھکانا ہے۔ یا اللہ کب وہ دن آئے گا کہ میں بھی اس سے دست سے فائدہ حاصل کروں۔ اس موقع پر حضور خواجہ نے فرمایا: ہم تمھیں کیا کہیں قلندر یا صوفی؟ قلندر نہیں تو کیسے تم تو حاتم ہو۔ "بندہ نے عرض کیا کہ میں ایک دن شیخ (نظام الدینؒ) کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور انھوں نے دسترخوان بچھا رکھا تھا اور افطار کر چکے تھے۔ عین کھانے کے دوران ایک روٹی ٹوٹ گئی۔ آدھی اپنے سامنے رکھی اور آدھی مجھے مرحمت فرمادی۔ بندہ نے وہ آدھی روٹی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی جب شیخ کی خدمت سے نکل کر باہر آیا تو کچھ قلندر آن پہنچے اور کہنے لگے: شیخ زادے ہمیں کوئی چیز دو۔

میں نے کہا: میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ قلندروں نے کشف سے معلوم کرلیا اور کہا کہ وہ آدھی روٹی جو تمھیں شیخ کی خدمت میں ملی ہے وہ ہمیں دے دو۔ میں چھوٹا سا تھا۔ سخت حیرت ہوئی کہ انھیں کیسے پتا لگ گیا ان میں سے تو کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ مجبوراً آستین سے وہ آدھی روٹی نکال کر انھیں دے دی۔ قلندر وہیں دہلیز خانے پر جو کیلو کھری کی جامع مسجد کے پاس تھا، بیٹھ گئے اور اس روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا گئے اس اثنا میں بندہ کے والد بھی شیخ کی خدمت سے اٹھ کر باہر آگئے اور پوچھنے لگے کہ اس روٹی کا کیا کیا؟ میں نے کہا: قلندروں کو دے دی۔ انھوں نے افسوس کیا اور کہا تو نے کیوں دی؟ وہ تو ایک نعمت تھی۔ اسی پریشانی کے عالم میں الٹے پاؤں پھر شیخ کی خدمت میں پہنچے حضرت شیخ سمجھ گئے اور خود ہی فرمانا شروع کیا: مولانا تاج الدین[1] خاطر جمع رکھو تمہارا بیٹا بھی قلندر ہوگا۔" تب میرے والد کو اطمینان ہوا۔ جب حضرت شیخ نے قلندر کہہ دیا، اب آپ (حضرت چراغ دہلی) بھی قلندری فرما رہے ہیں۔

جب حضرت خواجہ نے یہ داستان سنی تو فرمایا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم حضرت شیخ (نظام الدینؒ) کے مرید ہو آؤ تمھیں گلے سے لگالوں۔" بندہ نزدیک گیا خواجہ نے بڑی محبت کے ساتھ سینے سے لگایا۔ اس دن بڑی برکتیں دیکھیں الحمدللہ ۔"[2]

اخبار الاخیار

دوسری مجلس میں یہ بیان ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے حکم کی تعمیل میں اگلے دن حمید قلندر وہ مجموعہ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے جس میں حضرت مولانا برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات انھوں نے جمع کیے تھے۔ اور ایک دوسرے موقع پر اس کا نام بھی اخبار الاخیار بتایا ہے جس میں بیس مجلسوں کی گفتگو قلمبند ہوئی تھی۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، وہ مقام نکالو (جس کا مجلس اول میں تذکرہ ہوا تھا) اتفاق سے وہاں کا ورق پھٹا ہوا تھا وہی نکال کر حمید قلندر نے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضرت نے وہ حکایت پڑھی اور پسند فرمایا۔ پھر کتاب کو شروع سے ملاحظہ فرمایا اور چند جز پڑھے اور بار بار کہتے جاتے تھے۔ "درویش تم نے خوب لکھا ہے۔"[3]

اسی وقت حمید قلندر کے دل میں "خیر المجالس" کے قلم بند کرنے کا خیال القاء ہوا اور انھوں نے حضرت چراغ دہلیؒ سے مودبانہ عرض کی کہ "حضور سے مولانا برہان الدینؒ خدارسیدہ درویش تھے۔ حضور علم میں بھی ابو حنیفہ وقت ہیں اور زہد و تقویٰ میں تو آپ اپنے عہد کے حضرت نظام الدینؒ

---

[1] حمید قلندر جامع خیر المجالس کے والد بزرگوار۔ یہ خود بھی حضرت نظام الدین اولیاؒ سے بیعت تھے۔

[2] خیر المجالس، مجلس اول، صفحات ۸ تا ۱۱

[3] خیر المجالس: ۲۷۹

ہیں۔ میں ان شاء اللہ حضور کی مجلسوں کو بھی قلم بند کروں گا۔"[1] یہ گویا خیر المجالس کی تالیف کا آغاز تھا اور یہ ۷۵۵ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے انتقال کو تیس سال اور حضرت برہان الدین غریبؒ کے وصال کو سترہ سال گذر چکے تھے۔

اس کے بعد ۵۵ ویں مجلس میں مولانا برہان الدین غریبؒ کا حوالہ ملتا ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا:

"جب یہ دعاگو اودھ سے دہلی آتا تھا تو مولانا برہان الدین غریبؒ کے احباب، امیر خسرو، امیر حسن اور دوسرے دوست جب سن لیتے تھے کہ فقیر آرہا ہے تو چند روز تک دعوتوں کا سلسلہ رکھتے تھے۔ جب میں یہاں پہنچتا تھا تو متواتر دعوتیں ہوتی تھیں۔ استدعا کے وقت شیخ کی خدمت میں عرضداشت کی جاتی تھی کہ فلاں کو بھیج دیں تاکہ قبل آپ کا فرمان پہنچتا تھا۔ میں جاتا تھا شہر میں اس سے ایک دن پہلے خبر کردی جاتی تھی[2] اس لئے کہ اگر اسی روز غیاث پور سے شہر آئیں تو بہت تکان ہو جاتی تھی۔ اس روز مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر قیام کرتا تھا۔ دوسرے دن ان کے ساتھ مل کر جاتے تھے اور عصر کے وقت تک دعوت رہتی تھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مغرب کا وقت بھی وہیں ہو جاتا تھا۔ جب واپس آتا تھا تو غیر وقت ہو جاتا تھا اور غیاث پور پہنچنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ اس لئے رات کو بھی مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر رہتا تھا۔ تیسرے دن آخر کوئی دوست آتا تھا اور کہتا تھا: "ہماری آرزو ہے کچھ دیر انتظار کیجئے تاکہ چاشت کا وقت گذر جائے۔" قیلولہ کا وقت ہوتا تھا تب کہیں غیاث پور پہنچتا تھا[3] اس روز بھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا تھا۔ غرض ایک دن میں اودھ سے آیا ہوا تھا اور بھائی بھی ساتھ تھے یعنی خواجہ یوسف کے والد۔ اس روز میں نے بہت ہی کم کھایا تھا۔ بھائی مبشر کے پاس گئے اور کہا کہ فلاں نے بہت سا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ بیکار جائے گا۔ خدمت شیخ میں گذارش کرو۔ مبشر حضرت شیخ کی خدمت میں گیا اور کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور کہا کہ جب میں دسترخوان اٹھاتا ہوں تو فلاں (یعنی خود چراغ دہلیؒ) کے سامنے سب کھانا بدستور موجود ہوتا ہے۔ حضرت شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص بھیجی اور فرمایا یہ سب کھالینا۔ وہ قرص تقریباً دو سیر کی ہوگی[4] اس پر حلوا اور رکھا ہوا تھا جو احباب ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ رمضان کی پہلی تاریخ سے انھیں سحری کا کھانا اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی[5] اور مولانا

---

[1] خیر المجالس (مجلس دوم) صفحات ۱۱ - ۱۲

[2] یہ آداب خانقاہ میں سے تھا کہ جماعت خانے کے کسی مہمان کی دعوت حضرت کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔

[3] یعنی جس روز دعوت ہو اس سے ایک دن پہلے ایک دن پہلے غیاث پور سے دہلی جاتے تھے اور دعوت سے ایک دن بعد واپسی ہوتی تھی اس زمانے میں دہلی مہرولی اور حوض خاص کے آس پاس آباد تھی۔ غیاث پور موجودہ بستی نظام الدینؒ کا نام تھا۔

[4] یہ سیر آج کل کے سیر سے کم ہوتا تھا۔ دو سیر کو تقریباً موجودہ آدھا سیر کی برابر قیاس کرنا چاہیئے

[5] حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ ہیں۔ حالات کے لئے دیکھو: اخبار الاخیار ص ۹۱ - ۹۲ - غالباً ۷۰۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۷۴۸ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی میں غرق ہو کر شہادت پائی۔ صاحب تصانیف اور عالم متبحر تھے۔ ان کا ایک رسالہ سماع کے موضوع پر کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی کے ذخیرہ مخطوطات میں موجود ہے (سیرالاولیاء: ۲۷۰ - ۳۰۵)

حسام الدین ملتانیؒ و مولانا شہاب الدین امام[1] یہ سب صوم دوام رکھتے تھے۔ لیکن مولانا برہان الدینؒ[2] آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں سحر کھاتے تھے۔ کھچڑی گھی پڑی ہوئی۔ سب احباب جمع ہوتے تھے اور ہاتھ دھلواتے تھے پھر سحری اٹھالی جاتی تھی۔ غرض جب حضرت شیخ نے وہ قرص بھیجی تو میں حیران ہوا کہ اتنی بڑی روٹی کیسے کھاؤں گا؟ اس سے تو بیماری ہو سکتی ہے۔[3] عشاء کے وقت وہ قرص میں نے سامنے رکھ لی۔ تھوڑی سی کھائی باقی سمیٹ کر رکھ دی اور نماز میں مشغول ہو گیا چند رکعت نماز پڑھی۔ پھر اس میں سے تھوڑی روٹی کھائی۔ اس وقت ایک تہائی رات گذر چکی تھی۔ غنودگی طاری ہو گئی۔ اس وقت پھر اٹھا اور دوبارہ وضو کیا۔ تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر قرص سامنے رکھ لی اور سب کھالی۔ کوئی بھی زحمت نہیں ہوئی۔

پھر فرمایا کہ اسی زمانے میں ایسا ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں اور تینوں دعوتوں میں تین تین دن تک شہر میں رہا اور نو دن تک حضرت شیخ کو نہیں دیکھا۔ دوسری جگہوں سے بھی بلاوے آئے اور شیخ کی خدمت میں بھی عرضداشت کی گئی۔ ایسا یاد آتا ہے کہ اس وقت حضرت شیخ کے خادم نصیر تھے۔ انہوں نے شیخ کا فرمان (مجھ تک) پہنچایا کہ دعوت میں جاؤ۔ میں نے کہا کہ مجھے شیخ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کرنی ہے۔ میری طلبی ہوئی اور شیخ کی خدمت میں گیا۔ فرمایا: کیا کہنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بندہ ادھر سے آ رہا ہے اور اس اشتیاق کے ساتھ کہ کچھ وقت حضور کے قدموں میں بسر ہو جائے اور روزانہ حضرت شیخ کا دیدار کروں۔ ہر شخص دعوت میں کھینچتا ہے اور حضور کی خدمت میں عرضداشت پیش کرتا ہے۔ حضور کا فرمان ہوتا ہے جاؤ۔ پہلے دن جاتا ہوں تو مولانا برہان الدین غریب کے گھر رہتا ہوں۔ دوسرے روز دعوت ہوتی ہے اس روز بھی واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ تیسرے دن بھی کوئی مزاحم ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ناشتہ کرو۔ قیلولے کے وقت یہاں پہنچ پاتا ہوں۔ اس روز بھی حضور سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔"

اس پر حضرت شیخ نے خواجہ سے کہا کہ اس شخص کو بلاؤ جو مولانا کو طلب کرنے آیا ہے اور اسے واپس کر دو یہ کہہ دو کہ شہر کے احباب کو یہیں بھیج دو۔ فلاں کو معاف رکھو۔ وہ سب لوگ شکستہ دل واپس ہو گئے۔"[4]

اس کے بعد ۷۷ ویں مجلس میں پھر مولانا برہان الدین غریبؒ کا تذکرہ آیا ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے مرشد حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کا زمانہ یاد کر رہے ہیں کہ یا اللہ وہ بھی کیسے لوگ تھے۔ کتنے صابر تھے۔ کیا زمانہ تھا اس وقت کے کچھ لوگوں کے نام لئے کہ مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کیسے بزرگ تھے!" وغیرہ[5]

مجلس ۸۹ میں بیان ہوا ہے کہ جب بھی حضرت چراغ دہلیؒ اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں آتے تھے چالیس دن یا کم و بیش وہاں قیام رہتا تھا۔ اس زمانے میں جماعت خانے میں اتنے مسافر بھی نہیں ہوتے تھے۔

---

[1] ۶۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں۔ گجرات کے شہر پٹن میں انتقال فرمایا تھا۔ وہیں مزار مبارک ہے۔ حالات کے لئے دیکھو: سیر الاولیا: ۲۵۶ - ۲۶۲ اخبار الاخیار ۸۹ - ۹۱۔

[2] ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار: ۹۷ سیر الاولیاء: ۲۹۲ - ۲۹۰

[3] یعنی مقدار میں زیادہ ہونے کے سبب سے معدے میں گرانی کر سکتی ہے۔

[4] خیر المجالس: صفحات ۱۸۵ - ۱۸۷

[5] خیر المجالس (مجلس ۷۷) صفحہ ۲۴۰

احسن الاقوال

حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حالات کا ایک اہم ماخذ

نثار احمد فاروقی ۔ استاد شعبہ عربی ۔ دہلی کالج، دہلی یونیورسٹی ، دہلی

احسن الاقوال آٹھویں صدی ہجری کے ادب ملفوظ میں ایک اہم اور مستند مجموعہ ہے[1] اس میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب علیہ الرحمۃ کے ملفوظات و ارشادات جمع ہوئے ہیں ۔ ان کے مرتب حضرت خواجہ حمّاد کاشانی رہ ہیں ۔ یہ خواجہ عماد کاشانی کے فرزند ہیں ان کے دو بھائی خواجہ مجد الدین کاشانی ، اور خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی بھی حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ سے بیعت تھے ، اور تینوں بھائیوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اہم کام کیے ہیں ۔

خواجہ حمّاد کاشانی } چنانچہ خواجہ حمّاد کاشانی کی تصانیف میں ایک تو یہی احسن الاقوال ہے جس کا تعارف یہاں پیش کیا جا رہا ہے ۔ دوسری کتاب فقہ میں منافع المسلمین ہے ۔ فن سلوک میں دو اور کتابیں "اسرار الطریقت" اور "حصول الوصول" بھی ان کے رشحات قلم سے ہیں ۔ اوّل الذکر کے سوا ان میں سے کوئی کتاب بھی دستیاب نہیں ہے ۔

دوسرے بھائی خواجہ مجد الدین کاشانی نے بھی حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات اور کرامات پر مشتمل دو کتابیں تالیف کیں ۔ ایک کا نام غرائب الکرامات اور دوسری کا بقیۃ الغرائب ہے ۔ یہ دونوں بھی کمیاب ہیں ۔ ایک زمانے میں ان کے تراجم کی اشاعت کا اعلان ہوا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی چھپے نہیں ۔ اصل فارسی نسخے بھی ابھی تک ناپید ہیں لیکن ایسا گمان ہوتا ہے کہ ان میں حضرت برہان الدین غریبؒ کے اسلاف اور آپ کے اجازت یافتہ خلفاء کے حالات و کرامات و ملفوظات سے متعلق بیش قیمت قدر خزانہ ہوگا ۔ خواجہ مجد الدین کی تیسری تالیف دیوان عین الحیات ہے ۔ ممکن ہے یہ شعری دیوان ہو ۔

تیسرے بھائی خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی اپنی تالیف شمائل الاتقیا کی وجہ سے حلقۂ اہل تصوف میں حد سے معروف اور محترم ہستی ہیں ۔ یہ کتاب چشتی سلسلے کے سلوک ، اور طریق تعلیم و آداب کے بارے میں نہایت جامع اور مستند ہے ۔ بزرگان چشت نے برسوں تک اسے اپنا رہنما بنایا ہے ۔ اس کا ترجمہ دکھنی زبان میں اسی نام سے میراں یعقوب نے کیا تھا جس کے قلمی نسخے حیدرآباد دکن کے کتب خانوں

---

[1] اس کے قلمی نسخے بہت کم ملتے ہیں ۔ راقم الحروف کے علم میں صرف ایک نسخہ ہے جو پروفیسر محمد حبیب مرحوم کے کتب خانے میں ہے اور اس سے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی تالیف "تاریخ مشائخ چشت" میں استفادہ کیا ہے ، مشائخ چشت (۲۰۶)

میں ملتے ہیں۔[1]

خواجہ رکن الدین دبیر نے بھی حضرت برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات "نفائس الانفاس" جمع کیے تھے۔ لیکن یہ کتاب اب ناپید ہے۔ ان کی تیسری معلوم تصنیف فنِ سلوک میں "رموز الوالہین" ہے۔

خواجہ حماد کاشانی کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بقیۃ الغرائب" میں ان کے حالات کے علاوہ کچھ ملفوظات بھی قلم بند ہوئے تھے۔ وہ کتاب دریافت ہو جائے تو ہم ان کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

خواجہ حماد کو سماع کا بہت ذوق تھا۔ چنانچہ ۱۲ رجمادی الاول ۷۶۱ھ کو ایک محفل میں انھیں تمام رات اس شعر پر وجد و حال رہا۔

اے اجل آں قدرے صبر کن امروز کہ من
لذّتے گیرم ازاں زخم کہ بر جانم زد

اور صبح کو اسی وجد کے عالم میں انتقال فرمایا۔ ان کا مزار گلبرگہ کے نواح میں "سکر بھکر" نامی قصبہ میں ہے

حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ

حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ بن شیخ محمد محمود ہانسوی، حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں جن کی کوششوں سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو دکن میں فروغ حاصل ہوا۔ حضرت برہان الدین غریبؒ ۶۵۴ھ میں ہانسی (ہریانہ) میں پیدا ہوئے تھے۔ ۶۹۳ھ میں آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اپنے مرشد ہی کے حکم سے دکن کا سفر اختیار کیا تھا جہاں آپ نے ۷۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک خلد آباد (مہاراشٹرا) میں ہے۔

آپ کو حضرت نظام الدینؒ سے بے حد عشق اور عقیدت تھی جس کی وجہ سے تمام عمر اس سمت کو پشت کی جدھر غیاث پور (موجودہ بستی نظام الدینؒ) واقع تھا، اُدھر کو تھوکا۔[2] حضرت امیر خسرو، حضرت میر حسن دہلوی اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی بھی آپ کے گرویدہ تھے، اور اپنا وقت اکثر ان کی خدمت میں گذارتے تھے۔

مولف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ انھیں سماع کا خاص ذوق تھا اور ان کا محض سماع میں وجد و رقص کا بھی مخصوص طرز تھا جو "برہانی طرز" مشہور ہو گیا تھا۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو: فہرست مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو۔ مرتبہ ڈاکٹر زور۔ جلد ۴ صفحہ ۱۵۸ - ۱۵۹
فہرست کتب خانہ سالار جنگ۔ مرتبہ نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ
فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ جلد ص
اس کے دو نسخے ہیں جن میں ایک نسخہ ۱۰۴۷ھ کا لکھا ہوا ہے کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں موجود ہیں (فہرست القوم جلد اول صفحہ ۲۲۳)

[2] سیر الاولیاء (مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء) صفحات ۲۷۸ و بعد

[3] سیر الاولیاء: ۲۷۹

حضرت محبوب الٰہی کی رنجش کا واقعہ } مولف سیر الاولیاء نے ایک واقعہ بھی درج کیا ہے[1]۔ ایک بار حضرت محبوب الٰہی، حضرت برہان الدین غریبؒ سے ناخوش ہو گئے تھے۔ اور حضرت امیر خسرو کی وساطت سے حضور کی رنجش دور ہوئی تھی۔ ہوا یہ کہ مولانا برہان الدین غریب چھریرے بدن کے تھے اور کثرت ریاضت سے ہڈیاں بھی نکل آئی تھیں۔ پھر عمر شریف بھی ستر سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اپنی خانقاہ میں اکثر ایک کمبل دوہرا بچھا کر اس پر نشست کرتے تھے۔ یہ طریقہ مشائخ کرام کا رہا ہے۔ علی زنبیلی اور ملک نصرت دونوں سلطان علاء الدین خلجی کے مقربان خاص میں سے تھے۔ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔ انھوں نے خدا جانے کن لفظوں میں حضرت محبوب الٰہی کے سامنے یہ بیان کیا کہ خواجہ برہان الدینؒ "مسند شیخی" پر بیٹھتے ہیں کہ جب مولانا برہان الدینؒ حضور کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے بات نہیں کی اور مولانا برہان الدینؒ پابوسی کے بعد وہاں سے آکر جماعت خانے میں بیٹھ گئے۔ حضور محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبالؒ یہ فرمان لے کر آئے کہ تم اسی وقت اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ مولانا برہان الدین سخت حیران تھے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے اور حضور محبوب الٰہیؒ کس سبب سے ناراض ہیں۔ خیر جماعت خانے سے نکل کر اپنے ایک قدیم اور مخلص دوست مولانا ابراہیم کے مکان پر غیاث پور ہی میں مقیم رہے لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کی خفگی ایسی نہیں تھی کہ آپ کے معتوب کو کوئی اپنے گھر میں پناہ دے سکتا۔ انہوں نے بھی دبے لفظوں میں یہی کہا کہ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اگر محبوب الٰہیؒ کو یہ اطلاع ملے گی کہ میں نے تمھیں اپنے گھر میں پناہ دی ہے تو ایسا نہ ہو کہ مجھے ان کے دل کو تکلیف پہنچانے کا عذاب ملے مولانا برہان الدینؒ دہلی شہر کی طرف چلے گئے اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ہر وقت زار و قطار روتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شیخ کو کس طرح خوشنود کریں۔ سارے شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ مولانا برہان الدین معتوب ہو گئے ہیں لوگ انھیں دیکھنے کے لئے آتے تھے تو ان کی گریہ وزاری دیکھ کر ان کا گریہ بھی نہیں تھمتا تھا۔ آخر حضرت امیر خسروؒ نے محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولانا برہان الدینؒ بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور بوریا پر بیٹھنے سے ان کے زانو دکھنے لگتے ہیں، اسی وجہ سے کمبل پر نشست رکھتے ہیں اور کوئی سبب نہیں ہے۔ مگر یہ عذر حضور محبوب الٰہی نے قبول نہ فرمایا۔ آخر امیر خسروؒ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ تدبیر کیا ہو؟ سب نے کہا کہ امیر خسروؒ اپنی گردن میں دستار ڈال کر عفو تقصیر کے لیے شیخ کی خدمت میں جائیں اور معافی طلب کریں۔ چنانچہ ایک دن حضرت امیر خسروؒ نے یہی کیا کہ دستار گردن میں ڈال کر آئے۔ یہ عذر خواہی اور معافی کے لئے حاضر ہونے کی علامت تھی۔ حضرت شیخ نے اس عالم میں دیکھا تو فرمایا "کیوں ترک کیا ہوا؟" کہا: حضور مولانا برہان الدینؒ کے جرائم کی معافی طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" محبوب الٰہیؒ نے تبسم فرمایا، اور پوچھا وہ کہاں ہیں؟ — خادم کو حکم دیا کہ بلا کر لاؤ۔ مولانا برہان الدینؒ اپنے گھر سے مرشد کی خانقاہ میں لائے گئے۔ اب امیر خسروؒ نے ان کی گردن میں بھی دستار ڈال دی اور دونوں عفو طلبی کے لئے سلطان المشائخ کے سامنے صف نعال میں کھڑے رہے۔ محبوب الٰہی نے انھیں معاف فرمادیا اور تجدید بیعت سے مشرف کیا[2]۔

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار صفحات ۹۲-۹۴ میں یہی واقعہ نقل کیا ہے، مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ ۱۹۰۴ء۔ اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے کہ مدھیہ پردیش کا شہر برہان پور انھیں برہان الدین غریبؒ کے نام پر آباد ہے۔

[2] یہ غالباً ۵ محرم شنبہ (پنجشنبہ) کا واقعہ ہے اس سال کی چودھویں مجلس میں میر حسن دہلوی نے لکھا ہے کہ اسی دن میر حسن کے بھتیجے میر جو

اور شمس الدین ضوق ہوئے تھے اور مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ تجرید مخلوق شد (فوائد الفواد، طبع لاہور۔ صفحہ ۲۲)

جب سلطان المشائخؒ نے اپنے قدیم مریدوں خلافت سے سرفراز فرمایا تو مولف سیرالاولیاء کے چچا سید خاموشؒ اور حضور محبوب الٰہیؒ کے خادم خواجہ مبشرؒ نے سید حسین سے کہا کہ مولانا برہان الدینؒ بہت پرانے مرید ہیں اور شیخ کی محبت و اعتقاد میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ خلافت کے لئے سلطان المشائخؒ کے سامنے ان کا تذکرہ بھی کرنا بھی چاہئے سید حسینؒ نے کہا کہ میں حضور کے خادم خاص خواجہ اقبالؒ سے کہوں گا کہ وہ کسی مناسب موقع پر یہ بات حضرتؒ کے سمع مبارک تک پہنچا دے۔ خواجہ اقبال کو سید حسینؒ اور سید خاموشؒ سے تعلق خاطر تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ لوگ تیاری کر کے آئیے میں مناسب موقع دیکھ کر حضور سے عرض کروں گا۔ اور مولانا برہان الدین کو بھی آمادہ کر کے ساتھ لائیے گا۔

چنانچہ ایک دن خواجہ اقبالؒ مولانا برہان الدینؒ کو سلطان المشائخؒ کے سامنے لے گئے اس وقت سید خاموشؒ بھی برابر کھڑے تھے۔ اور سلطان المشائخؒ جماعت خانے کی اوپر کی منزل میں اپنے حجرہ "چوب خانہ" میں پلنگ پر استراحت فرما رہے تھے آپ نے لحاف اوڑھ رکھا تھا اور صرف چہرۂ مبارک لحاف سے باہر تھا۔ اس وقت خواجہ اقبالؒ نے سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ مولانا برہان الدینؒ پائے بوسی کے لئے آئے ہیں اور آپ کی عنایات کے امیدوار ہیں۔ حضور نے آنکھیں کھول کر خواجہ اقبال کو دیکھنا شروع کیا اسی وقت مولانا برہان الدین زمیں بوس ہوئے اور خواجہ اقبالؒ نے سلطان المشائخؒ کے جامہ ہائے خاص کا صندوق کھولا۔ اس میں سے "پیراہن و کلاہ" نکالا اور سلطان المشائخؒ کی خدمت میں لائے۔ حضور نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور خواجہ اقبالؒ نے حضور کے سامنے ہی دونوں چیزیں مولانا برہان الدین کو پہنا دیں۔ اور کہا کہ آج سے تم بھی خلیفہ ہو اس وقت سلطان المشائخؒ خاموش رہے۔ یعنی آپ نے اسے قبول فرمایا۔[1]

فوائد الفواد میں حضرت برہان الدین غریبؒ کا حوالہ چار جگہ آیا ہے[2] ان میں سے تین مجالس میں یعنی، محرم ذی قعدہ ۷۰۸ھ ۲۳ محرم ۷۱۲ھ ہم انھیں موجود پاتے ہیں۔ ایک موقع پر حضور محبوب الٰہیؒ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے پوچھا ہے کہ کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر چلا جاتا ہوں فرمایا: "مرد سرہ باش ہرجا کہ خواہی باش" (کھرے انسان بن کر ہو کہیں بھی رہو)

خیر المجالس میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں بارہ جگہ حضرت برہان الدین غریب کا حوالہ ملتا ہے۔[3]

---

[1] یہاں تک سیرالاولیاء صفحات ۲۷۹ - ۲۸۲ سے ماخوذ ہے۔
[2] فوائد الفواد، صفحات ۲۴، ۵۵، ۷۳، ۱۴۳، ۲۰۳
[3] فوائد الفواد: ۷۳۔ سیرالاولیاء ۲۷۹۔ جیسا کہ آگے ہم نے خیر المجالس کے متعلقہ اقتباسات نقل کیے ہیں ان سے اندازہ ہوگا کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ان سے گہرے مراسم تھے اور وہ جب دہلی شہر میں جاتے تھے تو مولانا برہان الدین غریبؒ کے مکان پر قیام کرتے تھے۔ مولانا برہان الدینؒ کے انتقال کے بعد ہر سال ان کا عرس بھی حضرت چراغ دہلیؒ بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔
[4] خیر المجالس، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صفحات ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۴۰، ۲۶۰، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۸۵

یہی ہی مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چراغ دہلی ہر سال خواجہ برہان الدین غریبؒ کا عرس کرایا کرتے تھے چنانچہ پہلی مجلس جس روز حمید قلندر نے قلمبند کی ہے وہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے عرس کا دن تھا۔

" پا بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خواجہ (حضرت چراغ دہلوی) نے مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کی روح مقدس و مطہر (کو ایصال ثواب کرنے) کے لئے کھانا پکوایا تھا اور آج ان کا عرس تھا۔ افطار کے بعد خود زبان مبارک سے فاتحہ پڑھی اس نیت کے ساتھ کہ "بروح مطہر مولانا و سیدنا برہان الحق والدین فاتحہ بخوانیم۔" بندہ نے دل میں کہا سبحان اللہ کیا اخلاق ہے درویشوں کا۔ مولانا برہان الدین بہ خود اپنے برسوں تک (حضرت چراغ دہلی کے) قصے اور کرامات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہے اور یہ ان کے لئے فاتحہ پڑھ رہے ہیں کہ "بروح مطہر سیدنا برہان الحق والدین۔" حق محبت کی کیسی رعایت ہے۔ مولانا (غریبؒ) کے انتقال کے بعد سے کتنے برس ہوگئے ہر سال ان کا عرس کرتے ہیں۔ یقیناً انھوں نے اپنے شیخ (حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) قدس سرہ العزیز کے اخلاق سے بہرہ وافی پایا ہے۔ الغرض جب تمام خلق خدا چلی گئی تو بندہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ اس ناچیز نے حضور مولانا برہان الدین غریبؒ (کے ملفوظات کی) بیس مجلسیں لکھی تھیں[1] اس میں ایک حکایت آپ سے متعلق بھی انھوں نے بیان کی ہے۔ وہ بھی میں نے اس کتاب میں لکھی ہے۔ اگر حکم ہو تو پیش کردوں" خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا "اچھی بات ہے" اس موقع پر (حضرت چراغ دہلی) لوگوں کو رخصت کرنے اور وضو تازہ کرنے کے لئے اٹھ گئے تھے اور چاہتے تھے کہ اسی طرح کھڑے کھڑے سن لیں۔ مگر مولانا شیخ زین الدین نے جو پاس بیٹھے تھے عرض کیا کہ یہ قصہ طویل ہے۔

تو خواجہ تشریف فرما ہوئے اور بندہ کو حکم دیا "سناؤ" بندہ نے شروع کیا کہ حضرت مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا کہ ایک بار حضرت الشیخ نظام الدین قدس سرہ سے مجھے کلاہ ملی تھی وہ کھو گئی اس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوا اور فریاد و زاری کرنے لگا۔ میرے دل میں سوچا کہ خداوند مولانا محمود (حضرت نصیر الدین چراغ دہلی) کی خدمت میں جاؤں اور ٹوپی کے گم ہونے کا ماجرا سناؤں۔ اس وقت مولانا محمود (سلمہ اللہ العزیز) عالم مشغولی میں تھے۔[2] فرمایا: جاؤ اس سے بڑی اور بہتر نعمت تم کو ملے گی۔" یہاں بندہ نے عرض کیا کہ مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ حضور سے دریافت کروں یہاں "درکار بودن" کا کیا مطلب ہے؟ خواجہ نے فرمایا کہ "درکار بودن" یہ ہے کہ مشغولی، استغراق، اور ذوق کا عالم ہو۔ غرض مولانا برہان الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب مولانا محمود سلمہ اللہ نے فرما دیا کہ اس سے بہتر اور بڑی نعمت پاؤ گے تو مجھ بندے نے ان کی بات پکڑ لی اور اپنے شیخ (حضرت نظام الدین اولیاء) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس روز شیخ نے اپنا "مصلائے صف" مجھے عنایت فرمایا۔ اور یہ نعمت اس (ٹوپی) سے بہتر اور بڑی تھی جب بندہ نے یہ حکایت ختم کی تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ آج کتنے برس کے بعد یہ قصہ یاد دلایا ہے۔ بہت خوش ہوئے فرمایا مولانا برہان الدینؒ کے ملفوظات لاؤ۔ بندہ نے پھر عرض کیا مولانا برہان الدین علیہ الرحمۃ ہی نے حضور سے اتنی عقیدت اور محبت میرے دل میں پیدا کردی ہے۔ میں نے بارہا دل میں سوچا ہے کہ ایسا بزرگوار صاحب کشف و کرامات، ممتاز درویش، مرد واصل، صاحب ولایت، عاشق سوختہ جسے حضور ...

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا برہان الدین غریب کے ملفوظات حمید قلندر نے بھی جمع کئے تھے۔ یہ الموں موتی بھی اب ناپید ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ کا نام "اخبار الاخیار" تھا (خیر المجالس ص ۲۷۹)

[2] یہاں فارسی میں "درکار بود" استعمال ہوا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آتی ہے

استفادہ کرتا ہے اور نعمت پاتا ہے تو حضور کی بزرگی کا کیا ٹھکانا ہے۔ یا اللہ کب وہ دن آئے گا کہ میں بھی اس سعادت سے فائدہ حاصل کروں۔ اس موقع پر حضور خواجہ نے فرمایا: "تمھیں کیا کہیں قلندر یا صوفی؟ قلندر کہیں تو کیسے تم تو طالب علم ہو۔" بندہ نے عرض کیا کہ میں ایک دن شیخ (نظام الدینؒ) کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور انھوں نے دسترخوان کھچا رکھا تھا، وہ افطار کر چکے تھے۔ عین کھانے کے دوران ایک روٹی ٹوٹ گئی۔ آدھی اپنے سامنے رکھی اور آدھی مجھے مرحمت فرما دی۔ بندہ نے وہ آدھی روٹی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی جب شیخ کی خدمت سے نکل کر باہر آیا تو کچھ قلندر آن پہنچے اور کہنے لگے: شیخ زادے ہمیں کوئی چیز دو

میں نے کہا: میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ قلندروں نے کشف سے معلوم کر لیا اور کہا کہ وہ آدھی روٹی جو تمھیں شیخ کی خدمت میں ملی ہے وہ ہمیں دے دو۔ میں چھوٹا سا تھا، سخت حیرت ہوئی کہ انھیں کیسے پتا لگ گیا۔ ان میں سے تو کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ مجبوراً آستین سے وہ آدھی روٹی نکال کر انھیں دے دی۔ قلندر وہیں دہلیز خانے پر جو کیلو کھڑی کی جامع مسجد کے پاس تھا، بیٹھ گئے اور اس روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گئے۔ اس اثنا میں بندہ کے والد بھی شیخ کی خدمت سے اٹھ کر باہر آ گئے اور پوچھنے لگے کہ اس روٹی کا کیا کیا؟ میں نے کہا: قلندروں کو دے دی۔ انھوں نے افسوس کیا اور کہا تو نے کیوں دی؟ وہ تو ایک نعمت تھی۔ اسی پریشانی کے عالم میں، الٹے پاؤں پھر شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت شیخ سمجھ گئے اور خود ہی فرمانا شروع کیا: مولانا تاج الدین[1] خاطر جمع رکھو تمہارا بیٹا بھی قلندر ہوگا۔" تب میرے والد کو اطمینان ہوا۔ جب حضرت شیخ نے "قلندر" کہہ دیا، اب آپ (حضرت چراغ دہلی) بھی قلندر فرما رہے ہیں۔

جب حضرت خواجہ نے یہ داستان سنی تو فرمایا: "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم حضرت شیخ (نظام الدینؒ) کے مرید ہو آؤ تمھیں گلے سے لگا لوں۔" بندہ نزدیک گیا خواجہ نے بڑی محبت کے ساتھ سینے سے لگایا۔ اس دن بڑی برکتیں دیکھیں الحمد للہ۔"[2]

اخبار الاخیار[3] دوسری مجلس میں یہ بیان ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے حکم کی تعمیل میں ایک دن حمید قلندر وہ مجموعہ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے جس میں حضرت مولانا برہان الدین غریب رح کے ملفوظات انہوں نے جمع کیے تھے۔ اور ایک دوسرے موقع پر اس کا نام کلمی اخبار الاخیار بتایا ہے۔ اس میں بیس مجلسوں کی گفتگو قلمبند ہوئی تھی۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، وہ مقام نکالو (جس کا مجلس اول میں تذکرہ ہوا تھا) اتفاق سے وہاں کا ورق پھٹا ہوا تھا وہی نکال کر حمید قلندر نے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت نے وہ حکایت پڑھی اور پسند فرمایا۔ پھر کتاب کو شروع سے ملاحظہ فرمایا اور چند جز پڑھے اور بار بار کہتے جاتے تھے۔ درویش تم نے خوب لکھا ہے۔"

اس وقت حمید قلندر کے دل میں "خیر المجالس" کے قلم بند کرنے کا خیال القا ہوا اور انھوں نے حضرت چراغ دہلیؒ سے مودبانہ عرض کی کہ "حضور — مولانا برہان الدینؒ خود رسیدہ درویش تھے، حضور علم میں بھی ابو حنیفۂ وقت ہیں اور زہد و تقویٰ میں تو آپ اپنے عہد کے حضرت نظام الدینؒ

---

[1] حمید قلندر جامع خیر المجالس کے والد بزرگوار۔ یہ خود بھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت تھے۔
[2] خیر المجالس: مجلس اول، صفحات ۸ – ۱۱
[3] خیر المجالس: ۲۷۹

ہیں، میں ان شاء اللہ حضور کی مجلسوں کو بھی قلم بند کروں گا۔"[1] یہ گویا خیر المجالس کی تالیف کا آغاز تھا اور یہ ۷۵۵ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء کے انتقال کو تیس سال اور حضرت برہان الدین غریبؒ کے وصال کو سترہ سال گذر چکے تھے۔

اس کے بعد ۵۵ ویں مجلس میں مولانا برہان الدین غریبؒ کا حوالہ ملتا ہے۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا:

"جب یہ دعاگو اودھ سے دہلی آتا تھا تو مولانا برہان الدین غریبؒ کے احباب، امیر خسرو، امیر حسن اور دوسرے دوست جب سن لیتے تھے کہ فقیر آرہا ہے تو چند روز تک دعوتوں کا سلسلہ رکھتے تھے۔ جب میں یہاں پہنچتا تھا تو متواتر دعوتیں ہوتی تھیں۔ دستر خوان کے وقت شیخ کی خدمت میں عرضداشت کی جاتی تھی کہ فلاں کو بھیج دیں تاکہ اقبال آپ کا فرد پہنچاتا تھا۔ میں جاتا تھا شہر میں اس سے ایک دن پہلے خبر کر دی جاتی تھی[2] اس لئے کہ اگر اسی روز غیاث پور سے شہر آئیں تو بہت تکان ہو جاتی تھی۔ اس روز مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر قیام کرتا تھا۔ دوسرے دن ان کے ساتھ مل کر جاتے تھے اور عصر کے وقت تک دعوت رہتی تھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مغرب کا وقت بھی وہیں ہو جاتا تھا۔ جب واپس آتا تھا تو غیر وقت ہو جاتا تھا اور غیاث پور پہنچنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ اس لئے رات کو بھی مولانا برہان الدین غریبؒ کے گھر رہتا تھا۔ تیسرے دن آخر کوئی دوست آتا تھا اور کہتا تھا: "ہمارے یہاں بھی کچھ دیر انتظار کیجئے تاکہ چاشت کا وقت گذر جائے۔" قیلولہ کا وقت ہوتا تھا تب کہیں غیاث پور پہنچتا تھا اس روز بھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض ایک دن میں اودھ سے آیا ہوا تھا اور بھائی بھی ساتھ تھے یعنی خواجہ یوسف کے والد۔ اس روز میں نے بہت ہی کم کھایا تھا۔ بھائی مبشر کے پاس گئے اور کہا کہ فلاں نے بہت سا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ بیکار جائے گا۔ خدمت شیخ میں گزارش کرو۔ مبشر حضرت شیخ کی خدمت میں گیا اور کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور کہا کہ جب میں دستر خوان اٹھاتا ہوں تو فلاں (یعنی خود چراغ دہلیؒ) کے سامنے سب کھانا بدستور موجود ہوتا ہے۔ حضرت شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص بھیجی اور فرمایا یہ سب کھا لینا۔ وہ قرص تقریباً دو سیر کی ہوگی[3] اس پر حلوا اور رکھا ہوا تھا جو احباب ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ رمضان کی پہلی تاریخ سے انھیں سحری کا کھانا اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا فخر الدین زرادیؒ[4] اور مولانا

---

[1] خیر المجالس (مجلس دوم) صفحات ۱۱ - ۱۲

[2] یہ آداب خانقاہ میں سے تھا کہ جماعت خانے کے کسی مہمان کی دعوت حضرت کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔

[3] یعنی جس روز دعوت ہو اس سے ایک دن پہلے ایک دن پہلے غیاث پور سے دہلی جاتے تھے اور دعوت سے ایک دن بعد واپسی ہوتی تھی اس زمانے میں دہلی مہرولی اور حوض خاص کے آس پاس آباد تھی۔ غیاث پور موجودہ بستی نظام الدینؒ کا نام تھا۔

[4] یہ سیر آج کل کے سیر سے کم ہوتا تھا۔ دو سیر کو تقریباً موجودہ آدھا سیر کی برابر قیاس کرنا چاہیئے

[5] حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں۔ حالات کے لئے دیکھو: اخبار الاخیار (ص ۹۱ - ۹۲ - غالباً ۷۴۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۷۲۸ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی میں غرق ہو کر شہادت پائی۔ صاحب تصنیف اور عالم متبحر تھے۔ ان کا ایک رسالہ سماع کے موضوع پر کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی کے ذخیرہ مخطوطات میں موجود ہے (سیر الاولیاء: ۲۷۰ - ۲۷۵)

حسام الدین ملتانی و مولانا شہاب الدین امام[1] یہ سب صوم دوام رکھتے تھے۔ بلکہ مولانا برہان الدین آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں سحری کھاتے تھے۔ کھچڑی گھی پڑی ہوئی۔ سب احباب جمع ہوتے تھے اور ہاتھ دھلواتے تھے پھر سحری اٹھائی جاتی تھی۔ غرض جب حضرت شیخ نے وہ قرص بھیجی تو میں حیران ہوا کہ تنی بڑی روٹی کیسے کھاؤں گا؟ اس سے تو بیماری ہو سکتی ہے۔[2] عشاء کے وقت وہ قرص میں نے سامنے رکھ لی۔ تھوڑی سی کھائی باقی سینت کر رکھ دی اور نماز میں مشغول ہو گیا چند رکعت نماز پڑھی۔ پھر اس میں سے تھوڑی روٹی کھا لی۔ اس وقت ایک تہائی رات گذر چکی تھی۔ غنودگی طاری ہو گئی۔ اس وقت پھر اٹھا اور دوبارہ وضو کیا۔ تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر قرص سامنے لی اور سب کھا لی۔ کوئی بھی زحمت نہیں ہوئی۔[3]

پھر فرمایا کہ اسی زمانے میں ایسا ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں اور تینوں دعوتوں میں تین تین دن تک شہر میں رہا اور نو دن تک حضرت شیخ کو نہیں دیکھا۔ دوسری جگہوں سے بھی بلاوے آئے اور شیخ کی خدمت میں بھی عرضداشت دی گئی۔ ایسا یاد آتا ہے کہ اس وقت (حضرت شیخ کے) خادم نصیر تھے۔ انہوں نے شیخ کا فرمان (مجھ تک) پہنچایا کہ دعوت میں جاؤ — میں نے کہا کہ مجھے شیخ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کرنی ہے۔ میری طلبی ہوئی شیخ کی خدمت میں گیا۔ فرمایا: کیا کہنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بندہ ادھر سے آرہا ہے اور اس اشتیاق کے ساتھ کہ کچھ وقت حضور کے قدموں میں بسر ہو جائے اور روزانہ حضرت شیخ کا دیدار کروں۔ ہر شخص دعوت میں کھینچتا ہے اور حضور کی خدمت میں عرضداشت پیش کرتا ہے۔ حضور کا فرمان ہوتا ہے جاؤ۔ پہلے دن جاتا ہوں تو مولانا برہان الدین غریب کے گھر رہتا ہوں۔ دوسرے روز دعوت ہوتی ہے اس روز بھی واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ تیسرے دن بھی کوئی مزاحم ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ناشتہ کر لو۔ قیلولے کے وقت یہاں پہنچ پاتا ہوں۔ اس روز بھی حضور سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔"

اس پر حضرت شیخ نے خواجہ سے کہا کہ اس شخص کو بلاؤ جو مولانا کو طلب کرنے آیا ہے اور اسے واپس کر دو یہ کہہ دو کہ شہر کے احباب کو یہیں بھیج دو۔ فلاں کو معاف رکھو۔ وہ سب لوگ شکستہ دل واپس ہو گئے۔"[4]

اس کے بعد ۷۷ ویں مجلس میں پھر مولانا برہان الدین غریبؒ کا تذکرہ آیا ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے مرشد حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کا زمانہ یاد کر رہے ہیں کہ یا اللہ وہ بھی کیسے لوگ تھے۔ کتنے صابر تھے۔ کیا زمانہ تھا اس وقت کے کچھ لوگوں کے نام لئے کہ مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کیسے بزرگ تھے![5] وغیرہ

مجلس ۸۹ میں بیان ہوا ہے کہ جب بھی حضرت چراغ دہلیؒ اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں آتے تھے چالیس دن یا کم و بیش وہاں قیام رہتا تھا۔ اس زمانے میں جماعت خانے میں اتنے مسافر بھی نہیں ہوتے تھے۔

---

[1] ۶۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ ہیں۔ گجرات کے شہر کھنبایت میں انتقال فرمایا تھا۔ وہیں مزار مبارک ہے۔ — حالات کے لئے دیکھو: سیر الاولیاء: ۲۵۶ - ۲۶۲ اخبار الاخیار ۸۹ - ۹۱۔

[2] ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار: ۷۹ سیر الاولیاء: ۲۹۲ — ۲۹۰

[3] یعنی مقدار میں زیادہ ہونے کے سبب سے معدے میں گرانی کر سکتی ہے۔

[4] خیر المجالس، صفحات ۱۸۵ — ۱۸۷

[5] خیر المجالس (مجلس ۷۷) صفحہ ۲۴۰

پھر بیس دن یا پچاس دن قیام رہنے لگا۔ ایک بار شیخ نے بطریق مرحمت فرمایا کہ مجھے تمہارے یہاں ٹھہرنے سے کوئی گرانی نہیں ہے مگر کیا کروں مسافر زیادہ ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ اس کے دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ پہلے چالیس دن رہتا تھا اور اب دس دن پر نوبت آگئی ہے۔ اس کے بعد ہی چھٹے یا ساتویں دن اقبال (خادم) آیا اور کہا "تیاری کر لو" میں نے کہا کیوں؟ کہا، ملاعنہ کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ ابھی سلطان علاء الدین نے شیخ کی خدمت میں آدمی بھیجا ہے کہ ملاعنہ کا خطرہ ہے۔ آپ شہر کے اندر آجائیں۔ اور حضرت شیخ کل ورنہ پرسوں شہر میں تشریف لے جائیں گے اسی وقت یہ خبر آئی کہ جانوروں کو مقرر کر دیا گیا ہے جو اطراف کے باشندوں کو سوار کر کے شہر میں لائیں گے پھر سب دیہات تباہ کر کے کھیتوں کو آگ دے دی جائے گی میرے جانور مولانا فخر الدین زرادی کے گاؤں میں تھے۔ مولانا فخر الدین کے رشتہ داروں میں سے کسی کا گاؤں تھا۔ اس نے مولانا کے گاؤں میں مویشیوں کو بھیج دیا تھا میں نے رقعہ لکھ کر اپنے مویشی منگوائے اور پھر مولانا برہان الدین غریب کو رقعہ لکھا کہ بندہ کل شیخ کی خدمت سے وداع ہوگا۔ اور ان سے رخصت ہونے کے بعد اور کہیں جا نہیں سکتا۔ لہٰذا ہمارے تمہارے درمیان یہ رقعہ ہی (وداعی پیغام) ہے۔ مولانا برہان الدین غریب نے جواب لکھا کہ میں کل تمہیں کیلو کھڑی میں الوداع کہنے خود آؤں گا۔[۱]

خیر المجالس کے عام نسخوں میں تو یہ واقعہ یہیں تک ہے لیکن کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا مخطوطہ جو ۱۳۱۳ھ کا لکھا ہوا ہے اس موقع پر ایک دلچسپ اضافہ بھی رکھتا ہے جسے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مرتبہ نسخے میں حاشیے پر درج کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسی سفر میں ایک ترک لونڈی بھی حضرت کے ساتھ تھی۔ راستے میں اس نے حضرت چراغ دہلی کی طرف "تیز نگاہوں" سے دیکھا اور ایک مرحلے پر آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ سامنے حضرت نظام الدین اولیاء کھڑے ہیں اور دانتوں میں انگلی دبا کر اشارے سے منع کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور "غصہ میں" بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد تو گویا خواہش نفسانی بالکل سلب ہی ہو گئی۔ بعد کو جب شیخ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے فرمایا کہ مرید پر پیر کا حق وہی ہے جو تم نے پورا کیا کہ جوتے بھی نہ پہنے اور ننگے پاؤں ہی چلے آئے کہ اس سے بھی تعمیل حکم میں تاخیر ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اپنے بیوی بچوں کو الوداع بھی نہ کہا — یہ پیر کا حق تھا مرید پر۔ مگر مرید کا حق پیر پر وہ تھا جو تم نے راستے میں دیکھا۔ بندہ کو جب یاد آیا تو شرمندہ ہوا۔"[۲]

لیکن حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات میں اس واقعہ کا اضافہ کسی نے بعد میں کر دیا ہے۔ یہ قصہ سیر الاولیاء اور جوامع الکلم میں بھی ملتا ہے۔ موخر الذکر میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے ایک مرید کے مابین بتایا گیا ہے۔

خیر المجالس کا ضمیمہ جو آصفیہ کے مخطوطے میں ہے۔ اس میں وہی کلاہ کے گم ہونے کا قصہ ہے جس کا تذکرہ پہلی مجلس میں بھی آیا ہے اور جسے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ ضمیمہ کی عبارت کے مطابق جب مولانا برہان الدین غریب سے حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کی عطا کردہ کلاہ مبارک گم ہوئی ہے وہ سراسیمہ و پریشان حضرت چراغ دہلویؒ کی خدمت میں آئے ہیں اس وقت "حضرت شیخ نصیر الدین ہم در خانہ ایشاں بین العصر والمغرب به استغراقی تمام مشغول بودند۔"[۳] گویا حضرت چراغ دہلوی انھیں کے گھر میں مہمان تھے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب ان کی بشارت کے مطابق اس سے بہتر نعمت یعنی "مصلائے خاص" شیخ سے عطا ہوا تو یہ فرط مسرت سے اسے صندوق میں رکھنے لگے۔ اس وقت وہ گم شدہ کلاہ بھی اسی میں مل گئی!

---

۱ خیر المجالس (مجلس ۸۹) صفحہ ۲۶
۲ خیر المجالس (مجلس ۸۹ ، حاشیہ (اضافہ از نسخہ آصفیہ حیدرآباد) صفحہ ۲۶۰
۳ خیر المجالس (ضمیمہ) صفحہ ۲۸۵

شیخ کا ادب} درویشوں کے ادب کا ذکر ہوا اور حضرت برہان الدین غریبؒ نے فرمایا، جس وقت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ پالانے میں سوار ہوتے تو محافے کے سامنے مرید ننگے پاؤں چلتے تھے تاکہ شیخ کی طرف منہ رہے۔

شیخ کی اتباع} (۲) شیخ کے اتباع کامل کے ذکر میں فرمایا، لکھنوتی (بنگال) سے ایک وقت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص نے جھمر تلی (ایک قسم کا کپڑا) بھیجی۔ خادم نے شیخ کے لیے قطع کرانا چاہا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے آج تک شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کو جھمر تلی کا کپڑا پہنے نہیں دیکھا، میں کیسے پہنوں؟ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کے کسی دوست (مرید) حاضر تھے، کہا: شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ نے جھمر تلی کپڑا پہنا ہے۔" شیخ نے فرمایا، تم ذمہ دار ہو۔ اگر پہنا ہے، میرے لیے قطع کراؤ۔"

زفقہٗ او کفنہٗ اللہ لو} (۳) ایک شخص شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی خدمت میں آیا اور آپ کا دامن مبارک پکڑ کے عرض کرنے لگا کہ میرا بیل گم ہوگیا ہے آپ ڈھونڈ دیجئے۔ شیخ نے فرمایا" فلاں ویرانے میں ہے جا کے لے لے۔" وہ شخص گیا اور جہاں بتایا تھا وہیں پایا۔ حضرت شیخ الاسلام سے پوچھا: آپ نے کیسے بتا دیا؟ فرمایا: "جب اس نے میرا دامن پکڑا میں حق کی طرف رجوع ہوا اور کہا خداوندا جو تو مجھ سے کہلوائے گا میں کہہ دوں گا۔"

تاثیر زبان} (۴) ایک شخص کا گھوڑا گم ہوگیا، شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میرا گھوڑا دلا دیجئے۔ شیخ نے فرمایا: ایک گھوڑے کے بدلے دو لے۔ عرض کیا: نہیں، وہی میرا گھوڑا دیجئے۔ شیخ نے ستر تک بڑھا دیا یعنی ایک گھوڑے کے بدلے ستر گھوڑے لے۔ اس نے کہا: وہی میرا گھوڑا دیجئے۔ پھر فرمایا: اچھا وہی گھوڑا تم کو مل جائے گا۔ چند ہی روز کے بعد وہ گھوڑا مل گیا۔ اور شیخ الاسلام کی زبان مبارک کی برکت سے ایک مہینے میں اس کے پاس اور ستر گھوڑے ہو گئے۔"

کشف احوال} (۵) ایک دفعہ سو ہوشمند درویشوں کی جماعت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی خدمت میں آئی۔ شیخ نے خادم سے فرمایا: ان کے سرگروہ کو فلاں حجرے میں اتار دو اور حجرے کو باہر سے قفل لگا دو اور دوسرے درویشوں کو جماعت خانے میں اتار دو۔ درویشوں کو کھانا پانی دو اور سرگروہ کو مہلت دو۔" شیخ کا جیسا حکم ہوا خادم نے تعمیل کی۔ تیسرے روز شیخ اس حجرے کے دروازے پر آئے اور فرمایا کہ "اے فلاں، اگر تو مسلمان ہوتا ہے تو دروازہ کھولتا ہوں۔" وہ مسلمان ہوگیا باہر نکل کر گدڑی اتاری۔ گدڑی کے نیچے زنار تھی۔ کہنے لگا تیس برس ہوئے کہ میں خراسان، ہند کے ملکوں میں پھرتا ہوں، کسی نے مجھ کو نہیں پہچانا۔ مرد کامل آپ تھے جو پہچان لیا۔"

فرق مراتب} (۶) ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ نے حاکم ملتان کو خط میں لکھا کہ "شرف الدولہ کو معلوم ہو۔" فرمایا کہ "شرف الدولہ ہی لکھا ہوں شرف الدین نہیں لکھا۔ کیونکہ وہ دولت کو پہنچا اور مال و متاع

بابا ہے لیکن یہ نہیں جانتا ہوں کہ وہ ذہن رکھتا ہے یا نہیں۔"

(۹) ایک دفعہ کسی شخص نے لونڈی خریدی اور شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کی خدمت میں لایا اور عرض کی کہ اس کا نام مقرر فرما دیجئے۔ شیخ نے فرمایا۔ "کیا نام رکھیں؟" عرض کیا بادام یا گل بادام۔ شیخ نے فرمایا "گل؟ دام کہاں سے ہوئی؟ لیکن اس کا نام گلچیں رکھو۔ کیونکہ اس ملک میں باغ بہت ہیں۔ اور ممکن ہے اس نے باغوں میں پھول چنے ہوں۔" [1]

قبولیت شیخ ابتدائی زمانے میں شیخ نظام الدین قدس سرہ نے خواب دیکھا گویا کہ شیخ نے ایک مجلس میں جہاں بہت سے صوفی جمع ہیں داخل ہو کر بیٹھنا چاہا۔ ایک صوفی نے شیخ کو آواز دی کہ آپ اس مجلس میں کیسے آئے؟ شیخ متحیر ہوئے اسی مجلس میں دیکھا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ تشریف لائے اور اس صوفی کو سلام کیا اور کہا اس کو ہم نے قبول کیا ہے صوفی نے کہا اگر آپ نے قبول کیا ہے تو رہنے دو۔

الفقر فخری فرمایا: ایک دفعہ شیخ الاسلام فریدالدین نور اللہ مضجعہ کے ہاں کئی فاقے گذرے شیخ الاسلام کے خدمت گار وغیرہ عاجز ہو گئے اور عرض کیا کہ آپ قطب ہو، فقر و فاقہ کی برداشت کر سکتے ہو۔ ہم بھوک کی تاب نہیں لا سکتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: (جو کوئی میرے پاس رہے) اس کو چاہئے کہ میرے ساتھ موافقت کرے اور جو شخص میرے ساتھ نہ رہنا چاہے چلا جائے۔ اور نکاح کر لے۔ ہمارے بچوں کو ہمارے سامنے ڈال دے اگر حق جل و علا جلائے گا جئیں گے، اگر مارے گا مر جائیں گے۔

بابا صاحبؒ سماع میں (۱۲) (حضرت برہان الدین غریب) نے فرمایا شیخ کو صاحب سماع نہ ہونا چاہئے یعنی سماع میں پہلے نہ اٹھنا چاہئے۔ جب شیخ کو رقت یا حال وارد ہو تو کوئی ایک شخص پہلے اٹھے تاکہ شیخ اس کا متابع ہو جاوے ... جس وقت شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کو حال غالب ہوتا۔ محمود نام کا ایک مرید تھا، شیخ اس سے فرماتے: "محمود تو زندہ ہے؟" "لبیک اللہ۔ محمود کھڑا ہوتا۔ پھر شیخ وجد فرماتے۔

زبان مبارک کا اثر (۱۳) ایک دفعہ ایک شخص شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کے پاس میوہ لایا اور عرض کیا کہ ہمیشہ میں خود (اس کی قلم) باندھتا ہوں مگر یہ کھٹا ہی ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام نے (اس میوے) کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا: "اے میوے اس کے بعد کھٹا مت ہو" پھر جب کبھی میوہ آتا میٹھا آتا اور کھٹا نہ ہوتا تھا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے واقعات احسن الاقوال میں بابا صاحبؒ کا تو ان ہی تیرہ روایتوں میں تذکرہ ہے لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کے حالات و کرامات و ملفوظات سے متعلق روایات تقریباً ہر صفحے پر ہیں۔ ان کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) (حضرت برہان الدین غریبؒ) فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص درویش کے پاس مہم یا حاجت بر آنے کی نیت

---

[1] مجھے شبہ ہے کہ آخری جملے میں مترجم سے کچھ سہو ہوا ہے۔ اصل فارسی عبارت جب تک سامنے نہ ہو کچھ کہنا مشکل ہے۔

سے کوئی چیز (خوردہ، یا روپیہ لائے، اگر وہ کام پورا ہونے والا ہو تو درویش ان چیزوں کو قبول کرے ورنہ ان کا لینا حرام ہوگا۔ اس بات پر دلیل یہ ہے کہ۔۔۔ ایک وقت چند مسافر ہمارے خواجہ شیخ الاسلام نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جماعت خانے میں اترے تھے۔ ایک آدمی نے گھوڑا خرید کیا اور ایک تنکہ چاندی کا شیخ الاسلام نظام الحق کی خدمت میں (بطور شکرانہ) لایا۔ آپ آرام فرماتے تھے۔ مسافروں نے کہا کہ شیخ آرام فرماتے ہیں یہ تنکہ ہم کو دے دو تاکہ ہم تکبیر کہیں اور حضرت شیخ الاسلام بھی تکبیر کہیں گے اس آدمی نے دے دیا اور چلا گیا۔ اور چند روز کے بعد وہ گھوڑا گم ہو گیا۔ وہ شخص شیخ الاسلام کی خدمت میں آیا۔ اور کیفیت عرض کی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ "مسافروں سے کہو کہ اس کے گھوڑے کا جواب دیں۔" (ص ۷)

نیاز لانے والے کا حق

(۲) (حضرت برہان الدین غریبؒ نے) فرمایا: درویش کے پاس کوئی شخص کچھ چیز لایا ہو اور پھر معلوم ہو جائے کہ اس کو کوئی اہم درپیش ہے تو درویش کو اس کے کام میں مشغول ہونا چاہئے خواہ وہ خبر کرے یا نہ کرے۔ اس کے ثبوت میں فرمایا کہ ایک آدمی کسی روز چاندی کا تنکہ (حضرت شیخ نظام الدینؒ کی) خدمت میں لایا تھا تھوڑی مدت کے بعد وہ بیمار ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کی بیماری کی خبر سن کر فرمایا کہ "وہ چاندی کا تنکہ میرے دل میں کھٹکتا تھا۔ اب اس کے لئے دعا کرنا چاہئے تاکہ وہ صحت پاوے۔" (ص ۸)

(۳) ایک وقت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے روضۂ مبارک کا مجاور شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آیا اور کہا: ہر شخص میرے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے اور کوئی چیز دے جاتا ہے میں دعا کرنا نہیں جانتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں اطلاع دیتا ہوں کہ کیا کروں؟" شیخ الاسلام نے فرمایا: جو شخص تیرے حق میں مہربانی کرے تو فقط "جزاک اللہ خیراً" کہہ دیجیو۔ اس کا کوئی حق تجھ پر نہ رہے گا۔ (ص ۹ - ۱۰)

سفر میں جانے کے آداب

(۴) (حضرت برہان الدین غریبؒ نے) فرمایا: جب مرید کسی جگہ سے آئے پہلے اپنے شیخ کو دیکھے پھر گھر میں جائے اور جو کہیں جاوے شیخ کی نظر کے سامنے سے روانہ ہو جائے۔۔۔۔ مولانا نصیر الدین (چراغ دہلی) "دام اللہ برکاتہ" کو شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے رخصت کیا آپ ہمارے سامنے ہی روانہ ہو گئے اور مکان میں کہلا بھیجا کہ میرا گھوڑا فلاں جگہ لاؤ۔ یعنی گھر میں نہ گئے (ص ۱۱)

دعوت کے آداب

(۵) (حضرت برہان الدین غریبؒ) فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص درویش کو دعوت دے درویش اپنے ساتھ دوسرے آدمیوں کو نہ لے جائے لیکن جب صاحب دعوت نے کہا ہو کہ اپنے ہمراہ خادموں اور اہل نصرت کو لیتے آؤ۔۔۔۔۔ ورنہ اکیلا جاوے۔ ایک وقت کسی نے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کو دعوت دی جب شیخ اس کے مکان کو جا رہے تھے راستے میں ایک دوست کو آتے دیکھا، پوچھا: کہاں جاتے ہو۔ کہا: فلاں شخص نے مجھ کو اجازت دی ہے۔ شیخ نے فرمایا: اس نے مجھے دعوت (کا اختیار) دیا ہے جس کو میں بلاؤں وہ آوے اسے دوسرے آدمی کو بلانا جائز نہیں۔"

شیخ سے رخصت ہونے کے آداب

(۶) (حضرت برہان الدین غریبؒ) فرماتے تھے کہ پیر کی

ناخوشی اور غصہ کے وقت مرید کو رخصت نہ ہونا چاہیے۔ اگر رخصت ہوگا پیر کی ناخوشی اس میں اثر کرے گی۔ ۔ ۔ میرے بھائی ۔ ۔ ۔ خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی کو سلطان نے کسی مہم پر روانہ کیا۔ وہ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے پاس رخصت ہونے آئے۔ اتفاقاً اس مجلس میں شیخ کسی دوست پر گرم مزاج ہو گئے تھے۔ اسی اثنا میں خواجہ رکن الدین رخصت کے لئے کھڑے ہوئے۔ فرمایا: "میں اس وقت ناخوش ہوں۔ تم تھوڑی دیر جماعت خانے میں بیٹھو تاکہ میری ناخوشی دفع ہو جائے۔ خواجہ رکن الدین جماعت خانے میں آگئے۔ کچھ دیر بعد شیخ نے خواجہ رکن الدین کو بلایا اور پیرہن خاص دے کر خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔" (ص ۱۲)

اشاروں میں تربیت (۷) شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے: كَلامُنا اِشارةٌ فَاِذا صارَ عِبارةً عادَ جَفةً۔ (یعنی ہماری تعلیم اشاروں میں ہے۔ جب وہ عبارت میں آتی ہے تو درشت ہوتی ہے) ص ۱۲

مہمان کی راحت کا خیال (۸) حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ فرماتے تھے: جو مسافر کسی خانقاہ میں اترے خادم پر واجب ہے کہ یہ دو جگہ بتا دے ایک پانی کی جگہ دوسرے پیشاب خانے کی جگہ[1] (ص ۱۳)

زیارت کے آداب (۹) کوئی مسافر خانقاہ میں ٹھہرے، وہ جب بازار کو جاوے تو خالی ہاتھ درویش کے پاس نہ آئے۔ ترکاری میوے وغیرہ کچھ بھی ہاتھ میں لے کر آئے ۔ ۔ ۔ یہاں تک کہ جب شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آتا اور خانقاہ میں ایک دو روز رہتا تو جتنی بار شیخ کے پاس جاتا ضرور کوئی چیز ہاتھ میں لے کر جاتا۔" (ص ۱۳)

(۱۰) جو شخص خوانچہ یا پیالہ یا پاندان اور مثل اس کے درویش کے پاس لے جاوے تو خالی نہ لے جاوے۔ اس کے مناسب چیز ڈال کر لے جاوے ۔ ۔ ۔ ۔ ایک وقت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ غیاث پور جا رہے تھے راستے میں ایک دوست کو دیکھا کہ خوانچہ آپ کے مطبخ کے لئے لے جا رہا ہے۔ فرمایا کہ: درویشوں کے پاس خالی نہ جانا چاہیے دو پیسے کی روٹیاں اور پوڑیاں لے اور خوانچے میں رکھ کر لے جا۔" (ص ۱۳)

چاقو یا سوئی (۱۱) فرماتے تھے کہ درویش کے پاس صرف چھری یا استرہ نہ لانا چاہیے۔ اگر لائیں تو اس کے ساتھ سوئی کو

---

[1] حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے حالات میں پڑھا تھا کہ جب کوئی مسافر مولانا کی خانقاہ میں آتا تھا تو خادم کو حضرت کا حکم تھا کہ اسے سب سے پہلے پاخانہ کی جگہ بتا دو اور ضروریات انجن اس کا راستہ دکھا دو۔ میرا خیال تھا کہ یہ مولانا تھانوی کی جزرس طبیعت کا نتیجہ تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ جیسے گھر میں مہمان کے لئے یہی دو باتیں سب سے زیادہ اہم ہوتی ہیں اور اکثر بہت سے کم سن آدمی جلدی میں اپنی حاجت کو ضبط کئے رہتے ہیں۔ اور درجہ مجبوری میں میزبان سے اظہار کرتا ہے لیکن احسن الاقوال سے معلوم ہوا کہ حضرت برہان الدین غریبؒ کا ملفوظ ہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے تربیت یافتہ تھے اور ان کی خانقاہ کا انتظام بھی وہی تھا جو دہلی میں حضرت محبوب الٰہی کے جماعت خانے کا تھا۔ اس لئے قریب بہ یقین ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا کے یہاں بھی یہی عمل رہا ہوگا۔

بھی رکھیں کیونکہ چھری، استرہ کاٹنے کا ہتھیار ہے اور سوئی سینے اور جوڑنے کا اوزار ہے۔ اگر فقط چھری ہو تو اس کے ساتھ گوشت بھی لائیں اور سوئی کے ساتھ تاگا لانا چاہیے۔" (ص ۱۵)

شیخ کے اخلاق گواہ ہوتے ہیں

(۱۲) فرمایا بعض آدمی کہتے ہیں ہم تیس برس سے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے مرید ہیں۔ دعاگو (حضرت برہان الدین غریبؒ) کہتا ہے "اگر تم مرید ہو گواہ لاؤ۔ یعنی شیخ کے اخلاق کیا سیکھے ہو؟ اگر ان کو خیال دیں تو خیال کرنا نہیں جانتے۔"

شادم از زندگی خویش

(۱۳) ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے دست مبارک میں (خواجہ برہان الدین غریبؒ نے) آئینہ دیا آپ نے ایک سفید بال اپنی ڈاڑھی مبارک میں دیکھا فرمایا: "الحمد للہ ہم نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی خدمت میں اپنے کالے بال سفید کئے۔" (ص ۲۵)

ادب

(۱۴) خواجہ قطب الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ جس وقت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کو آتے شیخ کے گنبد مبارک پر نظر پڑتے ہی فوراً گھوڑے سے اتر جاتے اور زمین بوس ہوتے اور وہاں سے پیدل زیارت کو جاتے۔ (ص ۲۶)

زیارت کے آداب

(۱۵) (خواجہ برہان الدین غریبؒ) فرمایا کہ میں ایک دفعہ دہلی سے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی ملاقات کی نیت سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک دوست نے مجھ کو پکڑ لیا مجبور کیا کہ ناشتہ کیجئے، مجبوراً اس کی موافقت خاطر کے لئے ناشتہ کیا گیا جب وہاں سے روانہ ہوا غیاث پور کا راستہ بھول گیا ان دنوں وہ راستہ لوٹا جاتا تھا۔ جتنا پھرتا تھا راستہ نہیں ملتا تھا۔ آخر جان اور کپڑوں کا خوف ہونے لگا۔ دل میں سوچا کہ اس راستے سے کئی مرتبہ آیا اور گیا ہوں اب کی مرتبہ کس وجہ سے راستہ بھول گیا ہوں۔ معلوم ہوا کہ مکان سے شیخ کی نیت سے نکلا تھا اور راستے میں دوسری چیز میں مشغول ہو گیا۔ یہ اس کی شامت تھی۔ اسی وقت عہد کر لیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔ چند قدم چلا، دیکھا کہ غیاث پور نظر آ رہا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچکر یہ بات عرض کی اور معذرت چاہی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا: ہاں یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسا نہ کرنا چاہیے۔" (ص ۲۷)

(۱۶) حبیب مولانا شمس الدین۔ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو تمام راستے دست بستہ ہو کر آتے۔ ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کہا میں آخر شیخ کے سامنے

لہ حضرت بابا صاحب کے ملفوظات میں اس روایت کا کثرت سے حوالہ دیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک مرید سے فرمایا تھا مجھے چاقو نہیں چاہیے سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں ہوں جوڑتا ہوں۔ "احسن الاقوال کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ان شگونوں سے ہے جنھیں خانقاہی زندگی میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ لیکن آج کل اسے صوفیہ کے "سیکولر نظریہ" کی تائید میں بڑی کثرت سے حوالے میں پیش کیا جاتا ہے۔

لے حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ مشارق الانوار کی شرح لکھی تھی۔ درگاہ حضرت محبوب الہٰی* کے "چبوترہ یاراں" میں مدفون ہیں۔ حالات دیکھو: سیر الاولیاء: ۲۲۳-۲۳۶؛ اخبار الاخیار: ۹۷ - ۹۸

آتا ہوں۔ جب میں گھر سے شیخ کی ملاقات کی نیت کر کے چلتا ہوں تو شیخ کی مجھ پر نظر ہوتی ہے۔ بھلا بارگاہِ شیخ کی نظر میں بے ادب کیسے چلوں؟ (ص ۲۸)

حج } ایک دفعہ ایک دوست شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں حج کے واسطے جانا چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ "تم جو دہلی سے غیاث پور تک آتے ہو تو اس کو حج سے کم سمجھتے ہو؟" (ص ۲۸)

محلوق ہونے کی نیّت } پہلے روز بیعت کے بعد دعاگو (خواجہ برہان الدین غریبؒ) کو شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ نے حفظ (ایمان) کے نفل، اور آدھین پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

...... جس وقت دعاگو شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا تو محلوق ہونا چاہا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا: کس نیت سے محلوق ہوگے؟ دعاگو نے عرض کیا: محلوق ہونے کی نیت نہیں چاہتا ہوں۔ فرمایا جب کوئی محلوق ہونا چاہے تو نیت کرے کہ شیاطین کے گھروں کو توڑتا ہوں کیونکہ ہر بال کی جڑ شیطان کا مقام ہے۔

...... جس وقت ہمارے خواجہ شیخ الاسلام نظام الدین شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہما کی خدمت میں پہنچے شیخ نے پوچھا: حلق ہونے کی نیت کیا کروگے؟ ہمارے خواجہ نے عرض کیا: آپ میری نیت ہیں۔ شیخ الاسلام نے یہ حدیث پڑھی: ان الشیطانَ تحت کل شعرۃ (یعنی ہر بال کے نیچے شیطان ہے) (ص ۲۹)

فرمانِ شیخ کی تعمیل } شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ کی مجلس مبارک میں ایک دوست کی ایسے وقت میں طلبی ہوئی کہ اس کی بیوی کا انتقال ہوا تھا۔ اس دوست نے ایک شخص کو بتادیا کہ فلاں مقام پر دفن کردینا اور خود شیخ کی خدمت میں چلا گیا۔ دوسرے روز اس کا خسر جھگڑنے لگا کہ یہ کیسے جائز ہوگا کہ تیری کئی سال کی ہم خوابہ اور رفیق انتقال کرے اور تو اس کے شریک حال نہ رہے۔ اس دوست نے کہا: (یہ سچ ہے مگر) مجھ کو شیخ کی فرمانبرداری اس سے بڑھ کر تھی۔" (ص ۳۱)

اتباعِ شیخ } (۲۰) (برہان الدین غریبؒ نے) فرمایا: ایک روز میں تنگ آستین کی بارانی پہن کر شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں گیا۔ شیخ نے اس طریقہ سے مجھ کو تنبیہ فرمائی کہ "کیا تمہارا شیخ تنگ بارانی پہنتا ہے؟"

کسی زمانے میں ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ حوض قتلغ خاں پر اشراق کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ چند درویش آپ کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ شیخ بہاء الدین کے سلسلے کا درویش معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تعلق شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے رکھتا ہے۔ ایک نے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ کہا: دستار اس خاندان کے طرز پر بندھی ہے۔"

جب شیخ الاسلام نماز سے فارغ ہوئے فوراً دستار اتارلی اور فرمایا مجھ کو ایسی طرز پر دستار بندھنی چاہئے کہ لوگ مجھے دوسرے خاندان سے نسبت نہ دیں۔" (ص ۳۱)

(۲۱) فرمایا: ایک شخص شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں آیا اور بیعت کی۔ شیخ نے فرمایا:

دربانی اختیار کر۔ میں نے عرض کیا میں حج کی طرف جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا: تو جانے۔ پھر کسی نے اس شخص کا نام زنت کہ کہاں گیا ذکر کیا ہوا۔ اگر وہ شیخ کے فرمان کے مطابق دربانی بیٹھ کرتا تو اس کو کیا کیا نعمتیں نصیب ہوتیں۔ مناسب اس کے فرمایا کہ "خدا بچائے کہ درویش کسی کو کہے کہ تو جانے۔ کیونکہ اس کو اسی پر چھوڑتے ہیں۔" (ص ۳۳)

خرقہ سعادت

(۲۲) جب تک شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ صدر حیات میں تھے دعاگو (خواجہ برہان الدین غریبؒ) جو کپڑے پاتا تھا حفاظت سے رکھتا تھا۔ جب شیخ نے اس جہان سے رحلت فرمائی دعاگو نے سب کپڑوں کو جمع کر کے اپنے لئے خرقہ سلوایا۔ جس وقت حق کی طرف جاؤں گا اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" (ص ۳۳)

عصا کی حمایت

(۲۳) جس وقت دعاگو (خواجہ برہان الدین غریبؒ) دہلی سے آتا تھا ایک چارپائی میرے لئے بطور ڈولہ تیار کی گئی تھی۔ دعاگو نے چارپائی کے ایک طرف شیخ کا عصا بندھوایا تھا۔ تمام راستے دعاگو کا بدرقہ وہی عصا تھا اور اسی عصا کی پناہ میں دعاگو آتا تھا۔ جتنے دن کہ دعاگو راستے میں تھا یاد نہیں آتا ہے کہ دعاگو کا پاؤں اس عصا کو لگا ہو یا جس کی طرف عصا بندھا تھا اس طرف سے ڈولے میں سوار ہوا ہوں (یعنی اولانگنے میں آیا ہو) اچھی طرح یاد نہیں آتا ہے۔ (ص ۳۴)

(۲۴) ایک دفعہ خواجہ قطب الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ سے جامہ خواب ملا۔ کسی وقت اس بستر پر نہ سوتے ہمیشہ عقیدت پر بندھا رکھتے اور اس کے نیچے سوتے۔" (ص ۳۴)

شیطان سے اخلاق

ایک روز شیخ نظام الدین قدس سرہ نماز میں مشغول تھے۔ شیطان نے آپ کے گوش مبارک کو کھجلانا شروع کیا (بعد نماز) شیخ نے سر مبارک پیچھے موڑ کر فرمایا: "اے جواں مرد بس کر اپنے کو کہاں تک تکلیف دے گا۔" یعنی ایسے شیطان کے ساتھ بھی اخلاق سے پیش آئے اور جواں مرد کہا۔ (ص ۳۸)

فریاد رس

فرمایا: شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے مریدوں میں سے ایک دوست جہاز کے کنارے بیٹھا تھا نیند نے غلبہ کیا جہاز سے دریا میں گر پڑا۔ گرنے کے ساتھ ہی شیخ الاسلام کا نام لیا۔ شیخ دریا میں ظاہر ہوئے اور فرمایا: جاء الغیاث لا تخف یعنی مت ڈر فریاد رس آگیا۔ اور اس مرید کو پکڑ کر جہاز میں ڈالا۔" (ص ۳۸)

بے ادبی کی سزا

(۲۷) ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے امیر خسرو کے لئے سفارشی رقعہ کیلوکھری کے کوتوال کو لکھا۔ امیر خسرو نے کوتوال کو رقعہ دیا اس وقت وہ پانی کے کنارے بیٹھا تھا رقعہ پڑھا اور پانی میں ڈال دیا۔ امیر خسرو نے یہ بات حضرت شیخ سے بیان کی۔ شیخ نے فرمایا: اس نے خود کو پانی میں ڈالا ہے۔" دوسرے روز سلطان اس کوتوال پر غصہ ہوا اور اس کو قلعے کے اوپر سے پانی میں ڈلوا دیا۔ (ص ۳۹)

باباصاحب کا عرس (۲۸) خواجہ برہان الدین غریبؒ نے فرمایا: جب شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کا عرس ہوجاتا شیخ الاسلام قدس سرہ دریافت فرماتے کہ اس مجلس میں فلاں دوست تھا؟ اگر کہتے کہ نہیں تھا۔ شیخ پوچھتے: کھانا اس کو پہنچا؟ اگر کہتے کہ نہیں پہنچا، شیخ اس پر فرماتے کہ "افسوس، بےچارہ اس دولت سے محروم رہا۔" پھر فرمایا: شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کے عرس مبارک کا کھانا جو ہم کو ملتا تھا میں اس کو خشک کرکے حفاظت سے رکھتا۔ اگر کوئی بیمار آتا تھوڑا کھانا اس میں سے دیتا۔ اس کی برکت سے وہ صحت پاتا۔" (ص ۴۰)

شیخ کا تصرف جب خضرخاں شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں داخل بیعت ہوا بیعت کے بعد برے احباب نے شراب پینے پر مجبور کیا یہاں تک کہ مجلس آراستہ کی اور خضرخاں کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ دیا۔ خضرخاں نے پینا چاہا۔ حضرت شیخ الاسلام کو مجلس میں دیکھا کہ انگشت مبارک دانتوں میں پکڑے ہوئے منع فرماتے ہیں، خضرخاں نے پیالہ صراحی پر مار کر توڑ ڈالا اور اس مجلس سے سلامت اٹھا ...." (ص ۴۰)

موئے مبارک (۳۰) فرماتے تھے کہ ایک دوست نے شیخ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک تار مخدوم کی ڈاڑھی مبارک سے جدا ہوکر فرش پر گرپڑا ہے۔ اگر حکم ہو تو لے لوں۔ فرمایا لے لو۔

ہمارے بایزید (۳۱) ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے پاس خواجہ بایزید قدس سرہٗ کی بزرگی کا ذکر ہورہا تھا حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا: ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ ایک دوست نے پوچھا کہاں ہے؟ فرمایا جماعت خانے میں ہے۔ خواجہ اقبالؒ (خادم) جلدی سے جماعت خانے میں آئے۔ اس وقت دعاگو (مولانا برہان الدین غریبؒ) جماعت خانے میں آیا تھا۔ دوسرا کوئی شخص نہ تھا۔ یہ بات اقبالؒ نے دعاگو سے کہی کہ آپ کے بارے میں شیخ الاسلام نے اس طرح خطاب ارشاد فرمایا ہے۔" (ص ۴۱)

حکم عدولی کی سزا (۳۲) ایک دفعہ مولانا منتجب الدین قدس سرہ دعاگو کے سامنے کھانا لائے۔ ان سے کہا گیا کہ آج میرا روزہ ہے فرمایا: افطار کیجئے روزہ پھر بھی رکھ سکتے ہو۔ افطار نہ کیا گیا۔ اسی روز شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں گیا۔ شیخ نے فرمایا: "مولانا برہان الدین کے سامنے رکھو۔" شیخ کے سامنے لامحالہ افطار کیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا جس شخص سے ملاقات ہوتی تھی اور اس سے کہتا تھا کہ آؤ عصر کی نماز جماعت سے پڑھیں گے وہ کہتا تھا میں نے پڑھ لی ہے۔ اس شامت کے سبب سے کہ مولانا منتجب الدین قدس سرہ کا حکم رد کیا، روزہ بھی افطار ہوا اور عصر کی جماعت بھی نہ ملی۔ (ص ۴۲)

ذرۂ دردے (۳۳) شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام راستے سے جاتے تھے۔ ایک جوان پیش آیا اور کہا اے عیسیٰ دعا کرو کہ حق جل وعلا شربت محبت کا ایک قطرہ میرے حلق میں ٹپکا دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو تاب نہ لاسکے گا۔ اس نے بہت الحاح اور عاجزی کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اور چلے گئے۔ چند روز کے بعد اسی راستے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ وہ جوان اسی جگہ متحیر ہے اور آنکھوں سے پانی جاری ہے۔ حضرت عیسیٰ نے سلام کیا، اس نے منھ پھیر لیا۔ پھر حضرت عیسیٰ نے اس طرف جا کر سلام کیا، پھر جوان نے منھ پھیر لیا۔ اسی وقت جبریل نازل ہوئے، اور کہا: اے عیسیٰ حق جل وعلا فرماتا ہے کہ وہ ہماری محبت میں غرق ہے اس کو معاف رکھئے۔"

حضرت شیخ نے فرمایا، اس موقع پر دعاگو نے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اس زمانے کے عیسیٰ ہیں اور دعاگو وہی سائل (محبت حق) ہے۔ شیخ نے فرمایا: "تم نے اچھی چیز مانگی اور اچھے وقت مانگی" پھر یہ بیت زبان مبارک سے ارشاد فرمائی:

از دوست اگر نشانت باید بشنو   آتش بہ ہمہ بر آن و بر خیز و برو

پھر یہ بیت پڑھی:

آنکس کہ ترا ندید ایچ ندید   وانکس کہ ترا نیافت ہیچ نیافت

اور یہ دوہرہ بھی فرمایا:

دنیس کھلاوت ہس راتی سکل سوئے   بہت برا یہ جینا یوں بھی جیوے نہ کوئے

پھر یہ رباعی پڑھی:

پیوستہ خرابات زرندان خوش باد   در خرمن زہد زاہدان آتش باد
از خرقہ زہد خیز دوز در واند درا(؟)   پس خرقہ من فدائے دردی کش باد

محبت حق} (۳۴) فرمایا: شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی زبان مبارک سے سنا ہوں "مسبعات عشر کے بعد جو کوئی سات مرتبہ اللّٰہم احینی محبًا لک وامتنی محبًا لک واحشرنی تحت اقدام کلاب احبائک (اے اللہ مجھے اپنی محبت میں زندہ رکھ اور اپنی محبت میں مار۔ اور اپنے عاشقوں کے کتوں کے زیر قدم میرا حشر کیجیو) حق تعالے اس کو اپنی دولت محبت سے مخصوص کرے گا۔

فتوح کے آداب} (۳۵) حضرت برہان الدین غریبؒ نے، فرمایا: جس وقت دعاگو کو شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے اجازت (خلافت) دی یہ الفاظ فرمائے کہ "اے خلعت شائستہ امرید کرو۔" اور فتوح کے بارے میں فرمایا لا ردّ ولا کدّ ولا حذر ... یعنی اگر کوئی شخص کچھ لاوے رد نہ کرو۔ اور نہ لاوے تو اکد بھی نہ کرو یعنی کسی سے (لانے کی) طمع نہ رکھو اور کوئی چیز تھوڑی سی لاوے تو اس لئے رد نہ کرو کہ زیادہ لاوے اور تعین کرکے کوئی چیز قبول کرو۔ ...."

(۳۶) فتوحات کے صرف کی شرط: جیسے فتوح پہنچے ویسے ہی جاری رکھے یعنی خرچ کرتا رہے اور شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ "دس لیتے جاؤ اور ایک دیتے جاؤ۔" اس کی تشریح اس طرح بیان فرمائی کہ مثلاً ایک شخص دس درہم لایا اگر درویش سب درہم ایک ہی کو دے دے گا تو دوسرے شخص کو جو اس کے برابر (بعد) آئے گا کیا دے گا؟ پس دس درہم دس آدمیوں کو دیوے۔ اور جو فتوح ملے جمع نہ رکھے۔ اگر جمع رکھے گا اس کی شامت سے دوسری فتوح نہ ملے گی۔" (ص ۹۹)

ناقص توکل} (۳۷) ایک دفعہ ایک مسافر شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے نزدیک آیا۔ چند روز کے بعد رخصت ہو کر (.....) میں قرابت والوں کی ملاقات کو گیا۔ رشتہ داروں کے قریب ایک مسجد تھی اس میں اس نیت سے توکل کر کے بیٹھا کہ رشتہ داروں کے گھر سے روٹی پانی پہنچے گا۔ کئی روز رہا کسی نے خبر نہ لی آخر پھر شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آکر پوچھا کہ اگر کوئی آدمی توکل کرے اور پہلے روز نہ ملے تو کیا کرے؟ شیخ نے فرمایا کہ دوسرے روز تک صبر کرے۔ عرض کیا: اگر دوسرے روز بھی نہ ملے۔ تو فرمایا تیسرے روز تک صبر کرے۔ عرض کیا اگر تیسرے روز بھی نہ ملے۔ فرمایا پھر اس کا پورا توکل خدا پر نہ ہو گا کیونکہ جن لوگوں کی نظر خدا پر ہوتی ہے۔ حق جل وعلا ان کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ (ص ۵۰)

غنی شاکر} ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ سے سوال کیا کہ فقیر صابر اچھا یا غنی شاکر؟ شیخ نے فرمایا: فقیر صابر اچھا۔ لیکن غنی شاکر بھی اچھا ہے اس لئے کہ وہ کوئی چیز دیتا ہے اور معلوم نہیں کہ اگر فقیر غنی ہو جائے تو کوئی چیز دے سکے گا یا نہیں۔ البتہ غنی شاکر کوئی چیز کسی کو دے دیتا ہے۔" (ص ۵۵)

خاندان نظامیہ کی خصوصیات} (۳۹) فرمایا: شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے خاندان میں یہ دو باتیں ہیں مخالفت ہوائے نفس۔ ایصال منفعت بغیر (دوسرے کو فائدہ پہنچانا) ــ پھر فرمایا:

اے کہ مردان خدا از سر جاں می خیزند مرد آں نیست کہ او از سر ناں خیزاں خاست

اس کے مناسب یہ دوہرہ بھی فرمایا:

ما کھا دیہہ بہتر جی جیہا کر یہہ آپ دہی پرایکاری انت ندیہ کینہ (ص ۵۵)

صدقہ} (۴۰) ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ بیمار تھے۔ ہر شخص روٹیاں وغیرہ صدقے کے لئے لاتا تھا شیخ لیٹ جاتے تھے۔ روٹیاں وغیرہ سر سے پاؤں تک اتار کر (صدقہ) دیتے تھے (ص ۵۷)

حفظ ایمان} (حضرت برہان الدین غریبؒ نے) فرمایا: حفظ ایمان کا دوگانہ جو مغرب کی سنتوں کے بعد ہے فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں اخلاص سات مرتبہ اور فلق ایک مرتبہ۔ دوسری میں اخلاص سات مرتبہ۔ والناس ایک مرتبہ پڑھے۔ سلام کے بعد تین یا سات مرتبہ یا حیُّ یا قیُّوم ثبتنی علی الایمان ــ کہے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے جو شخص یہ دوگانہ ہمیشہ پڑھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ایمان سلامت لے جائے گا۔ (ص ۶۰)

گم شدہ کی بازیابی} (۴۲) جس شخص کی کوئی چیز، غلام، گھوڑا یا بیل، چاندی وغیرہ کی جنس سے گم ہو جاوے اگر وہ بلا ناغہ چند روز یہ ورد پڑھے: "یا جامع الناس لیوم لا ریب فیہ یا ہادی المضلین، رد علیّ ضالتی" وہ گم شدہ چیز مل جاوے۔ ..... ایک شخص کا گھوڑا گم ہو گیا۔ اس نے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں خبر کی آپ نے یہ ورد تعلیم فرمایا وہ شخص دس سال تک یہ ورد پڑھتا رہا۔ دس برس کے بعد گھوڑا پایا (ص ۶۸)

محفلِ سماع (۳) ایک دفعہ شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے یہاں سماع تھا اور یار لوگ سماع میں مشغول تھے۔ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ باورچی خانے کی طرف آئے اور فرمایا ہم کو پیاس بہت لگی ہے ایک دوست (مرید) نے شربت کا پیالہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "اے جواں مرد درویش خونِ جگر پی رہے ہیں میں شربت کیسے پیوں!" (ص ۷۱)

وجد (۴) اگر دیکھیں کہ محفل (سماع) میں کسی کو وجد نہیں آتا ہے تو تواجد کریں، زبردستی وجد میں آئیں شاید حال اور وجد پیدا ہو جائے۔ اور شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ اگر کسی کو سماع میں وجد نہ پیدا ہو تو چند بار کہے: یا واجدُ یا واجدُ یا واجدُ۔ حق تعالیٰ اس کو وجد عطا کرے۔ (ص ۷۲ ـ ۷۱)

جمع و پریشانی (۵) ایک دفعہ سماع میں حضرت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کی دستار کا پیچ کھل گیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے دستار کو درست کر لیا۔ یہ خبر مدعیوں کو پہنچی۔ کہنے لگے اگر شیخ کو حال تھا تو دستار کا کنارہ کیسے درست کر لیا؟ اگر حال نہ تھا تو وجد کیوں کرتے تھے؟ یہ خبر شیخ الاسلام کو پہنچی کہ مدعی ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا: اگر فقیر کی دستار کو سماع میں (بحالتِ وجد) کھل جاوے اور فقیر جمع نہ کرے تو اس شہر کی پریشانی کا باعث ہے اور ہم نے پریشان ہونا جائز نہ رکھا۔ (ص ۷۲)

یہ سب وہ روایات ہیں جن میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا حوالہ آیا ہے یا اس میں آپ کا کوئی ملفوظ مبارک ہے یا کسی واقعہ سے متعلق ہیں۔ ہم نے ان کو اسی ترتیب سے جمع کر دیا ہے جس ترتیب سے احسن الاقوال میں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب احسن الاقوال فارسی زبان میں ہے اور اس کے قلمی نسخے الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ صرف ایک بار "احسن الاقوال المعروف بفضل المقال" مطبع جہانگیر صفوی بمبئی سے ۱۳۴۲ھ میں چھپا تھا۔ یہ ۲۶ × ۲۰ سائز کے ۸۲ صفحات کا رسالہ ہے اس کے مترجم مولوی عبدالمجید خدا آباد ضلع گلبرگہ کے باشندے تھے۔ ترجمہ میں دکھنی بولی کا بہت اثر تھا اور اکثر تذکیر و تانیث کے محلِ استعمال میں غلطی تھی ہم نے ایسے موقع پر عبارت کو محاورۂ اردو کے مطابق بنا دیا ہے۔

احسن الاقوال اس لحاظ سے ایک اہم ماخذ ہے کہ اس میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہم عصر شہادت ہے۔ احسن الاقوال ۷۳۸ھ میں مرتب ہوئی اور یہی حضرت برہان الدین غریبؒ کا سالِ وفات بھی ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ مترجم کے قلم سے ہے جس میں اختصار کے ساتھ حضرت برہان الدین غریبؒ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اس کی عبارت میں تعقید و ابہام پایا جاتا ہے۔ بعض بیانات غلط بھی ہیں مثلاً حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ "کئی مرتبہ آپ اپنے شیخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کے ہمراہ شیخ کبیر قطبِ عالم خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے شرفِ صحبت سے مشرف ہوئے۔"

(مقدمہ: ۵)

یہ اس لئے غلط ہے کہ ایک تو خود حضرت نظام الدین صرف تین بار اجودھن میں اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ دوسرے حضرت برہان الدین غریب ۶۵۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور بابا فرید کے انتقال کے وقت ان کی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ تیسرے انہوں نے ۶۹۳ھ میں حضرت نظام الدین اولیا کے دست مبارک پر بیعت کی ہے جب حضرت بابا صاحب کے وصال کو ۲۹ - ۳۰ سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

کتاب کے متن میں البتہ ایسی باتیں نہیں ہیں جو اسے مشتبہ ثابت کریں بلکہ وہ ہیں جن کا انتساب ہر طرح ان بزرگ صوفیا سے مناسب اور موزوں ہو سکتا ہے۔ صرف ایک موقع پر ایک روایت قصص الانبیاء کے انداز کی آگئی ہے۔ لکھا ہے:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ایک چور کی تلاش میں تھے اور نہ پاتے تھے لیکن ایک دن ایک جگہ سوتا تھا اس کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ چالیس برس سے تیری تلاش میں ہوں تو کیا کرتا تھا جو سلامت رہتا تھا۔ اس نے کہا جس وقت میں گھر سے باہر نکلتا۔ ایک روٹی صدقہ دے دیتا تھا اس کی برکت سے سلامت رہتا تھا۔ آج صدقہ نہیں دیا اس لئے گرفتار ہوا" (ص ۵۷)

جہاں تک قصہ کے مقصد کا تعلق ہے وہ صرف یہ ہے کہ صدقہ بلاؤں کو رد کرتا ہے۔ یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں مبالغہ نے خلاف واقعہ ہونے کا رنگ پیدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کی عمر خود چالیس برس کی نہیں ہوئی کجا یہ کہ وہ کسی چور کی تلاش میں چالیس برس رہے ہوں۔

ایک اور موقع پر بھی مبالغہ آمیز بیان ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ ہر رات کو چار سو رکعت نماز اور ہزار بار درود شریف پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تو اتنی کیوں تکلیف کرتی ہے۔ وتر کے بعد دوگانہ تشفیع الوتر پڑھ حق تعالیٰ تجھ کو چار سو رکعت کا ثواب نصیب کرے گا۔ اور اس دوگانے کے بعد یہ درود شریف ایک مرتبہ پڑھ ہزار درود کا تجھ کو ثواب ملے گا۔" (ص ۶۰)

اس روایت کا مقصد بھی وتر کے بعد دو نفل نماز کے ثواب کو ثابت کرتا ہے۔

احسن الاقوال میں ہندی الفاظ کتنے استعمال ہوئے ہیں اس کا اندازہ تو اصل فارسی کتاب کو دیکھ ہی ہو سکتا ہے لیکن ترجمہ میں بھی دوہرے ہندی کے ضرور نقل ہوئے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا نے ہندی زبان و ادب سے کتنی گہری واقفیت حاصل کی تھی۔

احسن الاقوال کے گہرے مطالعے سے چشتی خانقاہوں کے اخلاقی نظام اور تعلیمات کا بھی بہت واضح تصور سامنے آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اصلاح خلق میں کس حد تک کوشاں رہتے تھے۔ اس خصوصیت میں یہ مختصر سی تالیف بہت سے ضخیم مجموعوں پر بھاری ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت نظام الدین اولیا کے سوانح نگاروں نے ابھی تک اس کتاب کو جو ایک اہم اور معاصر دستاویز ہے، استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کے اشاروں میں بعض قیمتی باتیں مل جاتی ہیں جن سے دوسرے ماخذ کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

خواجگانِ چشتؒ کے ملفوظات کی صحت

از مولوی سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔ اے۔ رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ

ہماری علمی و مذہبی وراثت کے جو قیمتی سرمائے ہیں ان میں ہندوستان کے شروع کے اکابر خواجگان چشت کے ملفوظات کے مجموعے بھی شمار ہوتے رہے ہیں، اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ (یا ہروانی) کے ملفوظات انیس الارواح کے نام سے قلمبند کئے، اس کے مطبوعہ نسخہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زبانی یہ روایت ہے کہ "حضرت خواجہ (یعنی حضرت عثمان ہارونیؒ) بغداد میں معتکف ہوئے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے باہر نہ نکلیں گے میں چاشت کے وقت آجایا کروں، وہ کچھ ایسی باتیں کہیں گے، جو مریدوں اور فرزندوں کے لئے یادگار کے طور پر رہ جائیں گی، یہ حکم سن کر میں روزانہ حضرت خواجہ کے یہاں مقام عزلت میں پہنچ جاتا، اور جو کچھ ان کی زبان دربار سے سنتا قلمبند کر لیتا" (مطبع مجتبائی ص ۲)۔

اسی طرح عام خیال یہی رہا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے مرتب کئے، پھر حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے بھی اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے جمع کئے خواجہ نظام الدینؒ نے بھی اپنے مرشد خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات راحت القلوب کے نام سے اکٹھے کئے اور حضرت بدر اسحٰقؒ نے بھی ان کے ملفوظات اسرار الاولیاء کے نام سے مرتب کئے،

لیکن یہ تمام ملفوظات کے مجموعے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اس بیان سے مشکوک اور فرضی سمجھے گئے ہیں، جو خیر المجالس کی مجلس بازدہم میں درج ہے۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے سامنے کسی نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات کا ذکر

کیا تو خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ یہ ملفوظات ان کے نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ ملفوظات کے نسخے میری نظر سے بھی گذرے ہیں۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ان کے اقوال کے مناسب نہیں۔ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی کیونکہ شیخ الاسلام فریدالدین، شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشتؒ جو دوسرے شجرہ میں کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی (خیر المجالس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اڈیشن صہ۵۲)

راقم ہی نے اس ملفوظ کی طرف اردو میں غالباً پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۵ء کے معارف (ص۸) کے ذریعے سے توجہ دلائی پھر ۱۹۴۹ء میں اپنی حقیر تالیف بزم صوفیہ کی تمہید میں ذکر کیا کہ خواجگانِ چشت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے ملفوظات کے مجموعوں کو مرتب نہیں کیا۔ بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ پھر اکتوبر ۱۹۵۰ء اکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۲ء کے معارف میں ان ملفوظات پر کچھ بحث بھی کی۔ لیکن ایک عرصہ تک کشمکش میں رہنے، اور مزید غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ خیر المجالس کی روایت پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے سیر العارفین کے مولف نے اپنے زمانے میں جو خیر المجالس دیکھی تھی، اس میں سے مذکورہ بالا روایت کو دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملفوظ خیر المجالس کے کاتب حمید قلندر سے مروی اور منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت نصیر الدین محمود اودھیؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہ کے ملفوظ میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے۔ میں نے بچشم خود ان کے ملفوظات کو دیکھا ہے۔ حاشا للہ یہ کلام ان کا نہیں ہے۔ اکثر غلط کلمات الحاقی ہیں، جو مجاوروں نے بڑھا دیئے ہیں کسی طرح قطب صاحب قدس سرہٗ کے حال اور عمل کے موافق نہیں — (اردو ترجمہ جلد دوم ص ۴۲)

سیر العارفین کے فارسی نسخہ کے متن میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

"نقل است از حمید قلندر کاتب ملفوظ خیر المجالس الیشاں کہ یکے بحضرت شیخ نصیر الملۃ والدین محمود قدس سرہٗ عرض نمود کہ در ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ و حضرت خواجہ قطب الدین چنیں نوشتہ دیدہ ام الیشاں بفرمودند کہ ایں سخنہا بر من رسیدہ اند، حاشا کہ از ایشاں باشد در آں جانب بسیار کلمات مجاوران و معتقدان بازوقوت نوشتہ اند کہ ہرگز موافق، حوال و اعمال الیشاں نیست" (ص ۹۵)

سیر العارفین کے فارسی متن اور اس کے اردو ترجمے میں فرق ضرور ہے، پھر بھی دونوں بیانات کا مطلب یکساں ہے، یہ خیر المجالس کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے۔ مگر ان سے یہ ظاہر ہے کہ خواجہ معین الدین اور قطب صاحب کے ملفوظ مرتب ہوئے، جن میں کچھ یا اکثر یا بہت سے ملفوظات الحاقی ہیں۔

خیر المجالس کی مجلس یازدہم ہی میں اس کے مرتب حمید قلندر نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اللہ سرہ العزیز سے عرض کیا کہ

"من بر شیخے کتابے دیدہ ام از تصنیف شیخ"۔

تو حضرت شیخ نے فرمایا:۔

"او آں وقت گفتہ است، من ہیچ کتابے تصنیف نہ کردہ ام، و خواجگان ہم نیز نہ کردہ اند"۔

پس کر حضرت نصیر الدین چراغؒ نے فرمایا کہ وہ یعنی حضرت یعنی شیخ نظام الدین اولیاؒ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس کے بعد حمید قلندر نے کہا کہ جو اس وقت ہیں مثلاً شیخ قطب الدین و شیخ عثمان۔

دروغ گو کے کیا وہ شیخ کے زمانے میں نہ تھے، حضرت نصیر الدین چراغ نے فرمایا یہ نہ تھے۔ اگر ہوتے تو شیخ ان کا ذکر کرتے اور دستیاب ہوتے (صـ۵۳)

لیکن حمید قلندر نے فوائد الفواد کے جس ملفوظ کا ذکر کیا ہے وہ اس کے موجودہ مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے، فوائد الفواد میں ہے:

"سخن در کتب مشائخ افتاد، فوائد ے که ایشاں نوشته عزیزے حاضر بود عرضداشت کرد که مرا در اوده مردے کتابے نمود، گفت که ایں نبشته خدمت مخدوم است، خواجه ذکرہ اللہ بالخیر گفت که تفاوت گفته است من ہیچ کتابے نوشته ام، بعد ازاں فرمود که شیخ علی ہجویری کشف المحجوب نبشته است او کتاب خود یاد کرد۔۔۔۔۔"

(ص ۱۹۴) اس میں یہ نہیں ہے کہ

"خواجگان ما ہیچ نکرده اند۔"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مجموعۂ ملفوظات کو تصنیف قرار نہیں دیتے تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مرشد کے جو ملفوظات مرتب کئے ان کے مجموعہ کو اپنی کتاب نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اسی فوائد الفواد میں ہے کہ انھوں نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے جو ۶۵۵ھ تک ان کے پاس تھے، وہ ۲۸ شوال ۷۰۷ھ کی ایک مجلس میں فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ اپنے شیخ سے سنتا لکھ لیتا، اور ان کو دکھاتا، جب شیخ کوئی حکایت یا نکتہ بیان کرتے اور میں مجلس میں نہیں ہوتا تو جب میں واپس آتا تو ان باتوں کو میرے لئے دہراتے کہ میں لکھ لوں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک شخص نے مجھ کو سفید کاغذ جلد بندھوا کر دیا، میں شیخ کی باتیں لکھ لیا کرتا تھا وہ مجموعہ میرے پاس ہے فوائد الفواد کی پوری عبارت یہ ہے۔

خواجہ فرمود ہر چہ از شیخ شنودہ شدے نوشتمے
چوں بمقام خود باز آمدمے، برجائے نسخہ کردمے، بعد ازاں ہر بار آنچہ سماع می افتاد در قلم می آوردم تا ایں معنی بخدمت شیخ باز نمودیم، بعد ازاں ہرگاہ کہ حکایتے یا نکتہ بیان کردے می فرمودے کہ حاضر ہستی تا ایں غائت کہ اگر من غائب بودے چوں بخدمت باز ہو گشتمی فائدہ کہ در غیبت فرمودہ بودے آں را اعادت کردے، بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ کرامتے معائنہ کردم۔ ہمدراں ایام مردے مرا کاغذہا سپید داد یکجا جلد کردہ۔ من آں را بستدم، فوائد شیخ ہم در آنجا ثبت کردم، بالا نبشتم کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، بعد ازاں کلمے کہ از شیخ استماع داشتم نبشتم و تا ایں غایت آں مجموع پیش من ہست۔" (ص ۳۱-۳۰)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد مرتبۂ امیر خسرو میں ہے کہ ملفوظات کو جمع کرنے کا دیرینہ رواج ہے اور یہ بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ بیان ہے کہ جب مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو تو جو کچھ اپنے پیر سے سنے اس کو قلم بند کرلے کیونکہ اس کے ہر حرف کے بدلے بہشت میں اس کے لئے ایک قصر تیار ہوگا۔

"فرمود کہ چوں مرید بخدمت پیر ملازمت نماید، آنچہ از زبان پیر بشنود آں را بکار برد۔۔۔ ہرچہ در پند و نصیحت و جز آں بود آں را در قلم آرد، پس حق سبحانہ تعالے بہ ہر حرفیکہ در کتاب درج کند در بہشت بنام او قصرے بنا کند۔" (افضل الفوائد مطبوعہ نسخہ صـ۱۱)

اس کے بعد افضل الفوائد کا بھی بیان ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے، جس میں ان کے مرشد کی بھی مدد شامل رہی اور تقریباً وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو فوائد الفواد میں ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی ہے کہ جب شیخ الاسلام فریدالحق والدین نے سنا کہ میں جو کچھ ان کی زبان سے سنتا ہوں، لکھ لیتا ہوں تو جب کبھی میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی مجلس سے غائب ہو جاتا اور واپس آتا تو پھر اس کو بیان فرماتے اور مجلس میں غافل ہو جاتا تو فرماتے کہ تم حاضر ہو؟"

فرمود کہ شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس سرہٗ العزیز شنیدہ بود کہ دعاگوی ہر چہ از زبان شیخ فوائد و جز آں می شنود می نویسد، پس ہر وقتیکہ دعاگوی یک لحظہ از مجلس غائب بودے، آں زماں کہ برفتے فرمودے کہ کجا بودی و ہر فوائد کہ پیش فرمودہ بودے باز آں را بیان کردے و اگر اثر غفلت در دعاگوی بدیدی روئے سوئے دعاگوے کردی و گفتے حاضر ہستی؟"
(افضل الفوائد ص ۱۱۲)

اس طرح فوائد الفواد اور افضل الفوائد دونوں کی روایتوں سے ظاہر ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے، افضل الفوائد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ بھی روایت ہے کہ جس روز حضرت خواجہ معین الدین نے حضرت شیخ عثمان ہارونی سے بیعت کی تو وہ بھی جو فوائد شیخ کی زبان گوہر بیان سے سنتے قلمبند کر لیتے۔

"بعد ازاں سخن در بزرگی شیخ معین الدین سنجری قدس سرہ افتاد، حکایت فرمود آں روز کہ شیخ معین الدین بخدمت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ پیوست و بیعت آورد او نیز ہر فوائد کہ از زبان شیخ می شنید آں را بقلم می آورد۔" (ص ۱۱۱)

پھر اس کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ان ملفوظات کو انھوں نے بھی دیکھا ہے،

چنانچہ ایں حکایت در بزرگی خواجہ حسن بصری در فوائد ایشاں نبشتہ دیدہ ام (ص ۱۱۱)

افضل الفوائد کے ایک قلمی نسخے (مملوکہ دارالمصنفین) کے تتمہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ مودود چشتی، خواجہ حاجی شریف، خواجہ عثمان ہروانی، خواجہ معین الدین سجزی، خواجہ بختیار کاکی، خواجہ فریدالدین گنجشکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنے اپنے مرشدوں کے ملفوظات جمع کئے۔

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ کے ایک دوسرے مجموعۂ ملفوظات مفتاح العاشقین میں بھی خواجگان چشت کے ملفوظات کے، حوالے جا بجا ملتے ہیں، خواجہ نصیرالدین چراغ کی زبانی ہے کہ۔

" در رسالہ شیخ الاسلام خواجہ معین الحق والشرع والدین قدس اللہ العزیز نوشتہ دیدم کہ چوں صبح صادق بدمد سپید بخت اندام بزبان حال پیش زبان فریاد کند"
(ص ۶ مطبع مجتبائی دہلی)

"بعد ازاں فرمود کہ اے درویش در اسرار الاولیاء نبشتہ دیدہ ام .... (ص ۵)
بعد ازاں ہم دریں محل فرمود کہ اے درویش در [illegible] ارواح نبشتہ دیدہ ام۔ [illegible]
بعد ازاں فرمود کہ اے درویش دلیل العارفین می نویسد (صفحہ ۳۰)
[illegible] دیگر یک مستند تذکرہ قرار دیا جاتا ہے اس میں بھی ان ملفوظات کے حوالے ملیں گے، اس کے مولف امیر خورد کا بیان ہے کہ:

" در ملفوظات شیخ الاسلام شیخ معین الدین

سجزی نشستہ دیدہ ام۔ (ص ۲۶۶)

دربیان بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود در قلم آوردہ ..... (ص ۴۷)

"بزرگے از ملفوظات۔ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز بانقدر کلمہ جمع کردہ است، از آن چند کلمہ آوردہ شد۔ (ص ۷۶)

اوپر کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکر کے ملفوظات مرتب ہوئے، جن سے سیرالاولیاء کے مولف نے بھی استفادہ کیا، پھر سیرالاولیاء کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے کوئی رسالہ بھی مرتب کیا، کیونکہ اس کے صفحہ ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۴۴، ۳۴۱، ۳۵۲، ۳۷۱، ۳۹۳، ۵۴۱، ۵۶۱، ۵۸۰ وغیرہ پر ہے۔

"بخط مبارک سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نبشتہ دیدہ ام ....."

اس کے بعد جا بجا عربی میں اقتباسات ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے عربی میں کوئی رسالہ مرتب کیا، اس میں شاید ان کی یادداشت کے طور پر کچھ تحریریں ہوں، جن کو حضرت خواجہ اپنی تصنیف شمار کرنا پسند نہ کرتے ہوں،

کچھ اہل علم ایسے ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین فوائد السالکین، اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے ساتھ، ... افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو بھی غیر مستند، نقلی جعلی مجموعہ ملفوظات سمجھتے ہیں، لیکن وہ سیرالاولیاء کو غیر مستند قرار نہیں دیتے، لہٰذا سیرالاولیاء میں خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے جو حوالے ہیں ان پر تعجب کا اظہار کرکے خاموش ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے جو لوگ ملفوظات کے مذکورہ بالا تمام مجموعوں کے ساتھ اسرار الاولیاء کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں ان کی تائید حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے ملفوظات جوامع الکلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس سے بات ظاہر ہے کہ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے حضرت فریدالدین گنجشکرؒ کے ملفوظات کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا، خواجہ گیسو درازؒ کی زبان سے ہے۔

ملفوظی از آں شیخ فریدالدین در اجودھن دیدم کہ آں را نسبت مولانا بدرالدین اسحٰق می کنند، سر بسر ہمہ افترا است می گویند جمع کردہ مولانا بدرالدین اسحٰق نیست " ص ۱۳۴

لیکن حضرت خواجہ گیسو درازؒ انیس الارواح دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحت القلوب کے متعلق خاموش ہیں۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ فوائد الفواد تو معتبر ہے۔ لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے اور ملفوظات مستند نہیں ہیں۔

"ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است وملفوظہائے دیگر از آں شیخ نبشتہ اند، ہمہ بادِ ہوا است۔"

اس طرح سیرالاولیاء میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے جو ملفوظات ہیں وہ بھی اس بیان کے مطابق معتبر نہیں لیکن اس سلسلہ کا سب سے تعجب خیز نکتہ وہ ہے جس میں حمید قلندر کے جمع کردہ ملفوظات (خیرالمجالس) کے متعلق بھی سخت رائے پائی جاتی ہے، خواجہ گیسو دراز اس کو بھی مستند تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

"ملفوظی کہ حمید قلندر جمع کردہ است مولانا کمال الدین خواہرزادہ شیخ موزونہ درجزمی پیش شیخ برد خدمت شیخ دید گفت من چیزے دیگر گفتہ ام، مولانا

حمید الدین چیزے دیگر نبشتہ است
برگرفت، بروں انداخت مولانا کمال الدین
گفت از خدمت شیخ نظام الدین ملفوظے
یادگار ماندہ است از خواجہ ہم باشد
فرمودند چہ کنیم فرصت نداریم کہ ایں را
صحیح کنیم۔" (ص ۱۳۴)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ نے اس مجموعے سے کچھ حصے سن کر رد کر دیا جس کے بعد ان کو اس کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی، اب جہاں خیر المجالس کے حامی جامع الکلم کی اس روایت کی کچھ نہ کچھ تاویل کر سکتے ہیں، وہاں ان کے ناقد کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اگر خیر المجالس میں وہ باتیں نہیں لکھی گئیں جو شیخ نصیر الدین چراغ فرماتے رہے تو اس کی روایت کے مطابق خواجگان چشت کے ملفوظات کے جن مجموعوں کو فرضی قرار دیا جاتا ہے، وہ بڑی حد تک مجروح ہو جاتی ہے لیکن آگے چل کر اگر جوامع الکلم کی روایت بھی اسی طرح مجروح کر دی گئی۔ تو پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ کہاں پر جا کر ختم ہوگا،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ہر مجموعہ کے مرتب کی یہ خواہش غالب رہی کہ اس کا مجموعہ اتنا اہم سمجھا جائے کہ اس کے پیشرو کے مجموعوں کی اہمیت کم ہو جائے اس لئے وہ اپنے مرشد کی زبانی کوئی نہ کوئی ایسی روایت بیان کر دیتے جس سے پہلے کے مجموعوں کی اہمیت خود بخود گھٹ کر رہ جاتی اس طرح خیر المجالس کے مرتب کی روایت کے مطابق شروع کے خواجگان چشت کے ملفوظات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے تو جوامع الکلم کے مرتب کی روایت کے مطابق خود خیر المجالس کی اہمیت جاتی رہتی ہے۔

اوپر کی سطروں سے ظاہر ہوگا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کی حمایت میں روایتیں [illegible] ہیں، اور

کی لغت میں نسبتاً کم ہیں، لیکن ان کی کتابت اور متضاد روایتوں سے قطع نظر کر کے اب صرف ان ملفوظات کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کہاں تک مستند اور معتبر ہیں۔ پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے بھی ان ملفوظات کو فرضی اور جعلی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اکتوبر ۱۹۵۰ء کے مڈیول انڈیا کوارٹرلی علی گڑھ میں انگریزی میں ایک طویل مقالہ

CHISHTI MYSTIC
RECORD OF THE
SULTANATE PERIOD

کے عنوان سے لکھا جس میں بظاہر بہت ہی مدلل طریقہ سے ان ملفوظات کو نقلی اور فرضی بتانے کی کوشش کی ہے۔ راقم الحروف طالب علمی کے زمانے سے پروفیسر صاحب کی دقت نظر اور وسعت علم سے متاثر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب اس مضمون کو بڑے ہی ذوق اور شوق سے پڑھا تو اس میں جو دلائل دیئے گئے ہیں ان سے تسلی نہ ہو سکی،

جناب پروفیسر صاحب کے نزدیک انیس الارواح دلیل العارفین، فوائد السالکین اسرار الاولیاء راحت القلوب افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین وغیرہ سب کے سب جعلی مجموعے ہیں، اس سلسلہ میں وہ شیخ فرید الدین عطار کی تذکرۃ الاولیاء کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں، وہ ملفوظات کے مجموعوں میں فوائد الفواد اور خیر المجالس کو مستند اور تذکروں میں سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کو معتبر سمجھتے ہیں، ملفوظات خواجگان چشت پران کے جو اعتراضات ہیں، ان کا ہم ذیل میں تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں بدقسمتی سے ملفوظات کے ان مجموعوں کی کتابت، طباعت بہت ہی خراب ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محنت و اہتمام کے بغیر [illegible] میں وہ شائع کر دیئے گئے ہیں جنھوں نے ان [illegible] اور املا کی بڑی غلطیاں [illegible] ہیں جن سے بڑی غلط

پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ لیکن ان غلطیوں پر مخالفانہ اور معاندانہ تنقید کے بجائے ہمدردانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

انیس الارواح میں ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مرشد سے مرید ہوئے تو ان سے مرشد نے فرمایا کہ اوپر نظر اٹھاؤ، اور جب انھوں نے نظر اٹھائی تو پوچھا کیا دیکھتے ہو۔ فرمایا عرش عظیم، پھر زمین کی طرف دیکھنے کو کہا اور جب انھوں نے زمین کی طرف دیکھا تو پوچھا کیا دیکھتے ہو، فرمایا تحت الثریٰ تک نظر جاتی ہے، پھر فرمایا کہ سورۂ اخلاص ہزار بار پڑھو، اور جب پڑھ چکے تو پوچھا پھر دیکھو کیا دیکھتے ہو۔ تو فرمایا حجاب عظمت۔ پھر کہا آنکھیں بند کرلو، اور جب بند کرلیں تو کھولنے کا حکم دیا۔ اور دو انگلیاں دکھا کر پوچھا کیا دیکھتے ہو۔ تو جواب دیا اٹھارہ ہزار عالم۔ پروفیسر صاحب اس قسم کی روایت کو صحیح تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کو عرش عظیم، تحت الثریٰ، حجاب عظمت، اٹھارہ ہزار عالم وغیرہ کی صوفیانہ اصطلاحیں عجیب وغریب معلوم ہوئیں اس لئے یہ ان کے نزدیک بے سروپا باتیں (WILD TALKS) ہیں لیکن اس قسم کی اصطلاحیں برابر استعمال ہوتی رہی ہیں، خود فوائد الفواد میں ہے۔

"شکایت عجب متحیر افتادکہ چنداں مشغول باشند کہ از ہیچ آفریدہ خبر شاں نباشد یکے از عزیزاں حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم دو کس چنیں دیدم بے حرکت رادیدم، دو چشم در آسمان داشتند و شب و روز متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقت نماز درمیان آمد از آنچہ تا نمازی گزاردند و بازہم چناں متحیر می شدند۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیاء معصوم اند و اولیا محفوظ باشند کہ گفتی۔" (ص ۱۴۲)

"۔۔۔۔ اما فقرا تا عرش نہ بینند نماز نہ کنند۔۔ قاضی را در خواب نمودند کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز مصلا بر عرش انداختہ نماز می گزارد۔" (ص ۲۳۷)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں اس قسم کے رموز اور نکتے واضح طریقے پر پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اپنے احوال وکیفیات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

میں شدت شوق میں رونے لگا۔ ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت محسوس ہوئی۔ میں نے اس بے خودی میں ایک وسیع دریا دیکھا۔ اس بے خودی میں دنیا کی شکلیں اور صورتیں دریا میں سب پر کے رنگ میں نظر آئیں اس بے خودی نے رفتہ رفتہ غلبہ پیدا کیا، اور یہ کبھی ایک پہر کبھی دو پہر اور کبھی تمام رات رہتی۔۔۔۔ اس کے بعد مجھ کو ایک نور دکھائی دیا جو ہر چیز پر محیط تھا۔ میں نے اس کو خدا سمجھا۔ اس نور کا رنگ سیاہ تھا۔ میں نے جا کر عرض کی، فرمایا حق مشہود ہوا لیکن نور کے پردے ہیں۔۔۔۔ اس نور میں انبساط ہے جس کی نفی کرنا چاہئے، اس کے بعد انبساط والے نور الفنا حق کی طرف رخ کیا وہ تنگ ہونے لگے۔ یہاں تک ایک نقطہ ہوگیا فرمایا اس نقطہ کی بھی نفی کرنا چاہئے، اور حیرت کی طرف آنا چاہئے، میں نے ایسا ہی کیا، وہ موہوم نقطہ زائل ہوگیا، پھر حیرت کی طرف گیا اور یہی شہود حق کا مقام ہے۔۔۔۔۔

"اس کے بعد دوسری بار فنا حاصل ہوئی جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں، دل میں اس قدر

وسعت پیدا ہو گئی کہ آسمان سے زمین تک تمام عالم کی حیثیت رائی کے دانے سے زیادہ نہ تھی، اس کے بعد اپنے کو، دنیا کے ہر فرد کو، بلکہ ہر ذرے کو خدا ہی دیکھا ...... اور اپنے اور ہر ذرہ کو اس قدر کشادہ اور وسیع دیکھا کہ تمام دنیا اس سما گئی تھی، بلکہ اپنے اور ہر ذرہ کو ایک نور پایا جو ہر ذرہ پر چھایا ہوا تھا اور دنیا کی شکل اور صورت اسی میں گم تھی، اس کے بعد اپنے بلکہ ہر ذرہ کو ساری دنیا کا جز پایا جب میں نے مرشد سے عرض کیا تو فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور مقام جمع الجمع سے بھی مراد ہے،

"واضح رہے کہ پہلی بار جب یہ درویش سکر و صحو میں لایا گیا تو تنزل کر کے بقا سے مشرف کیا گیا، اور جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ پر نظر کی تو سوائے حق تعالے کے اور کچھ نہ پایا، اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ دیکھا۔ اس مقام نے پھر حیرت میں لایا گیا، جب اپنے میں آیا تو حق سبحانہ تعالے کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ پایا اور پہلا مقام اس دوسرے مقام سے قریب تر نظر آیا۔ پھر حیرت میں لایا گیا اور جب اس دنیا میں آیا تو اس مرتبہ حق سبحانہ کو نہ متصل نہ منفصل نہ خارج اور نہ داخل پایا اور پہلی دفعہ جو میں نے پایا تھا کہ وہ دنیا کے ساتھ ہے، اس کو گھیرے ہوئے اور اس میں سرایت کئے ہوئے ہے اس کو بھی دیکھا۔ اسی کیفیت میں مشہود ہوا، دنیا بھی اس وقت مشہود نظر آئی لیکن حق تعالے سے کوئی نسبت نہیں، پھر میں حیرت میں لایا گیا اور جب میں صحو میں آیا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالے کو دنیا سے نسبت ہے لیکن یہ نسبت معلوم نہیں اور وہ اسی نسبت نامعلوم سے مشہود ہوا پھر حیرت میں لایا گیا۔ اس مرتبہ انقباض کی کیفیت طاری ہوئی۔ لیکن جب اپنے میں آیا تو خدا اس نامعلوم نسبت کے بغیر معلوم ہوا، اس طرح کہ وہ دنیا سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ہے۔ اس وقت دنیا بھی مشہود تھی۔ اس کے بعد ایسا علم حاصل ہوا کہ اس علم کے سبب خلق اور حق تعالے کے درمیان کوئی نسبت باقی نہ رہی، اور دونوں شہود کے حاصل ہو جانے کے بعد اس وقت اب معلوم ہوا کہ شہود دائمی صفت اور تنزیہہ کے باوجود خدا کی ذات نہیں بلکہ اس کی تکوین کے تعلق کی ایک مقامی صورت ہے اس کے ماوراء تعلقات کوئی ہے، خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت یا مجہول الکیفیت"
مکتوب ج اول نمبر ۲۹۰)

بیسویں صدی میں اس قسم کے جو تجربات و مشاہدات علامہ اقبال کو حاصل ہوئے وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں،

"میں دو شنبہ نصیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخمینہ کرا دیا تھا میں ایک گھنٹہ تک مراقب رہا، اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز نگاہ

میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔۔ رقت کا عالم برابر رہا زمان ومکان کا احساس ختم ہوگیا تھا روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ کہ ساری کائنات اس میں سما گئی۔" (نقل از مکتوب پروفیسر سلیم چشتی محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء لاہور)

انیس الارواح میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے، لیکن پروفیسر حبیب نے اس کی تردید یہ لکھ کر کی ہے کہ سیر الاولیاء میں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا۔

AMIR KHURD TELLS US ON GOOD AUTHORITY THAT NONE OF THE CHISHTI SHAIKHS PERFORMED THE HAJ PILGRIMAGE

سیر الاولیاء کا جو نسخہ (مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی) میرے سامنے ہے اس میں ہے کہ۔

"شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہٗ چند بار آرزوئے حج کرد روان سفر بحدے کہ در اوچہ رسید در دل مبارک شیخ شیوخ العالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بختیار قدس سرہ حج نہ کردہ است، مرا چرا باید کرد کہ مخالفت پیر کنم از آنجا کہ باز گشت (ص ۲۰۷)"

اس عبارت سے کہیں ظاہر نہیں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا۔

بعض ملفوظات حیرت انگیز بتائے گئے ہیں، مثلاً بیوی کی فرماں برداری کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ "ہر آن زنے کہ شوہر او را بجانہ خواب خود خواند و او دنیا ہے دو دور شود ہمہ شب ملائکہ گرد باشد، چناں بیروں آید چوں مار از پوست۔"

پروفیسر حبیب نے جامۂ خواب کو جامۂ خوب پڑھا ہے، اس لئے اس کا ترجمہ NIGHT CLOTH کیا ہے، ان ملفوظات میں یہ بھی ہے:-

مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرتا ہے۔ ایسے شخص کی دعا ستّر دن تک مستجاب نہیں ہوتی۔۔۔۔

پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشے ہی کے ذریعے سے روزی ملتی ہے۔ تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے وغیرہ وغیرہ"

معلوم نہیں کن اسباب کی بنا پر پروفیسر موصوف ان فرمودات کو حیرت انگیز STARTLING بتاتے ہیں، صوفیائے کرام ترغیب وترہیب کی خاطر تو موضوع حدیثوں کو بھی استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں پھر انداز بیان میں شدت اور سختی ان کے یہاں حیرت انگیز نہیں۔ مثلاً حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ارشاد السالکین میں لکھا ہے:-

"تا کافر نشود مسلمان نشود، تا رسالک برادر خود را نہ برد مسلمان نشود، تا بما در جفت نشود مسلمان نشود۔"

یہ فقرے بظاہر بہت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اس کی جو تشریح کی ہے اس سے ان فقروں میں بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے وہ فرماتے ہیں، کفر سے مراد کفر طریقت ہے۔ یعنی جب تک کہ کوئی کفر طریقت اختیار کرکے کافر نہ بن جاتا ہے، اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا ہے، پھر جو یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مار

تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ بھیڑ لیے سے مراد ہمزاد شیطان ہے جو انسان کے ساتھ رہ کر ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف مائل کرتا ہے۔ اسی طرح بھیڑ لیے کا سر کاٹنے سے مراد احکام شریعت کی تلوار سے شیطان کا سر کاٹنا ہے اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہ ہو، اس سے مراد مقام حقیقت کا وصل حاصل کرنا ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ام کبیٰ کہتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب ۳۳)

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انیس الارواح میں احمد معشوق کا ذکر ہے۔ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی روایت کے مطابق شیخ عثمان کے بعد کے بزرگ ہیں۔ لیکن فوائد الفواد (ص ۲۳۷) میں احمد معشوق کی جو کیفیت لکھی ہوئی ہے۔ اس میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ احمد معشوق حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے بعد کے بزرگ ہیں، بلکہ سیر الاولیا (صفحہ ۳۴۴) میں ہے کہ۔

> سلطان المشائخ فرمود کہ بزرگے گفتہ است کہ از خواجہ احمد غزالی شنیدم در قیامت ہمہ صدیقاں تمنا برند کہ کاشکے ما خاک کے می بودیم کہ روزے خواجہ معشوق براں پائے نہادہ بودے۔

اس سے صاف ظاہر ہے، خواجہ معشوق حضرت امام غزالی سے پہلے کے بزرگ ہیں اور امام احمد غزالی کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی خواجہ عثمان ہارونی کی ولادت چھٹی صدی ہجری میں اس کے بعد ہی ہوئی جبکہ امام غزالی مذکورہ بالا قول کہہ چکے تھے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انیس الارواح میں مشارق الانوار کا ذکر ہے۔ جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے بعد کی تصنیف ہے۔

> " بر لفظ مبارک راند کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب از رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ در مشارق الانوار مسطور است از خوردن شراب ہویز گفتہ است کہ حلال نیست و آں چنیں حرام است"
>
> (ص ۱۴)

ان سطروں میں جو حدیث لکھی گئی ہے۔ وہ مشارق الانوار کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ کسی اور کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے، جس کے نام کے بجائے مشارق الانوار کی غلط کتابت ہو گئی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مجموعۂ ملفوظات دلیل العارفین پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کی مجلس اول کی تاریخ ۵۱۲ھ لکھی ہوئی ہے، جو صحیح اس لئے نہیں ہے کہ اس وقت تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ کتابت کی اسی طرح کی غلطی ہے، جس طرح کہ سیر الاولیاء (ص ۴۸) میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ ۵۲۲ھ میں حضرت خواجہ معین الدین سے بیعت ہوئے جب کہ حضرت خواجہ کی پیدائش ۵۳۰ھ میں بتائی جاتی ہے، یا فرشتہ جیسے دیدہ ور مورخ کی تاریخ (جلد دوم ص ۳۷۷) میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے، جب کہ وہاں سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار قطب الدین

ایبک کی طرف سے وارد عمر تھے۔ حالانکہ قطب الدین ایبک دہلی کا سلطان ۶۰۲ھ میں ہوا۔ پروفیسر صاحب سیر العارفین کو مستند تذکرہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس میں اسماء اور سنین کی بہت سی غلطیاں ملتی ہیں۔ اس بناء پر اس کو جعلی قرار نہیں دیا جاتا ہے۔

دلیل العارفین میں ایک روایت کے سلسلہ میں یہ لکھا گیا ہے۔

"گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امروز قریب چہل سال است کہ نمازی گذارم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشم پرآب کردہ فرمود کہ ہیچ نماز نہ کردہ۔"

اس پر اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چالیس سال کی مدت نہیں ملی۔ اس لئے آپ کے سامنے یہ کیسے کہا گیا کہ چالیس سال سے نماز پڑھ رہا ہوں۔ یہ اعتراض صحیح ہے لیکن چہل سال یقیناً کتابت کی غلطی ہے یہ چہار یا چندیں سال ہے۔ کاتب کو چندیں سال چہار سال اور چہل سال لکھنے میں تسامح ہوگیا ہے۔

دلیل العارفین کی بارھویں مجلس میں روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی وفات سے بیس روز پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اجمیر چھوڑ کر دہلی آئے اور یہاں انھوں نے کل چالیس روز قیام کیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر آئی پروفیسر موصوف کا یہ کہنا ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین صاحب کا وصال رجب ۶۳۳ھ میں ہوا اور ان سے پہلے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات اسی سال ۱۴ ربیع الثانی میں ہو چکی تھی۔ لیکن یہ اعتراض اسی وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی جو تاریخ وفات لکھی گئی ہے۔ اس کو قطعی اور آخری سمجھ لیا جائے۔ راقم کی تحقیق ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی وفات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے پہلے ۶۲۷ھ میں ہوئی گو زیادہ تر تذکرہ نویس ان کے وصال کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھتے ہیں اگر ۶۲۷ھ یا ۶۳۲ھ ان کی تاریخ وفات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی وفات سے پہلے ہوا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کی تاریخ ۱۴ ربیع الثانی ۶۳۳ھ بالاتفاق تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس لحاظ سے دلیل العارفین کی مجلس یازدھم میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کوئی پیچیدگی یا تضاد نہیں ہے۔

دلیل العارفین ص ۲۳ میں جامع الحکایات

کا حوالہ ہے اعتراض ہے کہ محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایات ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اس لئے دلیل العارفین میں اس کا حوالہ دینا تعجب خیز ہے۔ جامع الحکایات کو محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایات تسلیم کر لینا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دلیل العارفین میں جو روایت لکھی گئی ہے وہ عوفی کی جامع الحکایات میں بھی موجود ہو میری نظر سے دلیل العارفین کی روایت عوفی کی جامع الحکایات میں نہیں گذری۔ اس سے قطع نظر دلیل العارفین میں عوفی کی جامع الحکایات کا حوالہ کوئی تعجب خیز نہیں، کیونکہ محمد عوفی کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ کتاب ۶۳۰ھ سے پہلے لکھی جا چکی تھی اس لحاظ سے اگر حضرت خواجہ کی نظر سے گذری ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

دلیل العارفین میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زبانی روایت ہے:

"مولانا رضی الدین گھوڑے پر سے گر گئے ان کا پاؤں ٹوٹ گیا، گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا کہاں سے آئی، ان کو یاد آیا کہ فجر کی نماز کے بعد وہ سورۂ یٰسین پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت یہ وظیفہ فوت ہو گیا۔

یہی روایت راحت القلوب (ص ۲۲) میں بھی حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی زبانی بیان کی گئی ہے، اس میں نام مولانا رضی الدین کے بجائے ن ضی رضی الدین رقم ہے۔ لیکن فوائد الفواد کی اس روایت میں نام مولانا عزیز زاہد لکھا ہوا ہے،

"فرمود کہ مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ یک روز اسپ خطا کرد و پای او فرود آمد، ازو پرسیدند چہ حالست گفت کہ من ہر روز سورۂ یٰسین می خواندم، امروز نخواندہ ام"
(ص ۱۰۰)

سیرالاولیا میں یہی روایت لفظاً بلفظاً نقل کر دی گئی ہے۔ صرف مولانا عزیز زاہد کی بجائے اس میں مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے

پروفیسر محمد حبیب کا اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کی یہ روایت فوائد الفواد سے سرقہ ہے۔ صرف نام بدل دیا گیا ہے، یہ بھی اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کے گمنام مرتب نے مولانا کمال الدین زاہد کو مولانا رضی الدین صغانی سے خلط ملط کر دیا ہے پروفیسر صاحب نے مولانا رضی الدین کے نام کے ساتھ صغانی بڑھا دیا ہے۔ حالانکہ دلیل العارفین میں صغانی نہیں ہے۔ اور پھر فوائد الفواد میں مولانا کمال الدین زاہد کا نام نہیں اس میں مولانا عزیز زاہد ہے۔ جس کو سیرالاولیاء میں مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے۔ اس کو سرقہ کہنا صحیح نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بزرگان دین فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین کی تلاوت کا بڑا التزام رکھتے تھے اس کے فوت ہو جانے پر مولانا رضی الدین یا مولانا عزیز الدین زاہد کو جو حادثہ پیش آیا، اس کا ذکر پہلے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، پھر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اور پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا۔ ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی روایت بیان یا اس کو قلم بند کرتے وقت نام لکھنے میں وہی سہو ہو گیا جو خود پروفیسر صاحب کو ہو گیا ہے، انھوں نے عزیز زاہد کو کمال زاہد اور مولانا رضی الدین کو مولانا رضی الدین صغانی تسلیم کر لیا ہے۔

دلیل العارفین کی مجلس یازدہم میں ہے :

" فرمود کہ در ملتان بودم، از بزرگے شنیدم
کہ توبہ اہل محبت بر سہ نوع است ۔"

اعتراض یہ ہے کہ اس میں ملتان کا ذکر کیسے آیا جب کہ ان ملفوظات کی ترتیب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہندوستان میں آنے سے پہلے بغداد میں ہوئی . لیکن یہ سمجھنا کہ یہ تمام ملفوظات بغداد میں مرتب ہوئے صحیح نہیں، کیونکہ دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم اجمیر کی جامع مسجد میں ہوئی ، پھر جہاں ذکر ہے کہ " در ملتان بودم " اسی کے بعد یہ بھی ہے کہ .

" مسافری سوم جائیکہ دفن ما خواہد بود یعنی
در اجمیر می روم ، ہر کسے را وداع کردو دعا
گو ہم در راہ بودیم ، بعد ازاں در اجمیر
رسیدیم ." (ص ۵۴)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے اجمیر سے پہلے ملتان میں قیام کیا ، جہاں ان کی ملاقات کسی بزرگ سے ہوئی ، اس کا ذکر مجلس یازدہم کے بجائے علیحدہ ہونا چاہئے تھا ، لیکن ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے . اس تصنیفی ترتیب کے نہ ہونے کی وجہ سے واقعہ کی اصلیت میں فرق نہیں آنے پاتا .

دلیل العارفین (ص ۵۵) میں ہے :

" آنگاہ فرمود کہ مرتبہ اہل محبت چنانست
کہ اگر بر سہ زشب نماز گزاردی ، گوید کہ
مارا فراغت نیست دمالک الموت می گریم
وہر جا کہ درماندہ است اورا دست
می گیرم ."

اس ملفوظ میں موت کی جو خوفناک دہشت ذکر کی گئی ہے اس کو تصوف کے اداشناس ہی سمجھ سکتے ہیں . پروفیسر صاحب اس کو پست درجہ کا تصوف ، Degraded Type of Mysticism کہتے ہیں . لیکن سب ذیل تحریروں میں اسی قسم کی باتیں ملیں گی .

" ایک مرید ہے جو پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے تھوڑے اوراد بھی پڑھ لیتا ہے لیکن اپنے شیخ کی محبت اس کے دل میں بہت ہے اور پیر سے بڑا راسخ اعتقاد رکھتا ہے دوسرا مرید وہ ہے کہ عبادت بہت کرتا ہے ، بے حد تسبیح اور اوراد پڑھتا ہے . اس نے حج بھی کیا ہے . لیکن شیخ کی محبت میں کمی کرتا ہے اور اس کے پیر سے اعتقاد رکھنے میں فتور ہے تو ان دونوں مریدوں میں سے کون بہتر ہے ، فرمایا جو اپنے پیر سے محبت کرتا ہے اور اس کا معتقد ہے ." (فوائد الفواد ص ۱۲۰)

(شیخ نصیر الدین دہلویؒ) نے فرمایا کہ خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ بستر علالت پر تھے ، ان پر سخت وقت گزرا تو اس وقت مریدوں میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی کہ خداوندا ! خواجہ ممشاد کو بہشت عنایت کرنا خواجہ ممشاد نے آنکھ کھولی اور فرمایا یہ دعا تم میرے لئے کرتے ہو ، چالیس سال سے بہشت مجھ کو دی جا رہی ہے لیکن میں اس کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتا ہوں ." خیر المجالس ص ۲۳۴

فوائد السالکین پر جتنے اعتراضات ہیں وہ اور بھی زیادہ کمزور قسم کے ہیں ، ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اس کو مرتب کیا ہوتا تو فوائد الفواد میں اس کا ذکر ہوتا ، لیکن اس کا ذکر نہ ہونا ، اس کے فرضی ہونے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد میں اس کا ذکر کیا ہے ، تو وہ قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا جاتا ہے التباس میں ۶۴۲ھ کی جو تاریخ لکھی گئی ہے وہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، جس کو فاضل معترض نے بھی تسلیم کیا ہے . فوائد السالکین (مجالس دوم ص ۱۳) میں ہے :

"ہمدریں محل فرمود کہ وقتے من و قاضی حمید الدین ناگوری طواف خانۂ کعبہ می کردیم بزرگے بود، او را نیز شیخ عثمان گفتندے و او از بندگان خواجہ ابوبکر شبلی بود..."

اس پر یہ اعتراض صحیح ہے کہ ابو بکر شبلیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانے میں بڑا فرق ہے، اس لئے ان کے حج کے زمانے میں بندگان خواجہ ابوبکر شبلیؒ کا ہونا ممکن نہیں، بندگان کتابت کی غلطی ہے اس کے بجائے بنیگان ہونا چاہئے (پھر خواجہ ابو بکر شبلیؒ کے نبیگان پوتے پڑپوتے) میں سے کسی کا ہونا کوئی بعید از قیاس نہیں، اسی طرح حسب ذیل عبارت میں کتابت کی ایک ایسی غلطی رہ گئی ہے جس پر اعتراض کرنا محض خردہ گیری ہے۔

"ہمدریں محل فرمود کہ وقتے بخدمت شیخ معین الدین حسن سجزی نشستہ بودم در اجمیر پتھورا کافر زندہ بود، ہر بار می گفت چہ نیکو بود کہ ایں درویش از اینجا برود درویش ہر کہ بودے گلہ می کردے۔ چنانچہ ایں خبر بسمع شیخ معین الدین چشتیؒ رسید و درویشاں دیگر نشستہ، در حال متفکر بود، سر در مراقبہ کرد، در مراقبہ فریاد کرد، پتھورا را زندہ بمسلمانان دادیم، ہمدریں چند روز لشکر سلطان شمس الدین محمد شاہ آنجا رسید تمام شہر را نہیب کرد و پتھورا را زندہ گرفت در واں شد ...." (ص ۱۵)

اوپر کی عبارت میں سلطان شمس الدین محمد شاہ کے بجائے سلطان معز الدین محمد بن سام ہونا چاہئے اس کے بعد پوری عبارت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، سلطان شمس الدین محمد شاہ کا لکھا جانا کتابت وطباعت کی غلطی ہے، جس کی نشان دہی تاریخ کا ایک ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی کر سکتا ہے۔

فوائد الفواد لیکن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زبانی روایت ہے کہ "میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں تھا۔ وہاں سماع تھا قوالوں نے ایک قصیدہ کا یہ شعر پڑھا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگرست

تو مجھ پر اور قاضی حمید الدینؒ پر اس شعر کا یہ اثر ہوا کہ تین رات دن مدہوش اور متحیر رہے، اس کے بعد ہم دونوں گھر آئے، قوالوں سے یہی شعر پڑھواتے تھے، تین متواتر رات اور دن اس شعر پر کھوئے رہے۔ ہم لوگ اپنی خبر نہ رکھتے تھے۔ لیکن نماز وقت پر ادا کرتے تھے۔ پھر سماع میں مشغول ہو جاتے تھے اس طرح سات رات اور دن حیرت میں رہے قوال جب یہ شعر گاتے تو ایسی حالت اور حیرت پیدا ہو جاتی کہ اس کی شرح نہیں ہو سکتی ہے۔ (ص ۱۸)

اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس تحیر کی کیفیت میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ہو گیا۔ اس کی تصریح فوائد الفواد میں ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی روایت ہے کہ شیخ علی سجزیؒ کی خانقاہ میں سماع تھا، شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز وہاں موجود تھے، قوالوں نے ایک قصیدہ شروع کیا اور جب یہ شعر پڑھا ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کو اس پر وجد آ گیا وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے، فرماتے کہ وہی شعر پڑھو، وہ پڑھا جاتا، وہ اسی طرح متحیر رہتے جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھتے، اور پھر وہی شعر پڑھواتے، جس کو سن کر ان پر حال اور حیرت طاری

ہو جاتی، چار دن رات یہی حال رہا، پانچویں رات رحلت فرمائی، شیخ بدرالدین غزنوی فرماتے ہیں کہ میں اس رات وہاں موجود تھا۔" (ص ۱۲۴)

فوائدالسالکین پر اعتراض ہے کہ اس کی اکثر روایتیں فوائدالفواد سے سرقہ ہیں اگر مذکورہ بالا روایت بھی اسی سرقہ ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں رحلت کا ذکر فوائدالسالکین میں کیوں حذف کر دیا گیا ہے۔ سیرالاولیاء، سیرالعارفین، اخبارالاخیار اور دوسرے تذکروں میں فوائدالفواد ہی کی روایت نقل کی گئی ہے، فوائدالسالکین اور فوائدالفواد دونوں میں یہ روایت حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی وفات کے سلسلہ میں نہیں بلکہ کیفیت تحیر کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ فوائدالفواد میں ہے کہ اسی حال میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت ہو گئی، لیکن فوائدالسالکین کی روایت کے مطابق اس موقع پر قطب صاحبؒ کی رحلت نہیں ہوئی، فوائدالفواد کی روایت زیادہ مستند سمجھی گئی ہے۔ لیکن محض اس اختلاف سے فوائدالسالکین جعلی قرار دیئے جانے کے لائق نہیں ہے، خیرالمجالس اور جوامع الکلم جیسی مستند کتابوں میں بھی ایک روایت کو مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی خیرالمجالس کے دیباچہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ جوامع الکلم میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو خیرالمجالس میں بھی ہیں۔ اور بعض روایتوں کی تفصیلات میں اہم اختلافات ہیں۔

فوائدالسالکین میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زبانی ہے کہ ہم لوگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مجلس میں حاضر تھے۔ بغداد میں کئی روز تک ان کے ساتھ افطار کیا، میں نے ان کی مشغولیت دیکھی، میں نے دنیا کی اتنی سیاحت کی لیکن شیخ شہاب الدین جیسا کوئی آدمی مشغول نہیں دیکھا (ص ۲۲)، پروفیسر صاحب نے حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ملاقات کو مہمل ABSURD قرار دیا ہے، لیکن وجہ نہیں بتائی۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی قطب صاحب اور ان کا زمانہ ایک تھا، فوائدالفواد (ص ۲۱۲) میں سلطان شمس الدین التتمش کے ذکر میں ہے کہ وہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ اوحد کرمانی سے ملا، پھر قطب صاحب کی ملاقات کو بعید از قیاس سمجھ کر مہمل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کو تسلیم ہی نہ کیا جائے کہ انھوں نے سیاحت کی۔ لیکن ان کی سیاحت سے انکار کرنا، خود اپنی جگہ تعجب خیز ہے، اگر وہ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوتے تو اوش چھوڑ کر اجمیر نہ آتے اور دہلی میں آکر قیام پذیر نہ ہوتے۔ پھر ان کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ برابر متحرک رہے، اس لئے کہ ان کی سیاحت کا دائرہ بہت وسیع رہا۔ مرشد کی روایت کے مطابق انھوں نے بھی مختلف مقامات کی سیاحت کی تو اس کو یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، فوائدالسالکین میں غزنین، سمرقند، بغداد کی سیاحت کے علاوہ خانۂ کعبہ کی زیارت کا بھی جا بجا ذکر ہے۔ لیکن سیرالاولیاء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی حج نہیں کیا اس کے مولف نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی یہ بیان کیا جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے۔

شیخ الشیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہٗ چند بار آرزوئے حج کرد، در دوران شد بجدے کہ در اوجہ رسید، در دل مبارک شیخ شیوخ العالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بالخیر بختیار قدس سرہٗ حج نہ کردہ، ست مرا چرا باید کرد کہ مخالفت پیر کنم از آنجا کہ باز گشت۔" اگر یہ روایت شک و شبہ سے بالاتر اس لئے ہے کہ یہ

سیر الاولیا جیسے مستند تذکرہ کی روایت ہے، تو پھر اس بیان کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اور حضرت فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات مرتب ہوئے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،

فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت علمائے ظاہر کی نظر میں کھٹکتی ہے، اس لئے راقم بھی اس کو الحاقی سمجھتا رہا۔

"فرمایا کہ میں حضرت شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا، دوسرے درویش بھی تھے۔ اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص باہر سے آیا اور بیعت کے لئے قدمبوسی کی، حضرت خواجہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، اس نے کہا کہ آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے آیا ہوں انھوں نے فرمایا میں جو کچھ تم سے کہوں کرو، اور بجالاؤ۔ تو پھر مرید کروں گا۔ اس نے کہا جو حکم ہو، فرمایا کہ تم کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہو، لیکن ایک بار اس طرح پڑھو، لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ وہ راسخ العقیدہ تھا، اس لئے اس نے اسی طرح کلمہ پڑھ دیا، حضرت خواجہ نے اس کو بیعت کر لیا، خلعت اور بہت کچھ نعمت عطا کی، لیکن اس آدمی سے کہا سنو، میں نے تم سے اس طرح کلمہ پڑھوایا تاکہ تمہاری عقیدت کا امتحان لوں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں، اور کون ہوں محمد رسول اللہ کا کمترین غلام ہوں اور کلمہ وہی ہے جو تم نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مرید کو صادق ہونا چاہئے....." (ص ۲۲-۲۳)

لیکن اس قسم کی روایت فوائد الفواد (ص ۲۴۳) سیر الاولیا (ص ۳۳۸) اور مفتاح العاشقین (ص ۴) میں بھی نظر سے گذری، صرف نام بدلا ہوا ہے۔ فوائد السالکین میں شیخ معین الدین کا اسم گرامی ہے، اور ان تینوں کتابوں میں شیخ شبلیؒ کا نام ہے۔ ان روایتوں کو دیکھ کر فوائد السالکین کی روایت کو الحاقی سمجھنے سے رجوع کیا، اور خیال ہوا کہ متابعت پیر کے سلسلہ میں صوفیہ کرام کے حلقے میں اس قسم کے روایتوں کا بیان کرنا عام تھا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ جب یہ روایت الحاقی نہیں ہو سکتی ہے تو پھر ان ملفوظات میں سب ہی روایتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہیں، جن کے رموز و نکات کو یہ بزرگان دین ہی سمجھ سکتے تھے، فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت بھی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے

حج کا ذکر آیا، قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولانا علاء الدین کرمانی سید نور الدین مبارک غزنوی سید شرف الدین۔ شیخ محمود موزہ دوز مولانا فقیہ خداداد اور دوسرے لوگ تھے، یہ سب ایسے تھے جن کے درمیان عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی خبر یا علت حجاب نہ تھی، سب صاحب کشف و کرامات تھے خانہ کعبہ کے مسافروں کا ذکر ہونے لگا۔ خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا جو اللہ کے خاص بندے ہیں جب وہ اپنے مقام پر ہوتے ہیں تو خانہ کعبہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کے گرد طواف کرے یہ کہہ کر وہ اور دوسرے حاضرین کھڑے ہوگئے، اور عالم تحیر میں ایسے مشغول ہوگئے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہی، یہ دعاگو بھی عالم شوق میں مستغرق ہوگیا، پھر حضرت خواجہ اور دوسرے

لوگوں نے اسی طرح تکبیر یا کہنی شروع کردیں جس طرح طواف کعبہ کے وقت کہا کرتے ہیں اور ہر ایک کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا، اور جو قطرہ زمین پر گرتا تھا۔ اس سے تکبیر کا نقش بنتا چلا جاتا تھا، اور جب ہم ہوشیار ہوئے تو ہم نے کعبے کو اپنے آگے دیکھا! چنانچہ ہم نے اس کا ویسا ہی ادب و تعظیم کیا جو ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ہم نے چار بار طواف کیا۔ غیب سے ندا آئی۔ اے عزیزو! ہم نے تمھارا حج، طواف و نماز قبول کی اور ان لوگوں کو بھی جو تمھارے نقش قدم پر چلیں اور تمھاری پیروی کریں۔"

پھر فرمانے لگے کہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری قدس اللہ سرہ العزیز ہر سال اجمیر سے زیارت خانۂ کعبہ کے لیے جایا کرتے تھے، رات وہاں گزارتے، اور صبح ہونے نہ پاتی کہ واپس ہو جاتے، اور عشا خانہ میں نماز ادا کرتے۔ پھر فرمایا کہ میں نے شیخ معین الدین کی زبان سے شیخ عثمان ہارونی کی یہ حکایت سنی کہ جب خواجہ مودود چشتی کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا شوق غالب ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانۂ کعبہ کو چشت لے آئیں اور خواجہ کی نظروں کے سامنے کردیں۔ خواجہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور نماز پڑھتے تو فرشتے خانۂ کعبہ کو لے جاتے۔ پھر فرمایا کہ خواجہ حذیفہ مرعشی قدس اللہ سرہ العزیز ستر برس تک اپنے سجادہ سے نہیں اٹھے اور کہیں نہیں گئے، لیکن جو مسافر اور حاجی خواجہ کی زیارت کو آتے، کہتے کہ انھوں نے خواجہ کو خانۂ کعبہ اور بیت المقدس میں دیکھا ہے۔" (ص ۲۵-۲۶)

لیکن اس قسم کی روایتوں سے پورے مجموعے کو جعلی اور فرضی قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ سیر الاولیاء میں اس سے زیادہ عجیب و غریب روایتیں ہیں، ملاحظہ ہوں:-

"مولانا بدر الدین بڑے صادق القول تھے ان کی روایت ہے کہ میں نے ایک روز سلطان المشائخ کی دہلیز کے پاس ایک اونٹ دیکھا وہ دریچہ سے باہر دریچہ کے نیچے کھڑا تھا سلطان المشائخ اس اونٹ پر سوار ہوئے، اونٹ ہوا میں اڑ گیا، میں بیخود ہوا اور کچھ دیر کے بعد جب اپنے آپے میں آیا نیند جاتی رہی (خواب از سر رفت) یہاں تک کہ رات آخر ہوگئی، پھر میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ آگیا ہے اور دریچہ کے نیچے کھڑا ہے۔ سلطان المشائخ نے دریچہ کھولا اندر چلے گئے، اور اونٹ واپس ہوگیا، اس کاتب حروف نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ شیخ نجم الدین صفاہانی سات سال تک خانۂ کعبہ کے مجاور رہے تھے۔ انھوں نے اپنا گھر اس طرح بنایا تھا کہ وہاں سے بیٹھے خانۂ کعبہ کو دیکھا کرتے تھے، بڑے کامل حال شیخ تھے۔ ایک روز مکے کے مجاوروں نے ان سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہیں اور خدا کے بندوں کو ان کے مقصد تک پہنچاتے ہیں لیکن خانۂ کعبہ کی زیارت نہیں کرتے ہیں، اور حج کی دولت نہیں پاتے ہیں شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ اکثر فجر کی نماز خانۂ کعبہ میں آکر پڑھتے ہیں اور ہم لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں، خیال ہے کہ وہ اونٹ فرشتہ تھا جو غیب سے آتا اور سلطان المشائخ

کو فانہ کعبے جاتا۔" (ص ۱۴۳ - ۱۴۴)

آگے چل کر سیر الاولیاء کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے:

ایک عزیز نے بیان کیا کہ میں اپنے قصبہ سے سلطان المشائخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، میرا گذر قصبہ بوندی سے ہوا میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں جو شیخ عزیز کہلاتے ہیں۔ ان سے جا کر ملاقات کروں۔ ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ تم کہاں جاؤ گے میں نے کہا حضرت سلطان المشائخ کے پاس۔ انھوں نے کہا سلطان المشائخ سے میرا سلام پہنچانا اور کہنا حبیب کی بہرات ان سے کعبہ میں ملاقات کرتا ہوں۔ جب میں سلطان المشائخ کے پاس پہنچا، تو عرض کیا، قصبہ بوندی کے ایک درویش نے سلام کہا ہے۔ اور پھر وہ پیام کہا تو شیخ متغض ہوئے اور فرمایا۔

"آں درویشے عزیز است و سخن زبان خود بر خود ندارد۔" (ص ۱۴۶)

فوائد الفواد کے مرتب کی زبانی یہ روایت ہے۔

"میں نے آج ..... ایک دوست سے ایک بات سنی ہے، جو دل میں لگ گئی ہے وہ بات یہ ہے کہ اس نے کہا حج کے لئے وہیں جاتا ہے، جس کا کوئی پیر نہ ہو خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ مصرعہ زبان مبارک پر آیا، ع

آں رہ بسوئے کعبہ برد ایں بسوئے دوست

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالحق قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات کے بعد مجھ کو حج کا شوق غالب ہوا میں نے کہا ذرا اجودھن جا کر شیخ کی زیارت کر دوں جب شیخ الاسلام کی زیارت کو پہنچا تو میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی حاصل ہوا۔ دوسری بار پھر ہوس ہوئی، پھر شیخ کی زیارت کو گیا پھر غرض حاصل ہو گئی۔"

(ص ۱۵۵)

اسرار الاولیاء مرتبہ بدر اسحٰق کے مجموعہ نسخہ میں کہیں سنین و اسماء کی لکھائی چھپائی کی اسی طرح کی غلطیاں ہیں جو اور مجموعوں میں ہیں، لیکن اس کے باوجود اس میں چشتیہ سلسلہ کی جو تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس میں ہیں اس میں کہیں کفر و شرک کی بو نہیں آتی، جس کی بنا پر یہ رسالہ بالکل ہی نظر انداز کر دئے جانے کے لائق سمجھا جائے۔

اس مجموعہ پر جزوی اعتراضات کے سوا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں حضرت فریدالدین گنجشکرؒ کی سیاحت کا ذکر ہے، جب کہ فوائد الفواد میں ان کی سیاحت کا کوئی ذکر نہیں، لیکن فوائد الفواد میں سیاحت کا ذکر نہ آنا، اس سے قطعی انکار کی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں اس لئے ذکر نہ کیا گیا کہ راحت القلوب اور سیر الاولیاء میں اس کا ذکر بار بار آ چکا ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکرؒ کے سفر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس زمانے میں منگولوں کے حملوں کے سبب راستے محفوظ نہ تھے۔ لیکن مردان سلوک کے سفر کے لئے یہ سبب مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ خود حضرت فریدالدین گنجشکرؒ نے اپنے مرید شیخ عارف کو سیوستان بھیجا، اور حج کے لئے روانہ کیا۔ سیر الاولیاء (ص ۱۸۴ — ۱۸۵) اسی زمانے میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے سفر کیا، اور شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے

حضرت جلال الدین تبریزیؒ تو اس زمانے میں برابر متحرک رہے ان کے پاؤں میں ہمیشہ چکر رہا۔ اس طرح حضرت فریدالدین گنجشکرؒ نے بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روایت کے مطابق روحانی تعلیمات کی غرض سے مختلف مقامات پر جاکر بزرگانِ دین سے کسب فیض کیا۔ تو اس سے انکار کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔ پھر پروفیسر خلیق احمد نظامی کو اپنی فاضلانہ کتاب، دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فریدالدین گنجشکرؒ میں اس کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے کہ انھوں نے قندھار اور سیستان کا سفر کیا، گو وہ بھی حضرت فریدالدین گنجشکرؒ کے اور دوسرے مقامات کی سیاحت کے قائل نہیں ہیں، لیکن وہ اس پرآشوب زمانے میں ہندوستان سے نکل کر قندھار اور سیستان جاچکے تھے، تو پھر ان کا غزنی بخارا، بغداد اور بدخشاں پہنچنا ناممکن نہیں کہا جاسکتا ہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت ۶۳۳ھ میں ہوئی جب کہ حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کی عمر ۵۷۱ھ کے سنہ پیدائش کے لحاظ سے ۶۲ برس کی تھی اور اپنے مرشد کی رحلت کے بعد اجودھن میں رشد و ہدایت کی مسند پر مستقل طور سے متمکن ہوئے، اس سے پہلے اپنی عمر کی اس طویل مدت میں اگر وہ مختلف مقامات کی سیاحت کے لئے باہر گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، خصوصاً جب چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں مختلف مقامات پر پہنچ کر بزرگانِ دین سے کسب فیض کرنے کی بڑی اہمیت تھی،،

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فریدالدینؒ گنجشکرؒ میں لکھتے ہیں۔

،، عہد وسطیٰ میں راہ سلوک کی تعلیم و تربیت میں سیاحت لازمی جزو تھا، اس کے متعدد فوائد تھے .... مولانا عزیزالدین محمود بن علی کاشانی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ ان سیاحتوں سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے تھے، اکابر خواجگانِ چشت میں شیخ عثمان ہروانی شیخ معین الدین چشتیؒ اور شیخ قطب الدین برسوں دور دور تک سفر کرتے رہے۔،، (ص ۲۷)

البتہ یہ غور کرنا ہے کہ اسرار الاولیا اور اس کے ساتھ راحت القلوب میں اس سیاحت کے دوران میں حضرت فریدالدین گنجشکرؒ نے جن جن بزرگوں کی زیارت کی وہ ممکن تھی کہ نہیں وہ بغداد میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۵۸ھ) میں ملے، بغداد میں ان کی ملاقات خواجہ اجل سجزی، اور سیوستان میں شیخ اوحد الدین کرمانی سے بھی ہوئی، ان دونوں بزرگوں کا سنہ وفات تو معلوم نہیں، لیکن وہ دونوں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے معاصر تھے۔ اس لحاظ سے حضرت فریدالدین گنجشکرؒ کا ان تمام بزرگوں سے ملنا بعید از قیاس نہیں۔ البتہ راحت القلوب میں دو جگہوں پر عبارت کھٹکتی ہے، ایک تو حسب ذیل ہے۔

،، وقتے جانب بدخشاں مسافر بودم، دراں شہر بزرگانِ اولیا بودند، چنانچہ عبدالواحد نبیرۂ شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ العزیز بیرون شہر میان غاری مسکن داشت چوں شنیدم نزدیک آں غار شدم،،(ص۱)

نبیرہ کے معنی پوتے کے لئے جائیں تو ذوالنون مصریؒ (المتوفی ۲۴۶ھ) کے پوتے سے حضرت بابا فرید گنجشکرؒ کی ملاقات ممکن نہیں ہو سکتی، لیکن نبیرہ سے پوتوں کی اولاد بھی مراد لی جائے تو پھر شیخ عبدالواحد کو حضرت ذوالنون مصریؒ کے پوتے کی اولاد سمجھنا چاہئے جن سے پھر حضرت فریدالدین گنجشکرؒ کی ملاقات کے سلسلہ

میں شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح راحت القلوب میں ایک جگہ ہے۔

"وقتے درخدمت شیخ یوسف چشتی
قدس اللہ سرہ حاضر بودم۔" (ص ۲۲)

معلوم نہیں شیخ یوسف چشتی سے کون مراد ہیں اگر یہ خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی ہیں تو ان سے ملنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے دادا پیر کے پیر ہیں، اگر سرسری طور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور بزرگ تھے۔ جو خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی سے مختلف تھے، اگر اس کو میری بے جا تاویل سمجھی جائے اور مذکورہ بالا فرو گذاشت کو ناقابل معافی غلطی قرار دیکر راحۃ القلوب کو جعلی سمجھنے پر اصرار کیا جائے تو پھر ایک عجیب جو، قار حمید قلندر کی حسب ذیل روایت؟ پڑھ کر خیر المجالس کے متعلق وہی رائے قائم کر سکتا ہے، جو راحۃ القلوب کے بارے میں ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ عثمان ہروانی کا ایک مجذوب درویش کا ساتھ تھا۔ جن کا نام فرزند خیر تھا[1]، وہ درویش ایک شہر میں گئے تو وہاں کی جامع مسجد میں قیام کیا، اور محراب کے سامنے سو گئے مسجد لکڑی کی بنی ہوئی تھی، اس کی دیوار اور چھت بھی لکڑی کی تھی۔ نماز کے وقت موذن آیا اور پائے مبارک کو کھینچا، وہ درویش اٹھ گئے، انھوں نے ایک آہ کی تو ان کے منہ سے آگ پیدا ہوئی۔ مسجد میں آگ لگ گئی۔ درویش باہر نکل آئے، آگ شہر تک پہنچ گئی، شہر جلنے لگا، شیخ عبداللہ انصاری شہر میں تھے ان کو خبر کی گئی کہ ایک بزرگ جامع مسجد میں سوئے ہوئے تھے، موذن نے ان سے گستاخی کی، ان کا پاؤں کھینچا، انھوں نے آہ کی تو ان کے منہ سے آگ نکلی، اس وقت وہ آگ شہر میں آ گئی ہے اور جلا رہی ہے، شیخ عبداللہ انصاری نے کہا کہ وہ بزرگ کس طرف گئے، لوگوں نے بتایا کہ فلاں طرف گئے، پیچھا کیا تو ان کے پاس جا پہنچے، فرمایا اے درویش! یہ شہر مجھ کو بخش دو، کہا نہیں بخشتا ہوں پھر فرمایا بخشدو کہا ایک ثلث دیا۔ فرمایا کہ کچھ اور زیادہ دیدو، کہا دو ثلث دیا شیخ عبداللہ انصاری واپس آ گئے۔ ایک ثلث شہر جل چکا تھا دو ثلث باقی رہ گیا تھا۔" (ص ۵۳)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہروانی مجذوب بزرگ اور شیخ عبداللہ انصاری کا زمانہ ایک تھا، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ شیخ عبداللہ انصاری کی وفات پانچویں صدی میں ۴۸۱ھ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ عثمان کی ولادت چھٹی صدی ہجری اور وفات ساتویں صدی ہجری میں ہوئی، دونوں کی معاصرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ شیخ عبداللہ انصاری ہرات والے بزرگ نہ تھے جن کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی، بلکہ کوئی اور تیسرے بزرگ تھے، جن کے نام کی غلط کتابت ہو گئی ہے۔ یہ کہتے وقت راحت القلوب کے نساخ کو بھی سامنے رکھنا پڑے گا

اسرار الاولیاء کی مجلس دوم (ص ۱۱) میں ہے،

"بعد ازاں فرمود کہ اے درویش وقتے برادرم مولانا بہاء الدین زکریا و دعاگوی یکجا نشستہ بودیم حکایت سلوک می رفت زبانے برآمد، برادرم بہاء الدین بر خاست و

[1] علی گڈھ کے مطبوعہ نسخہ میں فرزند خیر نام لکھا ہوا ہے اس کے حاشیے میں ایک دوسرے نسخہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ نام [illegible] بادر ماند [illegible] ترجمہ سیر المجالس میں نام "جرک" تحریر ہے، اس سے [illegible] کہ بعض وقت نام لکھنے میں کتنا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

الشدم۔ شدہ بہ ہائے ہائے جگر بست و گفت۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، دعاگوی پرسید کہ ایں چہ حالست گفت بر خبر۔ بیں چوں برخاستم، چہ بینم از دروازہ بغداد و جنازہ شیخ سعد الدین حمویہ آوردہ اند نماز جنازہ می گذارند، ہیبش مسجد جامع بغداد۔" (ص ۱۱)

اس روایت میں کوئی تضاد یا ضعف نہیں کیونکہ حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ) کی وفات حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت بہاالدین زکریا ملتانیؒ کی زندگی ہی میں ہوئی۔ فوائد الفواد میں ہے:

"بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ اول شیخ سعد الدین حمویہ نقل کرد، بعد از وے بسہ سال شیخ سیف الدین باخرزی بعد از وے بسہ سال، شیخ بہاء الدین زکریا بعد از وے بسہ سال شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔" (ص ۱۳)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی فصل اول ۶۳۱ھ میں شروع ہوئی اور اس کے آخر میں بیان ہے کہ اس میں بارہ سال تک کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ اس میں ۶۴۳ھ تک کے واقعات ہیں۔ پھر حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ) کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔ پہلے کہا گیا کہ اس میں سنین اور اسماء کی غلطیاں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ۶۳۱ھ کے سنہ میں کتابت کی غلطی ہو گئی ہو۔ پھر آخر میں اجمالی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ:

"اتا اسرار و انوار و الفاظ دربار شیخ الاسلام در مدت دوازدہ سال شنیدہ است

در سلک مجموعہ نوشتہ آمد۔"

اس کو ۶۳۱ھ کے بعد ہی کے بارہ سال سمجھنا محض خردہ گیری ہے، اسرار الاولیا کی پہلی فصل میں تو تاریخ دی ہوئی ہے، لیکن ۲۴ فصلوں میں سے کسی ایک میں بھی تاریخ درج نہیں ہے، اس لئے پہلی فصل کی تاریخ کو غلط سمجھ کر کتاب سے نکال دیا جائے، تو پھر ترتیب زمانی میں کوئی التباس پیدا نہیں ہوتا اس طرح اس میں جو واقعات درج ہیں اس لحاظ سے یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ) شیر خاں (المتوفی ۶۶۳ھ) اور حضرت نجیب الدین متوکل کی وفات سے پہلے یہ ملفوظات مرتب ہوئے۔ پھر پروفیسر حبیب موصوف کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہوگا کہ ان بزرگوں کی زندگی کا جو زمانہ ہے، اس میں ان کی وفات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسرار الاولیا (ص ۹۰) میں ہے:

"فرمود کہ اے درویش وقتے من و شیخ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بدایوں رسیدیم روزے در دہلیز خانہ نشستہ بودیم۔"

اس پر پروفیسر صاحب کا اعتراض ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے ہیں، لیکن جن مستند ماخذوں کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے، ان کے نام نہیں لکھے گئے ہیں، قطعی طور پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے، کیونکہ سیر الاولیا میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ روایت ہے کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی بدایوں میں تھے اور وہ ہر سال ان سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔

"سلطان المشائخ می فرمود کہ شیخ نجیب الدین متوکل را برادرے بودے، بعد اول ہر سال بزیارت او آنجا رفتے تا وقتے کہ ہر دو برادر

بدیدن شیخ علی بزرگ کہ صاحب
نعمت بود در بداؤں رفتند۔" (ص ۶۷)

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی تھے، اس لئے یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی اپنے بھائی سے ملنے بدایوں گئے ہوں۔ ایسی حالت میں حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ بدایوں جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہو سکتی، خصوصاً "فوائد الفواد" خیر المجالس اور سیر الاولیاء کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی کئی بار بدایوں پہنچے۔

اسی کے ساتھ اسرار الاولیاء کی مذکورہ بالا روایت کو ہمدردانہ طور سے پڑھنے کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے، اس میں من اور جمع متکلم کا صیغہ غلط کتابت کی وجہ سے اضافہ ہو گیا ہو، کیونکہ اسی روایت میں پھر یہ صیغہ نہیں آیا ہے، اس لئے اگر اسرار الاولیاء کا کوئی قدیم ترین نسخہ دیکھا جائے تو ممکن ہے کہ اس میں مذکورہ بالا الفاظ کے بجائے حسب ذیل الفاظ ہوں

"فرمود کہ اے درویش وقتے شیخ جلال
تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بداؤں
رسید ہر روزے در دہلیز خانہ نشستہ
بود۔"

اس طرح یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۴۳) کی روایت کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے اور اس کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد ہی کی زبانی یہ روایت دہرائی جو فوائد الفواد میں قلمبند کر دی گئی۔ خیر المجالس کی مجلس پنج و ششم میں یہ روایت کچھ بڑھا کر درج کی گئی ہے لیکن اس جزوی اختلاف سے نفس حکایت اور پوری کتاب پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اسی روایت کے سلسلے میں پروفیسر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی ملاقات حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے بدایوں میں کبھی نہیں ہوئی

اس لئے لکھنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی ولادت ہوئی ظاہر ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ اگر آئے بھی ہوں گے تو اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء سے ملنے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔

اسرار الاولیاء کی فصل یازدہم میں ہے:۔

"فرمود کہ اے درویش دعا گو را برادرے
بود شیخ نجم الدین متوکل نام او بود از
حد مشغول چنانچہ دعا گوی چند جا بیان
کردہ است ہیچ کسے را ہم چنیں ندیدم
و در ہیچ شہرے نیافتم از آنکہ آں زماں
کہ او را خوف حق مستولی شدے" (ص ۱۶)

جس طرح اس مجموعہ میں کتابت کی اور غلطیاں ہیں اسی طرح مذکورہ بالا اقتباس میں نجیب الدین متوکل کے بجائے نجم الدین متوکل کی کتابت ہوئی ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ملفوظات کا یہ مجموعہ ۶۳۲ھ میں ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بہت دنوں تک شیخ نجیب الدین متوکل زندہ رہے، پھر ان ملفوظات میں "برادرے بود" کیسے لکھا گیا، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے یعنی وہ اپنے بھائی کا ذکر ان کی وفات کے بعد کر رہے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات ان کے بھائی کی رحلت کے بعد کے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ملفوظات کے قلم بند ہونے کی جو تاریخ مطبوعہ نسخہ میں درج ہے وہ غلط ہے، اور یہ یقیناً کتابت کی غلطی ہے۔ جس کو خود پروفیسر صاحب یہ کہہ کر تسلیم کرتے ہیں کہ

The date for first fasl is Monday 11 Shaban 631 A.H (1233-34) which is impossible to accept.

اسرار الاولیاء میں حضرت خواجہ معین الدین کے ذکر میں ہے۔

"دریں میان لشکر محمد شاہ در اجمیر درآمد بنقود او را زندہ گرفتند۔" (ص ۱۰۰)

اس پر اعتراض کرنا بھی قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ کتابت کی صریحاً کھونڈی غلطی ہے۔ اسرار الاولیاء (ص ۱۲۳) پر بھی سلطان معزالدین محمد بن سام کا ذکر آیا ہے، لیکن وہاں سلطان معزالدین محمد شاہ مرقوم ہے سام کی بجائے شاہ کی کتابت ہو گئی ہے، مذکورہ بالا عبارت میں بھی معزالدین محمد سام ہی ہونا چاہیے جو غلطی سے صرف محمد شاہ لکھا گیا ہے، کتابت و طباعت کی غلطیوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان رسالوں کی کتابت و طباعت میں وہ اہتمام نہیں کیا گیا، جو واقعی ہونا چاہیے، ان غلطیوں سے فائدہ اٹھا کر طرح طرح کے اعتراضات کرنا بالکل مناسب نہیں۔

اسرار الاولیاء کی فصل پانزدہم، شانزدہم، ہفدہم اور ہژدہم میں شیخ نظام الدین اولیاء کے ساتھ شیخ بدرالدین غزنوی کا بھی ذکر آیا ہے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ کیسے دکھایا گیا ہے، کیونکہ شیخ بدرالدین غزنوی سے شیخ نظام الدین اولیاء کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی، اور شیخ نظام الدین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دہلی پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی تھی، معلوم نہیں پروفیسر صاحب موصوف نے یہ کیسے لکھ دیا ہے، کیونکہ فوائد الفواد میں ہے، کہ

"بعد ازاں دریں معنی حکایت فرمود کہ شنودم از شیخ بدرالدین غزنوی کہ او گفت کہ من چوں از غزنیں بدہلی درآمدم" (ص ۲۰۲)

سیر الاولیاء میں بھی دو جگہوں پر ہے:

"سلطان المشائخ .... می فرمود کہ از شیخ بدرالدین شنیدم کہ من در خانہ حمید الدین ناگوری درآمدم، دیدم جامہ بر شستن دادہ است و چادر سر ما است، میرزی وزر نداشت من بے چادر شستم و پیش آوردم در حال قبول کرد او پوشید و گفت بدر و ترا پیرہن عاقبت باست (ص ۱۶۶)

سلطان المشائخ می فرمود من از شیخ بدرالدین غزنوی شنیدم می گفت کہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز ایں دو بیت بسیار گفتے۔ (ص ۱۶۶)

سودائے تو اندر دل دیوانہ ماست
ہر چند حدیث نسبت افسانہ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت او خویش من است
خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانہ ماست

ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں ملاقاتیں ہوئیں۔

اسرار الاولیاء میں ہے:

"اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش قیامت کے دن جب عاشقوں کو مقام تجلی میں لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ انھیں کھڑا کرو اور عاشقوں میں سے ہر ایک کو سامنے لاؤ تاکہ ان میں ہر ایک کو تجلی نصیب ہو، وہ ستر ہزار سال تک بے ہوش رہیں گے۔ لیکن جب ان کو ہوش آئے گا تو وہ فریاد کریں گے کہ پھر تجلی اور نصیب ہو، اسی طرح ستر بار کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس ہوں گے، جب شیخ الاسلام دام اللہ برکاتہ نے یہ بات ختم کی تو ایک چیخ لگائی اور بے ہوش ہو گئے۔" (ص ۳۲)

حضرت فریدالدین کے اس قسم کے تجربہ اور کیفیت سکر کو پروفیسر صاحب نے جھوٹ اور مہمل قرار دیا ہے — AS FALSE AS IT IS ABSURD لیکن پروفیسر صاحب کے نزدیک فوائد الفواد، خیر المجالس، سیر الاولیاء غیر مستند کتابیں نہیں ہیں، بلکہ انہی کی روایتوں سے ہے دعوے

کو مستحکم بناتے ہیں۔ ان میں بھی تحیر کی روایتیں ملیں گی،
مثلاً فوائد الفواد (ص ۲۴۴) کی اس روایت کا ذکر پہلے
آچکا ہے، کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی " ایک
شعر کو سنکر چار رات دن عالم تحیر میں مدہوش رہے
اور اسی تحیر میں ان کی رحلت ہوئی،

خیر المجالس میں ہے،

" قیامت کا ذکر تھا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر
نے فرمایا، قیامت نزدیک آگئی ہے ۷۵۵
ہو گیا ہے۔ اس ذکر سے بشرۂ مبارک سفید
ہو گیا، اور حاضرین کھو گئے۔ اس حال میں
فرمایا کہ یاروں کے لئے شیرینی لاؤ، لیکن
حاضرین پر قیامت کا خوف ایسا تھا کہ
ان کی عمر تلخ ہو رہی تھی، شیرینی ان کے
سامنے رکھی رہی۔ کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ خواجہ
نے خادم سے فرمایا شیرینی واپس لے جاؤ
تھوڑی دیر میں پھر لاؤ، اس وقت ہم لوگوں
کو یہ سوچ تھی کہ ہم لوگ آسمان پر ہیں یا زمین پر، دن
یا رات، اس حال میں ایک پہر گذر گیا، کوئی
دم نہ مارتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک صاحب
واپس آئے اور بلند آواز سے سلام کیا
ان میں سے کچھ تو اپنے آپے میں آئے اور کچھ
قیامت کے خوف سے اسی طرح مستغرق
رہے۔" (ص ۱۳)

سیر الاولیاء (ص ۱۷۲) میں ہے:-

" شیخ شیوخ العالم کی حیات میں مولانا بدر الدین
اسحٰق قدس سرہ العزیز نے یہ شعر پڑھا۔

نیست ساست عشق روح چہ نطق می زند
اے زہزار خستہ کم بیش تو خواجہ می زنی

اس بیت سے عالم تحیر طاری ہو گیا جب
جب یہ شعر پڑھتے تھے بکا اور اہتزاز طاری
ہو جاتا، مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو

شیخ شیوخ العالم نے مولانا بدر الدین اسحٰق
رحمۃ اللہ علیہ سے امامت کرنے کو فرمایا، مولانا
نے نماز شروع کی۔ تحریمہ باندھا، لیکن قرات
کرنے کے بجائے یہی شعر ان کی زبان پر آیا
اس کے بعد وہ بے ہوش رہے۔ جب ہوش
میں آئے تو شیخ شیوخ العالم نے فرمایا، پھر
امامت شروع کرو اور حاضر رہو۔"

راحت القلوب پر اسی قسم کے کمزور اعتراضات
ہیں۔ مثلاً شروع ہی میں کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں فوائد
الفواد سے لی گئی ہیں:

It contains matters taken from Fuwaidul fuwad

لیکن پھر فوراً ہی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے مرتب
کی رسائی براہ راست فوائد الفواد تک نہیں ہوئی

The author does not borrow directly from Fawaidul Fuwad which seems to have been out of his reach

طرز استدلال یہ ہے کہ اگر کوئی روایت فوائد الفواد
سے ملتی جلتی ہے تو اس کو سرقہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن کوئی
روایت فوائد الفواد سے کچھ مختلف ہے تو اس کو
جعلی قرار دے کر رد کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

راحت القلوب کو جعلی بنانے کی ایک وجہ یہ بھی
بتائی جاتی ہے کہ فوائد الفواد اور خیر المجالس کے بیان کے
مطابق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو اجودھن
کی تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی۔ لیکن راحت القلوب
میں پہلی ہی بار کی حاضری میں خلافت ملنے کا ذکر ہے، ایسا
سمجھنا صحیح نہیں۔ راحت القلوب کے آغاز میں جو باتیں
لکھی گئی ہیں اسکو در اصل تمہید سمجھنا چاہیے جسمیں خلافت کا بھی
ذکر آگیا ہے لیکن یہ ذکر پہلی ہی کے سلسلہ میں کر دیا گیا ہے اس لئے یہ التباس
پیدا ہو گیا ہے کہ مختلف جلدوں میں ۶۵۵ھ کا ذکر ہے لیکن سنہ بھی کتابت و طباعت

کی فروگزاشت ہے، کیونکہ ان تاریخوں میں جو واقعات لکھے گئے ہیں ان میں تطبیق نہیں ہوتی، اگر محنت کی جائے تو یہ تاریخیں معلوم ہو سکتی ہیں، میری ذاتی رائے ہے کہ یہ تمام مجالس حضرت خواجہ کی آخری بار (یعنی ۶۶۳ھ) کی حاضری کے موقع کی ہیں، اگر ہر مجلس کے ساتھ یہ سنہ لکھ دیا جائے، یا خیر المجالس کی طرح سنہ اور تاریخ کا ذکر ہی نہ کیا جائے تو پھر واقعات میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا، پروفیسر صاحب کو سنہ کے غلط اندراجات کی وجہ سے ہر قسم کی غلطیاں نکالنے کا موقع مل گیا ہے۔ لیکن نفس واقعہ میں کوئی غلطی نہیں، مثلاً اس میں شیر خاں (المتوفی ۶۶۳ھ) شیخ بہاء الدین زکریا (المتوفی ۶۶۱ھ) اور شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ۶۵۸ھ) کی وفات کا ذکر ہے، اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ملفوظات ان بزرگوں کی وفات کے بعد مرتب ہوئے، تو پھر ہمدردانہ تنقید میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سنہ کا جو اندراج ہے وہ غلط ہے، لیکن مخالفانہ تنقید ہی میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس سنہ میں بزرگوں کی وفات نہیں ہوئی اس لئے پورا مجموعہ جعلی اور فرضی ہے۔

راحت القلوب میں اسرار الاولیاء کی طرح حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے مختلف مقامات کی سیاحت کا ذکر ہے، پروفیسر صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے لیکن تسلیم نہ کرنے کے اسباب پر ہم نے جو کچھ پہلے لکھا ہے وہ ناظرین کی نظروں سے گزر چکا ہے۔

اسرار الاولیاء ہی کی طرح راحت القلوب پر یہ اعتراض ہے کہ خواجہ حسن بصری اور ذوالنون مصریؒ کے مریدوں (disciples) اور حضرت بابا گنج شکرؒ کی ملاقاتوں کا ذکر تعجب خیز ہے، کیونکہ دونوں کے زمانہ میں بڑا تفاوت ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب سے یہ فروگزاشت ہوئی ہے اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے راحت القلوب (ص ۲۰) کی ایک عبارت ہے:

"پیر با عظمت صد و پنجاہ سال عمر او بود از نبیگان خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ"

اس کا ترجمہ پروفیسر صاحب نے انگریزی میں یہ کیا ہے:

A mystic. who was one hundred and fifty years old and was a Disciple of Khwaja Hasan Basari.

پیر عظمت کو پروفیسر صاحب نے خواجہ حسن بصری کا مرید بتایا ہے۔ حالانکہ وہ نبیگان میں تھے نبیگان سے مراد پوتوں پڑپوتوں کی اولاد بھی ہے پھر مرید بتا کر تفاوت زمانہ دکھانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح راحت القلوب (ص ۱۰) میں ہے۔

"من از نبیگان خواجہ جنید بغدادی ہستم"

راحت القلوب (ص ۱۷) میں ہے:

"عبدالواحد نبیرہ شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ العزیز"

ان دونوں عبارتوں میں نبیگان اور نبیرہ کا ترجمہ مرید ہی کیا گیا ہے، جس سے راحت القلوب سے خواہ مخواہ سوء ظن پیدا ہو جاتا ہے راحت القلوب (صفحہ ۴) حسب ذیل بیان پر جو اعتراض ہے اس سے بھی سوء ظن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے

"شیخ بدرالدین غزنوی و شیخ جمال الدین ہانسوی و مولانا شرف الدین نبیرہ قاضی حمیدالدین ناگوری نیز حاضر بودند"

پروفیسر صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

In Majlis No II (16 Shaban 655 AH) both Shaikh Badruddin Ghaznavi and Qazi Hamiduddin

لطف و رحمت عنایتے فرمودہ است
ور نہ چہ کسم خلق چہ داند مرا

اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس رباعی کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ میں نے اس کو یاد کر لیا ہے۔

دونوں میں کوئی تضاد نہیں، صرف تفصیل اور اجمال کا فرق ہے، لیکن پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ اگر ہم فوائد الفواد کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلے گا کہ خط کے ساتھ رباعی شیخ نظام الدین نے دہلی سے بھیجی تھی، غالباً دوسری آمد کے بعد بھیجی یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے خود ناظرین غور کریں، راحت القلوب کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ایک خط میں یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی۔

پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ راحت القلوب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ اجودھن کے قیام میں خانقاہ جایا کرتے تھے حالانکہ وہ خانقاہ ہی میں مرشد کے ساتھ مقیم تھے، ان سے درس لیتے تھے۔ دن میں کئی بار ان سے ملتے، شاید پروفیسر صاحب کو غلط فہمی اس لئے ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قلم سے ہر مجلس کے شروع میں حسب ذیل فقرے لکھے گئے ہیں۔

دولت پابوس حاصل شد۔۔ دولت
پابوس میسر شود ..... سعادت پابوس
میسر شد .. دولت قدم بوس حاصل
شد ..... سعادت قدم بوس حاصل شد

یہ تو لکھنے کا ایک مودبانہ طریقہ تھا۔ ان فقروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اپنے مرشد سے الگ رہتے تھے، ساتھ رہنے کے باوجود احتراماً یہ فقرے لکھا کرتے تھے، پھر فوائد الفواد کے حسب ذیل فقرے پر تو وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو پروفیسر صاحب موصوف راحت القلوب پر کرتے ہیں۔

خواجہ فرمود ہر چہ از شیخ شنودہ بستد نوشتم
چو بمقام خود باز آمدم برجائے نسخہ کردم۔"

یعنی وہ خانقاہ کی مجلس میں جو کچھ سنتے لکھ لیتے، پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس کو ترتیب دیتے، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قیام گاہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی جائے رہائش سے مختلف تھی راحت القلوب (ص ۴۹) میں ہے۔

یہ حکایت بیان فرمائے تھے کہ ایک درویش شہاب الدین غزنوی آئے۔ وہ شیخ الاسلام کے مرید تھے قدم بوسی کی حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھے اس درویش کو والی لاہور نے کم و بیش سو دینار دیکر شیخ الاسلام کے پاس بھیجا تھا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا اے درویش جو کچھ تمہارے پاس ہے لاؤ انھوں نے پچاس دینار شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کئے۔ شیخ الاسلام نے تبسم فرماکر فرمایا کہ شہاب تم نے بھائیوں کی اچھی تقسیم کی، لیکن درویشوں کے لئے اس قسم کی بات اچھی نہیں، وہ بہت شرمندہ ہوئے فوراً سو دینار شیخ الاسلام کو پیش کردیئے شیخ الاسلام نے فرمایا اگر میں تم کو اس قسم کی بات نہ کہتا تو تم اس کام میں بھٹک جاتے اس طرح تم درویشوں کے مقصد کو حاصل نہ کرتے پھر سو دینار ان کو دے دیئے اور فرمایا پھر سے بیعت کرو، بیعت میں خلل پڑ گیا!"

فوائد الفواد میں یہ روایت اس طرح درج ہے، کہ حضرت فرید گنج شکرؒ کے خلفاء کا ذکر تھا، تو حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا:

" ان میں ایک ایسے درویش بھی تھے جن کو عارف کہا جاتا تھا۔ ان کو سیوستان کی طرف بھیجا اور بیعت کی اجازت بھی دی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک ملک اوچ اور ملتان کی طرف تھا، یہ درویش اس ملک کے امام تھے

دونوں کچھ باہمی تعلقات بھی رکھتے تھے ایک بار اس ملک نے سو تنکے اس عارف کو دیئے اور شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس بھیجا، انھوں نے پچاس تنکے کو اپنے پاس رکھ لئے اور پچاس شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا،

"قسمت برادر عار کردی"

وہ عارف شرمندہ ہوئے اور اپنے پاس جو پچاس تنکے رکھے ہوئے تھے ان کو شیخ کی خدمت میں پیش کئے، اور بڑی عاجزی کی، معذرت کی پھر ارادت کے لئے التماس کیا، شیخ نے اپنے ہاتھ پر بیعت کرلیا اور وہ محلوق ہو گئے، اس کے بعد وہ اتنے راسخ العقیدہ ہوتے گئے کہ پوری استقامت سے ساری چیزیں حاصل کرلیں، اور بالآخر شیخ نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دیدی اور سیوستان کی طرف بھیجا۔" (ص ۱۵ - ۱۶)

سیرالاولیا میں فوائدالفواد ہی سے یہ روایت لی گئی ہے لیکن فوائدالفواد کی مذکورہ روایت نقل کرکے اس کے مولف نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ مولانا عارف کو خلافت نامہ ملا تو انھوں نے شیخ الشیوخ حضرت فریدالدین سے کہا کہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہیں اور جو کام مشائخ کبار کرتے رہے ہیں، وہ ان سے نہ ہوگا لیکن شیخ نے ان پر شفقت فرمائی، اس کے بعد وہ شیخ شیوخ عالم کی اجازت سے کعبہ گئے۔ جہاں سے واپس نہ ہوئے یہ اضافہ اس لئے الحاقی نہیں سمجھا جاسکتا کہ یہ فوائدالفواد میں نہیں ہے۔

اب راحت القلوب اور فوائدالفواد کی اس روایت میں جو اختلاف ہے، وہ نام کا اختلاف ہے راحت القلوب میں نام شہاب الدین غزنوی اور فوائدالفواد میں عارف بتایا گیا ہے، راحتہ القلوب میں ہے کہ وہ پہلے ہی سے حضرت شیخ فریدالدین کے مرید تھے۔ لیکن فوائدالفواد میں ہے کہ وہ بعد میں مرید ہوئے راحتہ القلوب میں ہے کہ مالی لاہور نے بھیجا، لیکن فوائدالفواد میں مبہم طریقہ پر بتایا گیا ہے، کہ ملک اوچہ اور ملتان کی طرف تھا، لیکن اس جزوی اختلاف سے کتاب کے جعلی اور فرضی ہونے کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا، اس قسم کے اختلافات تذکروں میں بہت ملتے ہیں، ممکن ہے کہ ملفوظات کے مرتب کو لکھنے میں سہو ہوگیا ہو، لیکن باحتمال دونوں مجموعوں کے لئے ہوسکتا ہے، اور اگر یہ صحیح ہے، کہ راحتہ القلوب کی یہ روایت فوائدالفواد سے سرقہ ہے تو پھر اس سرقہ میں نام بدل دینا سمجھ میں نہیں آتا۔

راحتہ القلوب میں ہے:

"بعد ازاں ہمدریں محل فرمود کہ وقتے قاضی حمیدالدین ناگوری و شیخ قطب الدین بختیار اوشی و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ بدرالدین غزنوی قدس اللہ سرہم العزیز در مسجد جامع دہلی چند روز معتکف شدند۔" (ص ۴۵)

پروفیسر صاحب اس روایت کو فرضی قرار دیتے ہیں، اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فوائدالفواد کے بیان کے مطابق حضرت جلال الدین تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، ایک کیلوکھری کی سرحد پر اور دوسری ملک عزالدین بختیار کی مسجد میں، (فوائدالفواد ص ۱۵۰)

فوائدالفواد سے جامع مسجد میں دونوں کا معتکف ہونا ثابت نہیں اول تو مذکورہ عبارت کے جمال الدین تبریزی کو واقعی جلال الدین تبریزی سمجھا جائے تو اس میں اسمار کی کتابت وطباعت کی غلطیوں کا ایک ثبوت اور فراہم ہوجاتا ہے، اس میں صرف مسجد کے نام

کا فرق ہے، فوائد الفواد میں ہے،

"وقتے در مسجد ملک عزیز الدین بختیار کہ ہم
پیش گرمابہ اوست ہر دو بزرگ یکجا شدند"
(ص ۱۵۱)

یکجا شدند کے احتمال میں ممکن ہے کہ دونوں اسی مسجد میں معتکف ہوئے ہوں، صرف نام کے اختلاف سے پوری عبارت فرضی نہیں قرار دی جا سکتی ہے.

راحت القلوب ص ۱۸ میں ہے:-

"بعد ازاں فرمود کہ در یمن بابائے مغل نازل
شد یمن را گرد گرفتند."

اعتراض یہ ہے کہ یمن پر مغلوں کا حملہ کبھی نہیں ہوا معلوم نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے یا واقعی مغل ہے اگر واقعی مغل ہے تو میری رائے ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں مغلوں کے اتنے حملے ہوئے کہ ہر جگہ کے حملہ آور کو مغل ہی کہا جانے لگا. اگر یہ غلطی ہے تو محض ایک فرو گذاشت ہے. جس کی بنا پر پوری کتاب رد نہیں کی جا سکتی،

اس قسم کی اور فرو گذاشتوں کی طرف توجہ دلا کر پروفیسر صاحب رقمطراز ہیں کہ راحت القلوب میں اتنے اوراد و وظائف کا ذکر آیا ہے کہ اس کی تدوین کا مقصد اپنی اوراد و وظائف کو نمایاں کرنا تھا لیکن اگر ان کو نمایاں کیا گیا ہے تو یہ اس کے جعلی ہونے کی کوئی دلیل نہیں بن سکتی پروفیسر صاحب کے نزدیک سیر الاولیاء بڑی مستند کتاب ہے اس میں اوراد و وظائف کا ذکر راحت القلوب سے زیادہ ہے، رہروان سلوک کی اکثریت ایسی ہے کہ ان کو بزرگان دین کی کتابوں میں تاریخی، سیاسی اور معاشرتی معلومات سے زیادہ اوراد و وظائف ہی کی تلاش ہوتی ہے کیونکہ ان ہی کے ذریعہ سے انکی روحانی تسکین ہوتی ہے لیکن پروفیسر صاحب اس کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر قرار دیتے ہیں.

خیر المجالس کی روایت کے مطابق مذکورہ بالا ملفوظات کو مشکوک سمجھ کر ان میں غلطیوں کی نشاندہی کرنا ایک حد تک صحیح سمجھا جا سکتا ہے. لیکن افضل الفوائد کو بھی فرضی اور جعلی قرار دینا تعجب انگیز ہے، اب تک امیر خسرو پر جتنی کتابیں لکھی گئیں، ان میں ان کی تصانیف کا سیر حاصل ذکر ہے. لیکن کسی نے ان کی افضل الفوائد کو جعلی اور فرضی قرار نہیں دیا ہے.

افضل الفوائد پر بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اس کا طرز انشا خزائن الفتوح اعجاز خسروی اور دواوین کی تمہیدوں سے مختلف ہے. لیکن ایک ایسا قادر الکلام شاعر اور نثر نگار جو تمام اساتذۂ فن کی تقلید کر سکتا ہے، اور اعجاز خسروی لکھنے کے ساتھ ہندی میں عورتوں کے لئے گیت اور بچوں کے لئے مکرنیاں اور پہیلیاں لکھ سکتا ہے اس کے لئے افضل الفوائد کی ایسی سلیس عبارت لکھنا کوئی مشکل کام نہیں، اور خصوصاً جب کہ ایک کہی ہوئی چیز کو صرف نقل کر دینا ہے،

امیر خسرو پر سب سے زیادہ مستند کتاب ڈاکٹر وحید مرزا کی ہے، ان کے حاشیۂ خیال میں نہ آیا کہ افضل الفوائد ایک جعلی تصنیف ہے. بلکہ وہ لکھتے ہیں.

"یہ کتاب میر حسن کی عظیم تصنیف فوائد الفواد کی بظاہر تقلید میں لکھی گئی، اس لئے یہ کتاب اعجاز خسروی یا خزائن الفتوح سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی زبان بہت ہی سادہ سلیس اور لفظی صنائع کی زینت سے بالکل پاک ہے. اور یہ اس زمانہ میں جو فارسی زبان بولی جاتی تھی. اس کا عمدہ نمونہ ہے." (ص ۲۲۴)

پروفیسر صاحب موصوف افضل الفوائد کی حسب ذیل تحریروں کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر بتا کر جعلی قرار دیتے ہیں.

"آنگاہ ملائم ایں معنی فرمود کہ ہمانجا در اوراد خواجہ یعنی شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی دیدہ آم ہم باسناد ابوہریرہ کہ او گفت کہ ہر کہ روز یکشنبہ چہار رکعت نماز بگذارد و بخواند در ہر رکعتے الحمد یک بار، و آمن الرسول یک بار فرماید

ایزد تعالیٰ تو لیسہ در نامۂ اعمال او بعدد ہر ترس لی وتر سہ یہ عبادت کیا لمدد و ثواب ہزار غزا، ثواب ہزار پیغمبراں و ثواب شہیداں مانند بہ بند میان او و در میان دوزخ ہزار سال مسافت بود، ہزار خندق در میان بود، پہنائے ہر خندق پانصد سالہ راہ باشد و بکشاید ایزد تعالیٰ بروے ہشت بہشت را۔"

(قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۲۲)

پروفیسر صاحب کو اعتراض ہے کہ اس قسم کی تحریریں بعد کی کتابوں میں تو بہت ہیں لیکن حضرت نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیر الدین چراغ کے مستند ملفوظات اور ان سے پہلے کے صوفیا کی کتابوں میں نہ ملیں گی لیکن فوائد الفواد میں سورہ یٰسین (ص ۶۰) اور صلوٰۃ البروج کی جو فضیلت بتائی گئی ہے وہ شاید پروفیسر صاحب کی نظر سے نہیں گزری۔ جس طرح سورۂ یٰسین پڑھ کر امام ناصری مرکر اور دفن ہو جانے کے بعد قبر سے باہر زندہ نکل آئے۔ اس کی تفصیل تو افضل الفوائد کی روایتوں سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ سیر الاولیاء کے باب ہفتم میں ادعیۂ ماثورہ اور اوراد مقبولہ کی بڑی تفصیلات ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے :۔

"ہمی فرمود جعفر خالدی رحمۃ اللہ علیہ را نگینہ بود روزے در کشتی سوار شد، خواست کہ ملاح را چیزے بدہد چوں دست باز کرد آں نگینہ در دجلہ افتاد بر وے دعائے بود مجرب آں دعا را می خواند وقتے کتابے را مطالعہ می کرد در میان اوراق آں نگینہ یافت دعا ایں است یا جامع الناس لیوم لاریب فیہ اجمع علی ضالتی۔" (ص ۴۲۸)

افضل الفوائد کے آغاز میں حضرت امیر خسروؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کی تفصیل ہے لیکن اس سے پہلے مجلس اول کی تاریخ ذی الحجہ ۶۱۲ھ مرقوم ہے اس سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تاریخ میں امیر خسرو بیعت ہوئے، حالانکہ یہ تمہید کی تعارف ہے، اگر اس تعارف کے بعد مذکورہ بالا تاریخ لکھی جاتی تو کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن یہی اعتراض رفتہ اسلوب میں کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب روایت کے مطابق مجلس اول کے ملفوظات قلم بند کرنے سے پہلے اپنے بیعت ہونے کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتے تھے، اس کے بعد اعتراض جو کیا جاتا ہے، کہ امیر خسرو نے اس مجموعہ میں ۶۱۲ھ میں بیعت ہونے کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ اس سے بہت پہلے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔

افضل الفوائد کی حسب ذیل دو روایتیں ضرور قابل تنقید ہیں، اس کی مجلس ۲۵ میں ہے۔

"ہم دریں محل فرمود کہ از زبان شیخ نجم الدین صغری شنیدام۔" (ص ۱۵۲ قلمی نسخہ)

پھر مجلس ۲۶ میں ہے :

"فرمود چوں حق تعالیٰ خواست کہ حجاج را بہ بلا مبتلا کند آخر ہمیں کسے را کہ کشت برادر ابو سعید بن ابو الخیر بود۔"

پروفیسر صاحب کا اعتراض ٹھیک ہے، کہ شیخ نجم الدین صغریٰ کی وفات سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہو گئی تھی، لیکن اس سلسلہ کی پوری عبارت پیچیدہ قسم کی ہے۔

"دریں محل فرمود کہ از زبان شیخ نجم الدین صغری شنیدہ ام کہ در مثال علی فرمودہ کہ بہشت ۔۔۔ ذکر لا و سبا، عبادت بعض دیگر اولیا عبادت ۔۔۔ و در ذرات بی ثواب عبادت در نامۂ او نویسد۔" (ص ۵۴)

کسی دوسرے قلمی نسخے کا موازنہ کیا جائے تو پیچیدہ عبارت کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ پھر اعتراض یہ ہے کہ ابو سعید بن ابو الخیر اور حجاج کے زمانے میں بڑا تفاوت ہے حجاج

کا برادر ابو سعید ابن ابوالخیر کا قتل کرانا بعید از قیاس ہے، لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کرایا (تفصیل کے لئے دیکھو تابعین ص ۱۳۵ شائع کردہ دارالمصنفین) اسی طرح برادر ابو سعید بن ابوالخیر کا نام محض کتابت کی غلطی ہے، اسی طرح نجم الدین صغرا میں بھی کتابت کی غلطی ہو گئی ہو گی، اسی کے ساتھ یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ان ناموں میں جو غلطیاں ہیں وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بیان کرنے یا مرتب کے لکھنے یا کاتب کے کتابت کرنے کی غلطیاں ہیں ان معمولی فروگذاشتوں سے پوری کتاب کو جعلی قرار دینا محض ظلم ہے، ایسی غلطیاں اچھے اچھے مورخوں سے بھی ہوا کی ہیں۔

پروفیسر صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ افضل الفوائد میں شیخ معین الدین شیخ فریدالدین شیخ بہاء الدین زکریا کے اوراد ہیں اور انیس الارواح۔ حضرت شیخ فرید الدین کے بخارا کی سیاحت کا بھی ذکر ہے جو جعلی ملفوظات سے لئے گئے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ افضل الفوائد کو جعلی مجموعہ نہ سمجھنے والے ان حوالوں کو مزید سند کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں کہ راحۃ القلوب اور اسرار الاولیاء میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ فرضی نہیں بلکہ اس کی تائید افضل الفوائد سے بھی کی جا سکتی ہے،

افضل الفوائد میں پیغمبروں کے جو قصے لکھے گئے ہیں ان کے لئے قصص الانبیاء کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ قصص الانبیاء بعد کی تصنیف ہے لیکن قصص الانبیاء کے نام سے مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعد کی قصص الانبیاء کی کتابوں سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں۔ حضرت خواجہ سے پہلے وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۳ھ علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۹ھ، سہل بن عبداللہ المتوفی ۲۸۳ھ، ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس نام سے کتابیں لکھیں،

اعتراض یہ ہے کہ فوائدالفواد میں حلاج منصور کی جو تصویر ہے۔ وہ افضل الفواد سے مختلف ہے

لیکن میرے نزدیک کچھ زیادہ فرق نہیں، افضل الفوائد میں ہے:

ہم دریں محل فرمود کہ وقتے بزرگے بر سر قبر خواجہ منصور حلاج رسید بایستاد و گفت می دانید کہ ایں روضۂ کیست؟ ہمہ اصحاب گفتند دانیم گفت ایں روضۂ منصور دیوانہ است کہ ہم در یک جرعہ چناں از دست شد کہ طاقت خود نگاہ داردو چوں کشف کرد، کشتہ شد پس اے یاران ہمچنیں است کہ سر بادشاہاں کشف کند سزائے او ایں بود کہ منصور یافت"

(ص ۶۳ قلمی نسخہ)

البتہ مقام محبت کے سلسلے میں منصور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"زہے صادق کہ اول روز بکشتند، دوم روز بسوزند، سوم روز در آب رواں نداختند آنگاہ مناسب حال ایں رباعی بر زبان راند"

آں روز مباد کز تو بیزار شوم
باد گیرے دریں جہاں یار شوم
گر بر سر کوے تو مرا دار کنند
من رقص کناں بر سر آں دار شوم

افضل الفوائد کی اس روایت میں جو کیفیت ہے وہ فوائدالفواد سے مختلف نہیں، فوائدالفواد (ص ۱۴۵) میں ہے:

"بندہ عرضداشت کرد کہ سیدی احمد چناں کے بود فرمود بزرگ کسے بود از عرب است و رسم عرب آنست کہ چوں کسے را بہ بزرگی یاد کنند سیدی گویند فرمود کہ در عہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما در آنچہ حسین منصور بسوختند و خاکستر اورا در آب دجلہ رواں کردند سید احمد قدرے ازاں آب کہ در خاکستر بود۔ بہ تبرک برداشت و بخورد و آں

ہمہ برکتہا از آنجا بود"!

اس عبارت میں منصور حلاج کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہا بھی ہے، پھر یہ کہ حضرت خواجہ ان کی خاکستر کو باعث برکت بھی سمجھتے تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خواجہ کے نزدیک وہ مبغوض اور مردود نہ تھے، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اپنے اعتراض میں ظاہر کیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا محی الدین کاشانی سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے خلافت نامہ اس لئے واپس لے لیا کہ انھوں نے اودھ کے قاضی کا عہدہ قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن اس سے قاضی کے منصب کی اہمیت کم نہیں ہوتی، اور حضرت خواجہ کی زبانی افضل الفوائد میں جو حسب ذیل ملفوظ ہے اس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

"سخن در قاضیان افتادہ بود، بر لفظ مبارک راند کہ قاضی و قضا نیکو چیزے است اگر کردن بداند و حق آں کند و بجا آرد کہ آں قائم مقام حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفہ ۲"

مفتاح العاشقین پر اعتراض ہے کہ اس کی روایتیں فوائد الفواد اور خیر المجالس سے مسروقہ ہیں گو اسی کے ساتھ یہ متضاد بات بھی لکھی گئی ہے کہ اس کے مرتب نے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، گویا پڑھا بھی ہے، اور نہیں بھی پڑھا ہے۔

ایک ہی بزرگ کی روایت ان کے ملفوظات کے دو مجموعوں میں ہونا بعید از قیاس نہیں، ممکن ہے کہ یہ دو موقعوں پر کہی گئی ہو۔ جو دو مختلف مرتبوں نے علیحدہ علیحدہ قلم بند کر لی ہو پھر کسی روایت کا کسی دوسری کتاب میں دہرایا جانا سرقہ کی دلیل نہیں۔ خیر المجالس میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو فوائد الفواد سے لی گئی ہیں۔ مثلاً خیر المجالس میں شیخ ابو سعید ابو الخیر اور ان کی صاحب جمال لڑکی (ص ۱۸۴) یا شیخ جلال الدین تبریزی اور قاضی جمال الدین جعفری (ص ۲۱۱) یا شیخ نجم الدین کبریٰ سے حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی ارادت (ص ۱۸۱ - ۱۸۰) کی جو روایتیں بیان کی گئی ہیں وہ فوائد الفواد (ص ۱۸ - ۲۱۲ - ۲۵۶) میں بھی ہیں، صرف اجمال یا تفصیل یا تھوڑے الفاظ کے ردوبدل کا فرق ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خیر المجالس کے انگریزی دیباچہ (ص ۱۱) میں جوامع الکلم کی ایسی روایتوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے، جو خیر المجالس میں ہیں۔ کیا یہ توارد و تکرار خیر المجالس اور جوامع الکلم کے جعلی اور فرضی ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کی یہ بھی دلیل پیش کی گئی ہے، کہ اس میں شیخ معین الدین اجمیری اور شیخ عثمان ہارونیؒ کے رسائل انیس الارواح اور دلیل العارفین جیسی جعلی کتابوں کے حوالے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ دلیل تشفی بخش نہیں کیونکہ ان ملفوظات میں ان کے حوالے کی موجودگی کی بنا پر خیر المجالس میں حمید قلندر کی روایت کے مشکوک ہونے کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے۔

اباحت سجدہ کے متعلق فوائد الفواد (ص ۱۵۹) میں یہ روایت ہے:

"ماضی کی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، اس لئے رعیت بادشاہ کو، شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سجدہ روک دیا گیا، اس لئے اس کا استحباب بھی ختم ہو گیا لیکن اس کی اباحت باقی رہی، اگر مستحب نہیں ہے تو مباح ہے جو چیز مباح ہے اس پر نفی عائد نہیں ہوتی ہے، اس کی ممانعت کہاں سے آئی"، مفتاح العاشقین میں یہ روایت ہے:-

"اعتقاد وسجدہ کے بیان کے سلسلہ میں فرمایا کہ حق سبحانہ تعالےٰ کے سوا سجدہ غیر کے لئے روا نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غیر حق تعالےٰ کو سجدہ کرتا ہے کافر ہے۔ نعوذ باللہ منہا لیکن پہلی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، ماں، باپ، استاد، پیر اور سلاطین کو لوگ سجدہ کرتے تھے لیکن حضرت رسالت پناہ کا زمانہ آیا تو سجدہ کا استحباب ختم ہوگیا یہ مباح ہوگیا، جیسے کہ ایام بیض کا روزہ پہلے فرض تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ فرض نہیں رہا، مستحب ہوگیا، اور جب سجدہ کا استحباب جاتا رہا، تو یہ مباح ہوگیا، اس سجدہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے۔" (ص ۱۴)

ان روایتوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں، جس کی بنا پر مفتاح العاشقین سے سوء ظن پیدا کیا جائے، یہ اور بات ہے کہ علمائے ظاہر فوائد الفواد اور مفتاح العاشقین دونوں کی روایتوں کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں گے۔

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس میں خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدینؒ کی غزلوں کا ذکر ہے۔ گو مفتاح العاشقین میں حضرت بختیار کاکیؒ کی جو غزل نقل کی گئی ہے، وہ ان کے نولکشور کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ تو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدین کے اسمائے گرامی سے جو دیوان منسوب ہیں وہ جعلی ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں کہ انھوں نے کوئی شعر یا غزل نہیں کہی۔ حضرت بدر الدین غزنوی اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بھی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے (دیکھیے فوائد الفواد ص ۱۵۰ - ۱۵۶) حضرت خواجہ جمال الدین ہانسویؒ نے بھی کچھ غزلیں کہی تھیں حضرت بابا فرید گنجشکر کی طرف بھی کچھ فارسی، عربی اور پنجابی اشعار منسوب ہیں (دیکھو دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنجشکرؒ از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۸۶ - ۸۵ - ۸۴)

اس طرح اگر خواجہ قطب الدین اور خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بھی کچھ اشعار کہہ دیئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، حضرت خواجہ معین الدین نے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کرنے کے بعد جو شعر کہا وہ آج تک مشہور ہے۔ مفتاح العاشقین میں ان کی غزلوں کے جو حوالے آئے ہیں ان سے مجموعے کے فرضی سمجھنے کے بجائے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ کے عہد میں بھی ایسی غزلوں کی عام شہرت ہو گئی تھی جو بزرگان چشت کے نام سے منسوب ہو گئی تھیں۔ آج بھی سماع کی محفلوں میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ یا ہروانی کی ایک غزل گائی جاتی ہے، اور لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ غزل انہی کی ہے کوئی یہ کہہ کر اس کو گانے سے روک نہیں دیتا کہ یہ غزل ان کی نہیں ہے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں شاید کسی نے اب تک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مطبوعہ نسخہ (نولکشور پریس) پر ابتک ناقدانہ نظر نہیں ڈالی ہے، لیکن پروفیسر محمود شیرانی اور پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے یہ بتایا ہے کہ دیوان خواجہ معین الدینؒ مطبوعہ نولکشور پریس کی اکثر غزلیں مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی کی نقص نعت معارج النبوت اور تفسیر فاتحہ میں پائی جاتی ہیں، لیکن نولکشور پریس میں دیوان ۱۲۸۸ھ (مطابق ۱۸۷۱ء) میں چھپا، اس سے پہلے خواجہ صاحب کی شاعری کے نمونے تذکرہ حسینی (۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب (۱۲۱۸ھ) اور مجمع الفصحاؔ میں پائے جاتے ہیں۔ جو اس کا ثبوت ہے کہ حضرت خواجہ کے بارے میں عام شہرت تھی کہ وہ شاعر بھی تھے۔ اور اسی شہرت کی بنا پر ان کے نام سے ایک دیوان بھی منسوب ہوگیا۔

یہ اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت فرید الدینؒ

گنج شکرؒ نے اپنے پیروں کے ملفوظات مرتب نہیں کئے، بلکہ جو ان کے نام سے منسوب ہیں وہ فرضی ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ان بزرگوں کے ہاں اپنے مرشد وں کے ملفوظات کو ترتیب دینے کی سنت اور روایت رہی، تو آخر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فوائد الفواد، اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلوی نے خیر المجالس مرتب کرانے کی بدعت کیوں جاری کی، گو یہ بدعت حسنہ ہی سہی۔ وہ تو اپنے خواجگان کے مسلک کے اتنے پابند تھے کہ سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق حضرت فریدالدینؒ نے زیارت خانۂ کعبہ اس لئے نہیں کی، کہ ان کے پیر نے نہیں کی تھی، اسی طرح وہ جاگیریں بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ اور سلاطین کے درباروں میں بھی نہیں جاتے تھے کہ ان کے خواجگان کی رسم نہ تھی تو آخر جب ملفوظات مرتب کرانے کی بھی رسم نہیں تھی، تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے سے یہ رسم کیوں قائم کی گئی۔

اگر یہ بدعت حسنہ نہ تھی تو پھر انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحت القلوب کے بیانات کے علاوہ افضل الفوائد، مفتاح العاشقین اور سیر الاولیاء میں ملفوظات قلم بند ہونے کی جو متواتر روایتیں ہیں، وہ لائق توجہ ہیں ان کی خامیوں کے باوجود ان کے بین السطور میں جو کہیں کہیں کیفیت اور تاثیر ہے اور ان کے پڑھنے سے بعض اوقات جو ذہنی آسودگی اور روحانی تسلی ہوتی ہے اور پھر ان میں اکثر جگہوں پر سلوک و معرفت کی جو باریکیاں، ور موشگافیاں ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ترتیب دینے والے ادنیٰ درجے کے مجاور نہیں ہو سکتے اور یہ بھی باور کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ جعلی اور فرضی مجموعۂ ملفوظات کو ترتیب دینے کی ایک مسلسل مہم جاری ہوئی، جو ایک عرصۂ دراز تک قائم رہی۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بزرگان چشت نے خود ان مجموعوں کو مرتب نہیں کیا، تو یہ ماننے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے کہ یہ مجموعے قدیم العہد ضرور ہیں، جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، ان کے گہرے مطالعہ کے بعد اس رائے سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ ان میں تصوف کی بنیادی تعلیمات وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس جیسی مستند اور معتبر کتابوں میں ہیں، اور ان کے معترضین کو بھی اعتراف ہے کہ یہ مجموعے فوائد الفواد اور خیر المجالس کی اکثر و بیشتر روایتوں کے سہارے تیار ہوئے، لیکن ان کی بعض باتوں کو محض اس لئے رد کر دینا کہ وہ ان دونوں کتابوں میں نہیں ہیں۔ ضرورت سے زیادہ تحقیقی سرگرمیوں کا اظہار کرنا ہے یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے بعض فرقوں کے اہل قلم تو فرضی ماخذ بنا کر اپنی تاریخ اور ماضی کو سنوار رہے ہیں اور ہمارے پاس جو سرمایہ موجود ہے، ہم اس کو خود ہی فرضی قرار دیتے رہے ہیں۔

اس طویل خامہ فرسائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملفوظات اب تک نہایت لاپروائی سے چھپتے رہے ہیں، لیکن اگر ان کو محنت سے ایڈٹ کیا جائے اور ان میں سنین اور اسما کی جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی ہمدردانہ طور پر کر کے درست کر دی جائیں تو یہ قدیم العہد ماخذ کے طور پر عقیدت سے استعمال کئے جا سکتے ہیں، جیسا کہ عہد ماضی میں بھی صوفیہ کرام اور اہل قلم کرتے رہے ہیں، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مجموعۂ ملفوظات خوان پر نعمت میں ہے:-

ذکرے در ملفوظ شیخ عثمان ہارونی افتاد رحمۃ اللہ علیہ کہ بندگی خواجہ معین الدین سجزی جمع کردہ اند" (ص ۱۹۹)

پھر ان کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات مخ المعانی میں ہے:-

فرمود کہ در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز دیدہ ام کہ گفت اند کہ من در شہرے رسیدہ بودم، اہل آنجا دیدم اہل صلاح و اہل معرفت و مکان متبرکات

درعالم تحیر ایستادہ وچشمہائے درہوا داشتند چو وقت نماز می آمد نماز ادا می کردند، باز درعالم تحیر مشغول می شدند۔" (ص ۲۹)

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے:۔

"در ملفوظ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آمدہ است ..." (ص ۵۱)

اسی میں ایک اور جگہ ہے:۔

"شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ در ملفوظ آوردہ است .... (ص ۵۶)

منشأ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بھی ان ملفوظات کے معتبر ہونے میں کچھ شک تھا اور انھوں نے حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ:

"شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے ننوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین واز خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نکردہ است۔" (اخبار الاخیار ص ۷۶)

لیکن اس شبہ کے باوجود وہ ملفوظات خواجگان کو ماخذ کے طور پر برابر استعمال کرتے رہے، کیونکہ ان کے حوالے وہ باربار دیتے ہیں، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ذکر میں ہے:۔

"در دلیل العارفین کہ خواجہ بختیار اوسی از ملفوظات خواجہ قدس سرہ جمع کردہ اند مذکور است ...." (ص ۲۲)

پھر حضرت بختیار کاکیؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"در دلیل العارفین می نویسد۔ (ص ۲۵

حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے ذکر میں ہے:۔

"بعضے از ملفوظات گنج شکر کہ بجناب شیخ نظام الدین [illegible] و [illegible] فوائد [illegible] می گردد۔

اور اگر محض شک و شبہات کی بنا پر ان

ملفوظات کو جعلی سمجھ کر ان کو بالکل ہی رد کردیئے پر اصرار بڑھا تو ہم ایک ایسے قابل قدر علمی سرمایہ سے محروم ہو جائیں گے جس سے صدیوں تک نہ صرف عوام و خواص بلکہ اہل علم اور تذکرہ نگار بھی استفادہ کرتے آئے ہیں، اور اسی کے ساتھ روحانیت اور تصوف کے منکروں کو موقع فراہم کریں گے کہ وہ اپنی کوتاہ نظری، عیب جوئی، خردہ گیری اور بدعقیدگی سے کام لے کر فوائد الفواد اور خیر المجالس وغیرہ پر بھی نکتہ چینی کرکے ان سے سوءظن پیدا کرادیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ کتابیں ان کے لئے نہیں ہیں جو

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

کے معترف ہیں، بلکہ ان کے لئے ہیں جو

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

کے قائل ہیں، اور فرزانہ بن کر مقام شوق میں کھو گئے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۴

تیسری بار نماز پڑھ کر آپ نے باواز بلند کہا:
یا حیُّ یا قیومُ یا حیُّ یا قیومُ یا حیُّ یا قیومُ ..."
اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

یہ زندگی ایک ایسے درویش کی ہے جس نے ہر انسان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھا، جس نے انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھایا، جس نے ٹوٹی ہوئی امیدوں کو جوڑا، گرتے ہوئے لوگوں کو سہارا دیا۔ جو خدا کی محبت میں زندہ رہا اور اسی کے عشق میں فنا ہوگیا۔ جس کی آواز آج بھی پنجاب کی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔

اک پھکا نہ گالا ئے [illegible] میں سچا دھنی
ہے وہ نہ کسے دا ماٹے [illegible] سب امول دیے

(یعنی کسی سے روکھے منہ مت بولو، خدا کا جلوہ ہر شخص میں موجود ہے۔ اور کسی کا دل مت توڑو کیونکہ سب انسانوں کے دل قیمتی ہیں۔)

(آل انڈیا ریڈیو دہلی کے شکریہ سے)

حضرت بابا فریدؒ کی اولاد خانقاہیں اور تبرکات

(از خواجہ راشد فریدی)

شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں پیدا ہونے والے پہلے مسلمان درویش ہیں جنھوں نے چمن اسلام کی آبیاری کی۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ کو فروغ دیا۔ اپنے مجاہدات و ریاضت سے اس سلسلہ کو ملک کے ہر گوشے ہی میں نہیں ممالک غیر تک پہنچا کر دین مصطفوی صلعم کی وہ خدمات انجام دیں کہ "شیخ الاسلام والمسلمین" کے خطاب سے آج تک یاد کئے جاتے ہیں۔ ایک طرف ان کے مریدین خلفا اور متوسلین نے ان کی دینی تعلیمات کو عام کیا دوسری طرف ان کی اولاد نے ممالک غیر میں اس پیغام عظیم کو لے کر پہنچی بر صغیر ہند میں بابا صاحب کی اس قدر اولاد ہے کہ کسی اور بزرگ کی نہیں اور اسی کثرت اولاد کی وجہ سے بابا صاحب "آدم ثانی" کہے جاتے ہیں۔ آج بھی موجودہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کی اولاد آباد ہے اور لا تعداد بزرگ اس خانوادہ میں پیدا ہوئے جن کی خانقاہوں سے آج بھی روحانی فیض جاری و ساری ہے۔ اولاد کے علاوہ حضرت بابا صاحبؒ کے تبرکات بھی ملک کے مختلف حصوں میں پہنچے جو آج بھی موجود ہیں ان کی زیارت سے قلب کو سکون، روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک میسر آتی ہے۔ ہند میں درج ذیل مقامات پر آج بھی حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد آباد ہے فتحپور (راجستھان) جے پور۔ کالپی۔ پھلواری شریف بہار۔ بستی پور (بہار) قصبہ چین پورہ (بہار) دہلی۔ حیدرآباد دکن۔ زنگی پور ضلع مرزاپور (یہ حضرات شیعہ ہیں) نور الدین پورہ ضلع غازی پور۔ الہ آباد۔ کڑا مانک پور۔ فتح پور سیکری آگرہ۔ لکھنؤ۔ بریلی۔ بدایوں۔ شیخوپور۔ جونپور مراد آباد شہر و ضلع میں رجب پور قصبہ امروہہ۔ ادھری بچھرایوں ڈھکہ۔ سنبھل۔ بنارس۔ گجرات۔ رسول پور سریاں ضلع غازی پور۔ قصبہ سہسرام (بہار) علیگڈھ۔

ہندوستان میں حضرت بابا صاحبؒ کے نسبی سلسلے کے بزرگوں کی خانقاہیں بھی بہت ہیں مثلاً۔

درگاہ حضرت بابا فریدی رحمۃ اللہ علیہ رجب پور ضلع مراد آباد۔

درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ فتحپور سیکری۔

درگاہ حضرت شاہ پیر فریدی۔ ڈھکہ ضلع مراد آباد

درگاہ حضرت شاہ نور الدین فریدی نور الدین پورہ ضلع غازی پور۔

درگاہ حضرت شیخ نظام الدین فریدی شہید فتحپور شریف (راجستھان)

درگاہ حضرت شاہ عبد السلام فریدی بانس کرلی۔ دہلی۔

درگاہ حضرت شیخ چاندہ فریدی، امروہہ۔ ضلع مراد آباد

چھوٹی خانقاہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ بہار۔

درگاہ حضرت شاہ عبد الواحد چشتی۔ قصبہ چین پور ضلع آرہ بہار۔

درگاہ مخدوم شاہ ابو صالح چشتی۔ قصبہ سہسرام ضلع رہتاس بہار۔

درگاہ مخدوم جلال۔ پیر چشتی سمستی پور دربھنگہ بہار

خانقاہ فریدیہ سر بیا ضلع سہرسا بہار

درگاہ خورشید الدولہ حیدرآباد دکن

درگاہ بابا فرید الدین گنج عمری ضلع مراد آباد

درگاہ بابا بدرالدین فریدی گنج عمری ضلع مرادآباد
درگاہ شاہ عبدالمجید فریدی۔ بنارس
خانقاہ فریدیہ رسول پور سریاں ضلع غازی پور
درگاہ شاہ ولایت حسین الہ آباد
دائرہ شاہ محب اللہؒ (شاہ دائرہ) بہادر گنج الہ آباد

تبرکات حضرت باباصاحبؒ

۱۔ شیخوپور ضلع بدایوں میں:۔ ۱۔ دستار مبارک عطیہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ ۲۔ آٹا گوندھنے کی کٹوتی ۳۔ تھیالی ۴۔ قراءت کا لکڑی کا ٹکڑا ۵۔ نعلین یہ تبرکات پاک پٹن شریف سے شیخوپور منتقل ہوئے تھے جن کی زیارت ۵، ۶ محرم کو ہوتی ہے مولانا وحید احمد صاحب فریدی زیارت کراتے ہیں۔

۲۔ قصبہ جین پورہ بہار میں: ۱۔ خرقہ ۲۔ عصا ۳۔ کلاہ شریف یہ تبرکات چند سال پیشتر چوری ہو گئے یہ تبرکات ابوالبرکات ڈاکٹر بدرالدین صاحب فریدی کے یہاں تھے۔

۳۔ بدایوں میں:۔ مولانا فضل مجید صاحب کے یہاں محلہ مولوی ٹولہ میں نعلین ہے جس کی زیارت ہوتی ہے۔

۴۔ امروہہ ضلع مرادآباد: خانقاہ رضویہ محلہ پیرزادگان میں ۱۔ کاٹھ کی روٹی (جو حضرت قطب کا عطیہ ہے) ۲۔ چوری (بناباولوں کی بناکے لئے) ۳۔ کھڑاؤں لکڑی کی جالی دار بنا گھنڈی کی دو عدد ۴۔ دستار شریف جو خواجہ بزرگ اور قطب صاحبؒ کا عطیہ ہے ۵۔ کاسہ شریف ان تبرکات کی زیارت ۱۰ ذی الحجہ کو خانقاہ شریف میں بعد نماز عیدالضحیٰ ہوتی ہے۔ خانقاہ رضویہ کے سجادہ نشین شاہ سید امیر عالم چشتی صاحب زیارت کراتے ہیں

۵۔ محلہ جھنڈا شہید امروہہ ضلع مرادآباد میں ۱۔ پیرہن مبارک ۲۔ گدڑی شریف ۳۔ کلاہ ۴۔ کنگھا ۵۔ دو عدد خرقہ شریف جو حضرت قطب صاحبؒ کے خطبات میں ۶۔ سات عدد تسبیحیں جو باباصاحب کو حضرت خواجہ بزرگ و قطب صاحبؒ نے عطا فرمائی تھیں۔

ان تبرکات کی زیارت یکم شوال کو بعد نماز عیدالفطر مسجد محلہ جھنڈا شہید امروہہ میں ہوتی ہے۔ جمالی احمد نظامی فریدی زیارت کراتے ہیں زیارت کے بعد ختم شریف ہوتا ہے اور تبرک تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ تبرکات پاک پٹن شریف سے حضرت شیخ نظام الدین شہید کے ساتھ رنتھمبور شریف پہنچے وہاں سے اب سے ۶½ سو سال قبل حضرت خواجہ بہاءالدین بابا فریدیؒ کے ساتھ رجب پور آئے اور لگ بھگ ۴½ سو سال رجب پور میں رہے اب سے چار سو سال قبل خانوادہ بابا فریدی کے ایک بزرگ حضرت شیخ چاملدہ فریدی ان تبرکات کو امروہہ لے گئے اور محلہ جھنڈا شہید میں رکھا جو خانوادہ فریدیہ کا مسکن تھا اور جہاں خانقاہ فریدیہ اور مسجد قائم تھی۔

نظامی بھائیوں کو اطلاع

حضرت خواجہ بانو صاحبہ کی علالت کا سلسلہ بہت دن سے چل رہا تھا۔ ۱۲ اگست کو دل کا شدید دورہ پڑا اور ماہر معالجین قلب کے مشورے پر وِلنگٹن (جی۔ بی پنت) اسپتال میں داخل کیا گیا۔ جہاں وہ ایک ہفتے سے زیادہ مشہور معالج قلب جناب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب اور ڈاکٹر پدملوتی صاحبہ کے زیر علاج رہیں۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ حضرت خواجہ بانو صاحبہ مزید چار ہفتے اسپتال میں رہیں مگر وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئیں اور گھر واپس تشریف لے آئی ہیں۔

اب اللہ کے فضل سے وہ رو بصحت ہیں۔ مگر نقاہت بہت بڑھ گئی ہے سب نظامی پیر بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ انہیں پوری صحت و سلامتی عطا فرمائے اور ہمارے سروں پر ان کا سایہ قائم رہے۔ آمین۔

مخلص :۔ حسن ثانی نظامی

حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر کا شجرۂ طریقت

1. سید المرسلین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
2. امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔
3. رئیس التابعین حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ
4. قطب المشائخ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ۔
5. قطب الولایت حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ۔
6. سلطان السالکین حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخی رضی اللہ عنہ
7. تاج الصلحاء حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
8. اکرم اہل الایمان حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری رضی اللہ عنہ
9. شمس الفقراء حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رضی اللہ عنہ
10. سراج الاصفیاء حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی رضی اللہ عنہ
11. قدوۃ الابرار حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رضی اللہ عنہ
12. ملجاء العباد حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ
13. ملک المشائخ حضرت خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ
14. [illegible] حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رضی اللہ عنہ
15. [illegible] حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ
16. خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عثمان ہرونی چشتی رضی اللہ عنہ
17. نائب رسول اللہ فی الہند خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ
18. سلطان الطریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ۔
19. شیخ شیوخ العالم غریق المحبت حضرت خواجہ بابا شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی رضی اللہ عنہ (سیر الاولیاء)

حضرت باباصاحب کا نسب نامہ

1. امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
2. حضرت شیخ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ
3. حضرت شیخ ناصر رضی اللہ عنہ
4. حضرت شیخ اسحٰق رضی اللہ عنہ
5. حضرت شیخ واعظ الاکبر ابو الفتح رضی اللہ عنہ
6. حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاصغر رضی اللہ عنہ
7. حضرت شیخ مسعود رضی اللہ عنہ
8. حضرت شیخ سلیمان رضی اللہ عنہ
9. حضرت شیخ فخرالدین محمود رضی اللہ عنہ
10. حضرت شیخ شہاب الدین معروف فرخ شاہ کابلی رضی اللہ عنہ۔
11. حضرت شیخ یوسف رضی اللہ عنہ
12. حضرت شیخ محمد احمد رضی اللہ عنہ
13. حضرت شیخ شعیب رضی اللہ عنہ
14. حضرت شیخ سلیمان رضی اللہ عنہ
15. حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ۔

ماخوذ از دی لائف اینڈ ٹائمس آف
فریدالدین گنج شکر از
پروفیسر خلیق احمد نظامی وائس
چانسلر علی گڑھ مسلم
یونیورسٹی)

دعائے فریدی

(مولوی نثار احمد صاحب فاروقی فریدی)

اَللّٰهُمَّ[1] یَا دَائِمَ الْفَضْلِ عَلَى الْبَرِيَّةِ (وَ[2]) يَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالْعَطِيَّةِ يَا صَاحِبَ الْمَوَاهِبِ السَّنِيَّةِ (وَ[3]) يَا دَافِعَ الْبَلَاءِ وَالْبَلِيَّةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ (خَيْرِ الْوَرٰى السَّجِيَّةِ[4]) وَ عَلٰى اٰلِهِ الْبَرَرَةِ النَّقِيَّةِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَيْنِ وَ لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ[5]) رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ[6] بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

(سیر الاولیاء: ۱۱۶ - درر نظامیہ باب ۱۴)

اے اللہ - اے تمام مخلوق پر ہمیشہ فضل کرنے والے ، اے دونوں ہاتھوں کو عطا کرنے کے لئے بڑھانے والے اور اے بہترین بخششیں کرنے والے ، اے تمام چھوٹی بڑی بلاؤں کو دور کرنے والے کائنات میں سب سے بہتر حضرت محمد اور ان کی نیک اور پاک اولاد پر درود و سلام بھیجو ، ہماری ، ہمارے ماں باپ کی اور تمام ایمان لانے والوں اور ایمان لانے والیوں کی مغفرت کیجیو - اے اللہ ہمیں حالتِ اسلام میں موت بھیجیو اور اپنے نیک بندوں سے ملا دیجیو صدقہ تیرے فضل کا ، تیری رحمت کا ، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے -

---

[1] سیر الاولیاء میں اللّٰھم نہیں ہے -

[2][3] سیر الاولیاء : واؤ نہیں ہے

[4] سیر الاولیاء میں "خیر الوریٰ السجیۃ" نہیں ہے

[5] سیر الاولیاء میں اس کے بدلے یوں ہے واغفر لنا یا لعتا والعنیۃ

[6] سیر الاولیاء میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں : وصل علی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی ملائکۃ المقربین وسلم تسلیما کثیراً کثیراً برحمتک یا ارحم الراحمین -

چونکہ بلحاظ زمانہ درر نظامیہ ، سیر الاولیاء سے قدیم تر ہے اس لئے اسی کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے -

فضیلت مآب نواب میر اکبر علی خاں صاحب

گورنر اتر پردیش کا پیغام

راج بھون نینی تال ۶ جون ۱۹۷۴ء

مائی ڈیر میاں حسن ثانی نظامی صاحب

جلیل القدر بزرگ حضرت بابا فریدؒ کی حیات پاک کے سلسلے میں آپ کے خط کا شکریہ۔ آپ نے اس دعا کے مسودے کی فرمائش کی ہے جو میں نے لکھنؤ کے سمینار کے موقع پر مانگی تھی مگر افسوس ہے کہ اس کا ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ ورنہ ضرور بھیجتا۔ حضرت بابا صاحب اور دیگر بزرگوں نے ہزاروں آدمیوں کو ایک ولولہ عطا کیا ہے۔ بلا لحاظ مذہب، وملت، محبت اور خدمت کا ولولہ اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں بھی ہماری قوم اور ہمارے عوام کی ذہنی اور روحانی ترقی اور اصلاح اسی طرح ہوگی کہ ان عظیم شخصیتوں کا مطالعہ کرایا جائے

آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنا ایک ذاتی تاثر ملفوف کر رہا ہوں۔ بشرطیکہ آپ اس کو چھاپنا واقعی ضروری سمجھیں۔ کیونکہ میرا اپنا احساس یہ ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کی یاد کے وقت مجھ جیسے چھوٹے آدمیوں کا ذکر ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ بہرحال مجھے آپ کی خاطر اتنی منظور ہے اور آپ سے اس درجہ تعلق ہے کہ آپ کی فرمائش کو ٹال نہیں سکتا۔ اس وقت اردو پی اے موجود نہیں ہے اس لئے مجبوراً یہ خط انگریزی میں لکھوا رہا ہوں کہ دیر نہ ہو جائے۔ میں ایک دفعہ پھر بڑے ادب سے حضرت بابا فریدؒ کی جناب میں نذرِ عقیدت پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ ان کی عقیدت محبت و خدمت ہماری زندگیوں کو متاثر کریں۔

مجھے ہمیشہ یہ توقع رہتی ہے کہ آپ براہ کرام مجھے اپنی دعاؤں میں یاد کریں جس کے لئے میں ممنون ہوں گا۔ اس مہینے کے آخر تک نینی تال سے لکھنؤ واپسی ہوگی۔ خدا کرے آپ اور اہل خاندان بعافیت ہوں۔ سب تک میری طرف سے واجبات پہنچایئے۔ اور میری طرف سے مؤدبانہ عاجزانہ بارگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ اور ان کے محبوب امیر خسروؒ اور میرے بزرگ حضرت حسن نظامیؒ کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔

عاصی آپ کا مخلص
اکبر علی خاں

یادگار حضرت گورو نانک

عالی جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کا پیغام

یہ جان کر کہ قبلہ خواجہ حسن ثانی نظامی "منادی" کا بابا فرید نمبر نکال رہے ہیں مسرت ہوئی، بابا فرید گنجشکرؒ سے سکھوں کا بالعموم اور میرے خاندان جس کے جدِ امجد بابا گرونانک دیو جی تھے بالخصوص روحانی تعلق ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا کلام ہمارے گرو گرنتھ صاحب میں موجود ہے اور جس طرح ہم لوگوں کے لئے حضرت بابا گرو نانک دیو جی کے فرمودات متبرک اور قابل احترام ہیں اسی طرح بابا فریدؒ کا کلام بھی متبرک اور قابلِ احترام ہے۔ بابا فرید نے اپنے نیک اعمال سے میٹھی زبان اور نیک نیتی سے سبھی اقوام کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ انھوں نے سچائی۔ اخلاص رواداری اور محبت کا وہ راستہ اختیار کیا۔ جس میں بنی نوع آدم کی بہتری تھی! یہی وجہ ہے کہ وہ بلا لحاظِ مذہب و ملّت ہر دلعزیز ہوئے اور لوگوں کو حق اور راہِ حق سے آگاہ کیا۔ میں خواجہ حسن ثانی نظامی اور ادارہ "منادی" کو مبارک دیتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ ان کا یہ بابا فرید نمبر قارئین کو خدا کی راہ دکھائے گا اور ان کی عاقبت سنوارے گا۔

نیاز کیش

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

پیغام سردار کرپال سنگھ نارنگ

(وائس چانسلر پنجابی یونی ورسٹی پٹیالہ)

۱۵/اکتوبر ۱۹۷۳ء

پیارے خواجہ صاحب! آداب

مجھے خوشی ہے کہ آپ "منادی" کا "بابا فرید نمبر" شائع کر رہے ہیں آپ کا یہ فیصلہ اور اقدام قابلِ تحسین ہے۔

تصوف یا روحانیت کسی ایک دور یا کسی ایک ملک یا کسی ایک جماعت کی امتیازی خصوصیت نہیں بلکہ یہ تو تمام بنی نوعِ انسان کی ہم ثقافتی وراثت اور ثروت ہے۔ صوفی درویشوں اور عارف سنتوں نے بالحاظ مذہب وملت سب کو ہی محبت الٰہی، شیریں گفتاری، راست کرداری اور خدمت خلق کی تلقین کی۔ ان بزرگوں نے طبیعت اور مزاج کے مختلف اجزاء کو ضبط و انقیاد میں لاکر ایک مکمل، متوازن، ہموار اور صالح زندگی کی تعمیر کا طریقہ سکھایا۔ جس کے لئے مساوات، ایثار، خود انکاری، تواضع اور ہمدردی کو اخلاقی عمل کی ضروری شرط قرار دیا۔ روحانی اقدار کے بغیر انسانی زندگی نامکمل رہتی ہے۔ بابا شیخ فرید ایک قابلِ احترام صوفی بزرگ تھے۔ فقر و درویشی پر مبنی عملی روحانی زندگی سے آپ نے حقیقی سعادت اور اجتماعی فلاح و بہبود کی طرف عوام کی رہنمائی کی۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر عظیم روحانی پیشواؤں، جن میں بابا فرید کی ذات مبارک نمایاں ہے کی تعلیمات پر توجہ مرکوز کی جائے تو قومی یکجہتی اور ہم دو یگانگت کے لئے موزوں جذباتی فضا تیار ہو جائے گی۔

"بابا فرید نمبر" کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات کے ساتھ۔

مخلص

(سردار) کرپال سنگھ نارنگ

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ سوویں یوم ولادت پر بمقام لکھنؤ

فضیلت مآب میر اکبر علی خاں صاحب

گورنر یو، پی کی تقریر

بزرگو اور دوستو۔

میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ ایسی برگزیدہ ہستی جو بزرگوں میں بہت ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں لب کشائی کروں اور اس تقریب کا افتتاح کروں پھر بھی نہایت ادب اور احترام کے ساتھ اس فریضہ کو ادا کر رہا ہوں۔ میں شکر گذار ہوں اپنے دوست سردار ڈھلوں صاحب۔ اسپیکر لوک سبھا۔ اور اپنے سکھ بھائیوں کا کہ ان حضرات نے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ سو سالہ جشن منانے کی ابتدا کی اور آج ہم ان کے پیچھے چل رہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ آج دنیا اور میرا ملک ایک ایسے دوراہے پر ہے جہاں سمجھ بوجھ کر ہمیں مستقبل کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ اس میں کلام نہیں کہ زمانہ جدید میں یورپ کے ممالک اور امریکہ نے سائنس میں بڑی ترقی کی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ نے جمہوریت کو ایک نئی شکل دینے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ ہم ان کی اچھائیوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان پر بھروسہ کرکے ہم اپنے ملک کے افلاس اور پسماندگی کو دور کر سکتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ ہم کو صدیوں سال کی روایات روحانی تعلیمات اور قدریں جو ورثہ میں ملی ہیں۔ اور یہ وہ روایت ہے جو انسانیت اونچے اخلاق اور خدمت گزاری پر مبنی ہے۔ یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے جس پر بجا طور سے ہم فخر کر سکتے ہیں، لہٰذا ان کے دامن سے ہماری وابستگی ہمیشہ کی طرح برقرار رہنا چاہیے۔

دوستو ذرا ان درویشوں۔ بزرگوں اور اوتاروں کی زندگی کو دیکھیے جو ہمارے سامنے درخشاں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ آج ان کو کون نظر انداز کر سکتا ہے۔ جب ہمارے سکھ بھائیوں نے طے کیا کہ ہم بابا فرید کی آٹھ سو سالہ یادگار منائیں گے تو مجھے بڑی مسرت ہوئی۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ان بزرگوں کے حالات کو یاد رکھنا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ ہر مذہب نے دنیا کے انسانیت اور خدمت خلق کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ان بزرگوں کی یہی شان تھی کہ وہ اپنے عقائد مذہبی پر قائم ہوتے ہوئے تلاش حق اور بندگان خدا کی خدمت کیا کرتے تھے۔ بابا فرید کی زندگی کی اگر آپ ورق گردانی کریں تو آپ کو ایسے بیش بہا موتی دستیاب ہوں گے جن کو دیکھ کر دنیا کی آنکھیں تعجب میں پڑ جائیں گی۔ میں ایک دنیادار اور گناہ گار انسان ہوں۔ میں ان باتوں کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ابھی آپ کے سامنے سردار بنگا صاحب اور جناب

خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب ان باریک مسئلوں پر روشنی ڈالیں گے۔

بزرگو۔ آج مذہب سے لوگ اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے دراصل دنیا کا کوئی مذہب خراب نہیں بلکہ ہم خود خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مذہب کا نام لے کر خون کو بہایا جا رہا ہے سچ پوچھیے تو مذہب وہ اعلیٰ وارفع چیز ہے جو ان جھمیلوں سے پاک و صاف ہے۔ بابا فرید کی زندگی اور ان کی تعلیمات سے ہم کو خدمت خلق اور عشق الٰہی کا سبق ملتا ہے۔ بہت کم ایسے بزرگ ہیں کہ جن کے نام پر ہندوستان کے مختلف مذاہب کے لوگ سر نیاز خم کرتے ہیں۔ بابا فریدؒ ان میں سے ایک ہیں۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اگر صرف ہم ان کی مدح کریں تو بے شک یہ مبارک بات ہے۔ مگر ہم کو ان سے سبق بھی لینا ہے تاکہ ہمارا اور ہمارے ملک کا مستقبل شاندار بنے۔ ہم کو کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے اس ملک میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں ان کے سوچنے اور سمجھنے کا طریقہ مختلف ہے۔ مگر ہم کو کسی کی نیت پر شک و شبہ کرنے کا حق نہیں ہے میں آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہوں جس پر مولانا روم نے یہ اشعار کہے تھے کہ

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندۂ مارا ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

جب ایک دہقان اپنے اللہ کو یاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اے خدا اگر تو میرے یہاں مہمان بن کر آئے گا تو میں تجھے اچھا کپڑا پہناؤں گا اچھا کھانا کھلاؤں گا اور اچھے بستر پر سلاؤں گا۔ جب حضرت موسیٰ نے یہ سنا تو اس دہقان کو بری طرح سے سخت و سست کہا اور کہا کہ تو کفر کی باتیں بک رہا ہے۔ تو اس واقعہ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو یہ وحی آئی کہ اے موسیٰ میں نے تجھے بندوں سے ملانے کے لئے بھیجا تھا نہ کہ تو نے اس بندے کو مجھ سے اور دور کر دیا۔

حضرت مولانا روم کی اس حکایت سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ ہر مذہب کا احترام کرنا چاہئے اور مذہب کی روح اللہ تعالےٰ سے عشق و محبت میں ہے نہ کہ ظاہری اسباب میں ہے۔

حضرات ہم کو اپنی زندگی اور اپنے دین و دنیا کی زندگی کو بنانا و سنوارنا ہے۔ آئیے ہم سب مل کر یہ طے کریں کہ ان مقدس اور مبارک بزرگوں کے بتائے ہوئے راستوں پر ہم ہمیشہ سچائی کے ساتھ گامزن رہیں گے۔ اسی طرح ہم اپنے دین و دنیا اور اپنے پیارے ملک کی صحیح خدمت انجام دے سکیں گے۔

میں سب حضرات کا خلوص دل سے دوبارہ شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ نیز اپنے محکمۂ اطلاعات کے افسران جناب شردمنی سٹریا صاحب و ٹھاکر پرشاد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ایسا انتظام کیا۔ اور ایسا موقع ہم پہنچایا کہ آج ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب مل کر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اپنا خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

تلخیص خطبۂ استقبالیہ

ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلون اسپیکر لوک سبھا صدر بابا فرید میموریل سوسائٹی

بتقریب افتتاح بابا فرید انٹرنیشنل سمینار دہلی

معزز پرائم منسٹر، پروفیسر ----- گیانی ذیل سنگھ جی، علمائے محترم اور معزز حاضرین۔
بابا فرید میموریل سوسائٹی کی طرف سے مجھے یہ عزت بخشی گئی ہے کہ عظیم صوفی بزرگ بابا شیخ فرید پر منعقد ہونے والے انٹرنیشنل سمینار میں آپ سب کو خوش آمدید کہوں۔
یہ سمینار جس میں خاص علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سال شیخ فرید صاحب کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں منعقد ہو رہا ہے مسلم کیلنڈر کے حساب سے ولادت کی جو تاریخ ہے۔ اسی کے آس پاس سمینار کی تاریخ رکھی گئی ہیں۔
اس اہم تقریب کو منانے کی تحریک پنجاب کے کچھ فاضلوں کی طرف سے ہوئی۔ اور انہی نے اس کو بڑی لگن کے ساتھ کامیابی تک پہنچانے کا جتن کیا۔
ہمارے ملک اور ہمارے پڑوسی ملکوں کے طول و عرض میں بے انتہا عقیدت کے ساتھ یاد کئے جانے والے ایک مسلمان بزرگ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کو منانے کی تحریک ان لوگوں کی جانب سے ہونا جو ان بزرگ کے ہم مذہب نہیں ہیں۔ ایک ایسا خوشگوار واقعہ ہے جس پر ہم لوگ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔
شیخ فرید صاحب سے یہ عقیدت ایک قیمتی روایت کا حصہ ہے۔ جو تقریباً پانچ صدی پہلے پنجاب کے اس علاقے میں شروع ہوئی جہاں موصوف نے جنم لیا تھا۔ اور جس کی زبان کو اپنی روحانی شاعری سے انھوں نے مالا مال کر دیا تھا۔
اس عظیم انسان کو یاد رکھنے کی روایت پنجاب کے ایک اور عظیم فرزند گورو نانک صاحب نے قائم فرمائی تھی جنھوں نے مختلف مذہبی فرقوں میں یگانگت کا پیغام دیا تھا اور ان زخموں پر مرہم رکھا تھا جو نفرت کے پرچارکوں نے صدیوں تک لگائے تھے۔ اس موضوع پر علماء تفصیل سے بحث کریں گے۔ مجھے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اتنا اشارہ کرنا لازمی ہے کہ مذہب کے بارے میں سیکولر نقطۂ نظر اگرچہ کہ ایک موڈرن نظریہ ہے اور ہمارے ملک کی اسٹیٹ پالیسی کے طور پر اسے اپنایا گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر ہمارے مذہبی رہنما اس (رواداری) کو صدیوں سے اپناتے رہے ہیں اور اسی کی بدولت ہم میں انسانیت اور رحمدلی اور درگذر کی قابل قدر خصوصیت پیدا ہوئی ہیں۔
بابا شیخ فرید صاحب کا زمانہ ایک ایسا انقلابی زمانہ تھا جب اس خطۂ ارض اور اس کے شمال مغرب میں بڑی تاریخی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اس دور میں بہت سے مسلمان علماء اور اولیا اور صوفی غزنی اور بخارا اور کابل اور

ہرات اور سمرقند میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر اور منگول فتنے سے بچ کر ہمارے ملک کی پر امن فضاؤں میں تشریف لائے ہمارے ملک کی عظیم روایات کے مطابق ان کا استقبال کیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے مذہبی اور تبلیغی مراکز سارے پنجاب اور شمالی ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں قائم کئے۔ مشہور خواجہ معین الدین چشتیؒ ان کی درگاہ اجمیر میں ہے اور ہندوستان میں زیارت اور عقیدت کا مرکز ہے۔ اسی ہجرت کی لہر میں تشریف لائے جبکہ پرتھوی راج چوہان دہلی اور اجمیر کا راجہ تھا۔ خواجہ معین الدین صاحب کے جانشین دوسری پشت میں بابا شیخ فرید صاحب ہوئے جنھوں نے اپنے بعد عظیم شیخ نظام الدین اولیاء کو اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا۔ اس طرح ان مقدس ہستیوں نے ہمارے ملک میں یکجہتی کی وہ روایت قائم فرمائی جو صوفیائے سلسلہ چشتیہ کی روحانی تعلیمات سے عبارت ہے۔ شیخ فرید صاحب نے اختیاری فقروفاقے میں زندگی بسر فرمائی۔ لوگوں کی خدمت اور ہدایت کرتے رہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی ان تک پہنچ رہی۔ سب کے دکھ درد انھوں نے اپنی مسیحی نفسی سے مٹائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اپنی ذات کو افہام و تفہیم کا ایک پل بنا دیا ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یوگیوں اور دوسرے مذہبی رہنماؤں سے ان کے روحانی مذاکرات ہوتے تھے۔

گورو نانک صاحب نے جو شیخ فرید صاحب کے تین صدی بعد پیدا ہوئے۔ یہاں کے باشندوں کو آفاقی اصولوں پر ایک لڑی میں پرونا چاہا۔ انھوں نے شیخ فرید صاحب کے روحانی کلام کو اس روایت کا حصہ بنا لیا جس کو انھوں نے خود قائم فرمایا تھا۔ یہ کلام جو بڑی دلکش ملتانی پنجابی میں ہے گرو گرنتھ صاحب کا حصہ ہے۔ اور سب سکھوں کے لئے قابل تعظیم ہے۔ شیخ فرید جن کے نام کے لفظی معنی "یکتا" کے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یکتا اور بے مثال ہیں کہ ان کو ایسے لوگوں نے بھی اپنا رہنما مانا جو ان کے ہم مذہب نہیں تھے۔ وہ پنجابی کے پہلے ایسے شاعر بھی ہیں جن کا کلام محفوظ رکھا گیا ہے۔

بابا فرید میموریل سوسائٹی جس کا پہلا صدر بننے کی مجھ کو عزت حاصل ہوئی ہے۔ گیانی ذیل سنگھ صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب کے سرگرم تعاون سے قائم ہوئی ہے۔ جو حسن اتفاق سے فرید کوٹ کے رہنے والے ہیں۔ فرید کوٹ کا نام بابا صاحب کے نام اور کام سے بڑی گہری وابستگی رکھتا ہے۔ سوسائٹی نے جو ادبی اور ثقافتی پروگرام بنائے ہیں۔ یہ سیمینار بھی اسی کا ایک حصہ ہے جس میں بابا صاحب کا پیغام سنایا جائے گا اور بہت سی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ کا تعاون ہمیں اسی سلسلے میں حاصل ہو گیا ہے۔

معزز پرائم منسٹر! میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا اگر سوسائٹی کے اراکین اپنے سب متوسل کی اس دلی تمنا و خواہش کو آپ تک نہ پہنچاؤں کہ اس عظیم دارالحکومت دہلی کے شایان شان ہوگا کہ اس کی کوئی شاہراہ اور سڑک بابا فرید جیسے جلیل القدر بزرگ کے نام نامی سے موسوم ہو۔ وہ بابا فرید جن کے مرید شیخ نظام الدین سے یہ شہر ہر طرح سے وابستہ ہے! مجھے یقین ہے کہ آپ کی حکومت جو سیکولرزم کے ساتھ مذہب اور روحانی اقدار کے احترام کی بھی قائل ہے، میری اپیل کا فراخدلی سے جواب دے گی۔

بابا فرید انٹرنیشنل سیمینار منعقدہ دہلی

میں

گیانی ذیل سنگھ صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب کی استقبالیہ تقریر

محترم پردھان منتری صاحبہ! ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں، ڈاکٹر نہار رنجن رائے، میر مشتاق احمد صاحب، شری رادھا رمن، سردار کرپال سنگھ نارنگ ڈیلیگیٹ صاحبان، بہنو اور بھائیو!

بابا فرید شکر گنج ایک پہلے ہندوستانی صوفی بزرگ تھے جنہوں نے اپنا روحانی کلام عام لوگوں کی زبان میں پیش کیا۔ اس کلام میں اتنی مٹھاس سادگی اور روانی ہے کہ سنتے ہی یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اور انسان کی روح وجد میں آجاتی ہے۔

یہ کلام کسی فرقے، جماعت یا مذہب کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو تمام انسانوں کے لئے ہے۔ یہ باہمی اختلاف کو مٹانے کا راستہ دکھاتا ہے اور محبت و مساوات کا سبق سکھاتا ہے۔ اس میں جو نصیحتیں درج ہیں ان سے وہم اور ذہنی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں زندگی کی یہ قدریں مشکلیں کو آسان کرنے والی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل کرتا ہے اس پر خدا کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقدس کلام کو گورو گرنتھ صاحب میں شامل کیا گیا ہے۔ آج ہم جب سری گورو گرنتھ صاحب کے سامنے احترام سے سر جھکاتے ہیں تو بابا فرید کے کلام کے لئے بھی ہمارے دل میں اتنی ہی عقیدت ہوتی ہے جتنی گورو صاحبان اور بھگتوں کی بانی کے لئے۔

آج کے حالات میں بابا فرید کے کلام کی خاص اہمیت ہے۔ گوروبانی کی طرح یہ بھی لوگوں کے دل سے وہم، شکوک اور تفرقات کو دور کر کے ان کو محبت اور مروت کے رشتوں میں باندھتا ہے۔ آٹھ سو سال گزر جانے کے باوجود اس کلام کی مٹھاس شہد کی طرح ہے۔ اس میں جن حقیقتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان کی تازگی اور روشنی پہلے کی طرح قائم ہے۔ جیسا کہ گورو صاحب نے فرمایا ہے۔

"سچ پرانا نہ تھی اے"

(یعنی سچائی کبھی پرانی نہیں ہوتی)

باباجی کی زندگی کے واقعات عام مشہور ہیں میں انھیں یہاں دہرانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح بیشمار روایتیں ان کی ریاضت کے متعلق لوگوں کی زبان پر ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ عام لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے کتنی گہری عقیدت ہے۔ جس بات کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے وہ آپ کی سادگی ہے کہتے ہیں کہ آپ کو قیمتی لباس سے نفرت تھی۔ آپ چیتھڑوں یا پھٹے پرانے کپڑوں سے اپنے جسم کو ڈھانپ کر جگہ جگہ گھوم کر لوگوں کو سچائی، فرض شناسی، سادگی، نرمی اور اخلاقی عمل کی تلقین کیا کرتے تھے۔ کبھو کے ہی

تو شکایت نہیں کی۔ پیاسے رہے تو کوئی شکوہ نہیں
آپ نے مال مشکلوں کی کبھی پرواہ نہ کی۔ عیش و عشرت
سے عمر بھر دور رہے۔ اور کسی حاکم سے آپ نے مالی
امداد قبول نہیں کی۔

لاکھوں آدمی آپ کے عقیدت مند خادم تھے
وہ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے اور اپنا جان مال
آپ پر قربان کرنے کو سدا تیار رہتے تھے آپ کے
ایک اشارے پر وہ آپ کے قدموں میں سونے
چاندی کے ڈھیر لگا سکتے تھے۔ لیکن آپ تو روکھی
سوکھی روٹی کھا کر گزر بسر کرنے کی تعلیم دیتے تھے
اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ انھوں نے
صرف کہا ہی نہیں کہ:۔

فریدا روکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی
دیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی
یا

فریدا روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جناں کھادی چوپڑی گھنے سہن گے دکھ

بلکہ اس طرح روکھی سوکھی روٹی کھا کر ہی زندگی بسر کی۔
اسی پر بس نہیں آپ شاہی خاندان سے تعلق
رکھتے تھے۔ شاہی دربار میں جو بھی عہدہ آپ چاہتے
آپ کو مل سکتا تھا۔ لیکن آپ نے دنیا دی عیش و عشرت
سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو خدا کی یاد میں مصروف رکھا
آپ کے قول اور فعل میں کوئی فرق نہ تھا۔

دلہہ محبت جن سیہی سچیا
جن من ہور مکھ ہور سے کاڈھے کچیا

آپ کا ارشاد یہ تھا کہ:

رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے
وسر یا جن نام سے بھوئے بار تھیئے

ایسے الہٰی رنگ میں رنگے ہوئے عارفوں کے لئے شاہی
شان میں کیا کشش ہو سکتی ہے۔ جب سلطان ناصر
الدین نے آپ کو خلعت اور جاگیر دینے کے لئے
اپنا وزیر بھیجا اور یہ بھی کہلایا کہ بادشاہ کو فرصت نہیں
ورنہ وہ خود حاضر خدمت ہوتا تو آپ نے خلعت اور
جاگیر یہ کہہ کر واپس کر دی کہ جاگیر اور خلعت سے
فقیروں کو کیا مطلب؟ آپ بادشاہ ہوں کو سٹ ہی کام
کاج سے فرصت نہیں تو مجھے بھی کسی جاگیر کی خواہش
نہیں، نہ کسی درباری عہدے کی تمنا ہے۔ میری دعا
یہ ہے کہ:

تیری پناہ خدا تو بخشندگی
شیخ فریدے خیر دیجے بندگی

فرید جی نے بھی پریم پیار، اور عدم تشدد کی تعلیم دی
بے جا مذہبی تعصب ایسے کامل بزرگوں کی گرد کو بھی نہیں
چھو پاتا۔ وہ بدھا اور مسیح کی طرح محبت اور خیرسگالی
کی تعلیم دیتے تھے۔ اس طرح صرف ہندوستانیوں
ہی کی نہیں بلکہ دنیا بھر کے اہنسا پریمیوں کی نمائندگی
کرتے ہیں۔

فریدا جو تیں مارن مکیاں تنہاں نہ ماریں گھم
آپنڑے گھر جائیے پیر تنہاں دے چم

فریدا برے دا بھلا کر غصہ من نہ ہنڈھا
دیہی روگ نہ لگئی پلے سبھ کچھ پا

بابا فرید سے پہلے ہی ملتان، اجودھن، لاہور، دہلی، اجمیر، وغیرہ مقامات پر صوفیوں کے مرکز قائم

ہو چکے تھے۔ جہاں سب حالات اور نیک عمل کا پرچار ہو رہا تھا۔ لیکن بابا فرید نے جس متقدس، عاجزی اور سادگی نے عام لوگوں کی زبان میں خدا پرستی اور نیک عملی کا پرچار کیا۔ اس کے اثر کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ آپ کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ نے آپ کے نیک کام کو نہ صرف جاری ہی رکھا بلکہ اس کو اور ترقی دی۔

آپ کی تعلیم سب کے لئے مشترکہ تھی۔ اس میں بھی اخلاقی اصول تھے جو کہ سب مذہبوں کے ماننے والے عام لوگوں کو قبول تھے مثلاً یہ بات بھلا لوگوں کو کیونکر متاثر نہ کرتی

فریدا خنجل جنگل کیا بھویں دل کنڈ موڑیں
وسدا رب ہیالی اے جنگل کیا ڈھونڈیں

اس طرح کی صیبی، عاجزی اور ضبط کی خواہش کیوں نہ لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی۔

فریدا کالے میندھے کپڑے کالا میندھا ویس
گنہی بھریا میں پھراں لوک کہن درویس

اور

فریدا جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
آپنڑے گریوان میں سر نیواں کر دیکھ

آج جب ہم اپنے ملک کی ایسی تقشہ دی تعمیر کی کوشش کر رہے ہیں جس میں کہیں کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے تو ہمیں بابا جی کا یہ قول یاد آ جاتا ہے۔

فریدا بار پرائے بیسنا سائیں مجھے نہ دیہہ
جے توں ایویں رکھسی جیو سریروں لیہہ

آپ نے جہاں اور مقامات پر روحانی فیض کے سرچشمے جاری کئے اور عام لوگوں کے دلوں کو سیراب کیا وہاں فرید آباد کی سرزمین کو بھی سرفراز فرمایا۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ فرید کوٹ میں ہی آپ کی یادگار بنانے کی کوشش کی جائے۔ بابا فرید میموریل سوسائٹی نے اس سلسلہ میں بڑا قابل تعریف کام کیا ہے۔ سرکار کی طرف سے بھی ممکن مالی امداد دی گئی ہے۔ اور سرکار مستقبل میں بھی اس یادگار کو مکمل کرنے میں پوری دلچسپی لے گی۔

مجھے پورا یقین ہے کہ انٹرنیشنل سیمینار میں حضرت بابا فرید کی شخصیت اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کیا جائے گا۔ اور اس لطیف راز کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ جس کے متعلق بابا جی کا ارشاد ہے کہ :

فریدا اسکر کھنڈ نوات گڑ
ماکھیوں مانجھا دودھ
سبھے وستو مٹھیاں
رب نہ پجن تدھ

یہ سیمینار وطن میں قومی یکجہتی کی کوششوں کو یقیناً مضبوط بنائے گا یہ میرا کامل یقین ہے۔

آخر میں میں اس سیمینار میں شامل ہونے والے ادیبوں اور مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے سیمینار کے انتظام کرنے والوں کو کھلی دلی مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے رات دن محنت کر کے اس کام کو پورا کیا ہے۔

بستی بستی تیرے چرچے

(خواجہ حسن ثانی نظامی)

دہلی

نئی دہلی کا ماؤلنکر ہال ہے۔ کشادہ اور خوشنما۔ اسٹیج پر وہ سب لوگ براجمان ہیں جو جسمانی اعتبار سے لحیم شحیم نہ سہی شخصیت اور مرتبے کے لحاظ سے بڑی بھاری بھرکم اور دیو پیکر ہیں۔ دنیا نے علم اور تعلیم سیاست میں جن کے سکے چل رہے ہیں۔ محترمہ اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان۔ ڈاکٹر گردیال سنگھ ڈھلوں اسپیکر لوک سبھا۔ گیانی ذیل سنگھ صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب۔ میر مشتاق احمد صاحب چیئرمین دہلی اسمبلی۔ رادھا رمن صاحب چیف ایگزیکٹو کونسلر دہلی۔ پروفیسر ستار رکھن رے۔ پروفیسر کرپال سنگھ نارنگ وائس چانسلر پنجابی یونیورسٹی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ اور خبر نہیں کون کون۔ مگر یہ ہمالیہ جلیل الشان آج ایک بوریہ نشین درویش کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے جمع ہوئے ہیں شیخ العالم حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں بین الاقوامی سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ یہ سب اسی سمینار کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اسٹیج کے سامنے کرسیوں کو دیکھئے تو وہاں بھی ایک دنیا آباد نظر آئے گی۔ مشائخ علماء گیانی پنڈت، پادری ملکی غیر ملکی ہندو مسلمان سکھ عیسائی عورت مرد بوڑھے بچے سب ہیں اور ہر ایک گوش بر آواز۔

بابا صاحبؒ کے مبارک شبدوں سے جو سکھ گرو صاحبان کے مقدس قلم سے گرو گرنتھ صاحب کی زینت بنے۔ جلسے کا افتتاح ہو رہا ہے۔ ان شبدوں میں خالق کی حمد بھی ہے اور مخلوق کا اظہار عبدیت بھی آوازیں ان معصوم بچوں کی ہیں جو گورو ہرکشن پبلک اسکول میں پڑھتے ہیں اور جن کو ان کے لائق پرنسپل ڈاکٹر گردیال سنگھ ڈھلوں (اسپیکر لوک سبھا کے ہم نام) نے روحانی دلانے والی تعلیم کے ساتھ وہ تعلیم دینے کا انتظام بھی کیا ہے۔ جو روحانی غذا مہیا کرتی ہے اور آدمی کو آدمی بناتی ہے۔

کلام کا جادو۔ معصوم آوازوں کا سحر۔ سننے والوں کے جذبات عقیدت و اشتیاق۔ ایسا سماں بندھا کہ سبحان اللہ۔! ماؤلنکر ہال میں ہر قسم کے جلسے اور پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے در و دیوار نے آج سے پہلے یہ مزا نہ چکھا ہوگا۔

میر مشتاق احمد صاحب۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہیں۔ انھوں نے سب مہمانوں کا مختصر اور موزوں الفاظ میں خیر مقدم کیا ہے۔ اور دلی اور دلی والوں کی طرف سے فخر و مباہات کا اعلان اس طرح فرمایا ہے کہ ہم سے زیادہ فخر کرنے کا حق کس کو ہے؟ دلی سے زیادہ موزوں جگہ اس سمینار کے لئے دنیا میں اور کونسی ہو سکتی ہے؟ دلی وہ مقام ہے جہاں بابا صاحبؒ کے پیر خواجہ قطب صاحبؒ بھی آرام فرما ہیں۔ اور جہاں ان کے جانشین سلطان المشائخ بھی جلوہ افروز ہیں۔

بے شک اس عظمت اور اس خوش نصیبی پر دلی اور دلی والے جتنا بھی فخر کریں کم ہے یہ آفتاب اور ماہتاب کی گزرگاہ ہے۔ یہاں ہر وقت ذرات ضیا بار ہیں۔ دلوں کو منور کرنے دلی ذرات ضیا بار ہیں۔ مولانا گرامی نے خوب کہا تھا۔

بادل شدگاں ز قرص خورشید مگو
ما جلوہ بختیار "کاکی" داریم

دل کشتگاں سے سورج کی ٹکیہ (ڈوبنے والی ٹکیہ) کی بات مت کرو۔ ہم کو بختیار "کاکی" (روٹی والے کا روٹی کی ٹکیہ جیسے گھنٹے کا) جلوہ میسر ہے!)

تقریروں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ محترمہ اندرا گاندھی کی تقریر افتتاحی تقریر ہے۔ سیاسی بیشتر ان کے بہت سنے جاتے ہیں۔ مگر ان کی آج کی تقریر کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ آج وہ جواہر لال کی طرح عالمانہ اور فلسفیانہ انداز گفتگو کر رہی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تقریر واعظانہ رسمی نہیں ہے بلکہ اس میں ذوق و شوق کا دخل بھی ہے۔

ڈاکٹر نہار رنجن رے، عالم آدمی ہیں۔ انکی تقریر عالمانہ ہونے کے باوجود بڑی شگفتہ ہے۔ گیانی ذیل سنگھ فرید کوٹ کے رہنے والے ہیں۔ اور گیانی ہیں سیدھی سچی اور دل کو لگنے والی باتیں اور وہ ٹھیٹ اردو میں جو سب کی سمجھ میں آنے والی زبان ہے جلسے کا ادب واحترام مانع نہ ہوتا تو شاید کچھ لوگ ذیل سنگھ زندہ باد کے نعرے بھی لگا دیتے۔

بابا فرید میموریل سوسائٹی کے روح رواں ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں اسپیکر لوک سبھا ہیں۔ انہی کی صدارت اور رہنمائی میں سوسائٹی کا عظیم الشان پروگرام کامیابی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ موصوف سے کسی نے سوال کیا تھا کہ آپ لوک سبھا کے انتہائی ہنگامہ خیز جلسوں کو بھی صبر و سکون کے ساتھ کنٹرول کر لیتے ہیں۔ اور آپ کو غصہ نہیں آتا اور آپ بڑی خوبی اور عمدگی سے پارلیمنٹ کی صدارت فرماتے ہیں۔ اس کا راز کیا ہے؟ اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا تھا کہ جب میں لوک سبھا میں داخل ہوتا ہوں تو بابا فرید کا نام لیتا ہوں! اور اس نام کی برکت سے میرے سب کام آسان ہو جاتے ہیں!

آج ڈاکٹر ڈھلوں کی خوشی دیکھنے کے قابل ہے جس نام نے ان کے کام ہمیشہ بنائے ہیں۔ اس کا فیض عام کرنے کے لئے انہوں نے دنیا جہان کے ناموروں کو جمع کر لیا ہے۔ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ بڑے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہ مائک پر تشریف لائے۔ اور خطبہ استقبالیہ پڑھا ایک ایک لفظ دل پذیر تھا۔ مگر وہ لوگ جو بارگاہ نظام میں۔

من خاک کف پائے سگ کوئے تو ہستم

کہنے کے عادی ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر اس وقت ایک دوسرے کی طرف فخر و غرور اور داد طلب نگاہوں سے دیکھا جب ڈھلوں صاحب نے یہ کہا کہ

بابا شیخ فرید نے "عظیم" شیخ نظام الدین
کو اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا

سردار ڈھلوں صاحب نے گیانی ذیل سنگھ صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اپنی حکومت کی طرف سے سوسائٹی کو پانچ لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے اور فرید کوٹ میں بابا صاحبؒ کے نام پر ایک بہت بڑا اسپتال تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے جلسے میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ دہلی کی کسی اہم شاہراہ اور کسی خوبصورت پارک اور عمارت کو حضرت بابا صاحبؒ کے نام سے موسوم کیا جائے

اس جلسے کے فوراً بعد ماؤلنکر ہال ہی کے ایک حصے میں کتابوں کی نمائش کا افتتاح جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے فرمایا۔ اس نمائش میں بابا صاحبؒ اور تصوف پر مطبوعہ کتابوں کے علاوہ مخطوطات کا حصہ بھی قابل دید تھا۔ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے کتب خانے سے جو نسخے آئے تھے ان سے بھی لوگوں نے بڑی دلچسپی ظاہر کی۔ خاص کر پنجابی زبان کے مشہور شاعر حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کے خطوط اور

ان کا بیجا پی کلام جو جزدان کے اپنے دست مبارک کا تحریر کردہ تھا خاص طور پر دکھایا گیا۔

سیمینار کے اصل اجلاس دو روز تک ہوتے رہے جس میں تقریباً ڈیڑھ سو اہل علم نے شرکت کی۔ عام طور پر اس قسم کے سیمناروں میں یہ ہوتا ہے کہ شروع کے ایک دو جلسوں میں تو حاضری پوری ہوتی ہے اس کے بعد لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی جاتی ہے اور باہر سے آنے والے ڈیلی گیٹ سیر سپاٹے میں وقت گزارتے ہیں مگر یہ بابا صاحبؒ کے نام کی کشش اور برکت ہے کہ ہر جلسے میں انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کا کانفرنس روم بھرا رہا۔ زائد کرسیاں جوڑوائی گئیں وہ بھی ناکافی رہیں۔ اور بعض لوگوں نے گھنٹوں کھڑے رہ کر سیمینار کے مضامین اور بحث مباحثے کو سنا۔

مذاکرات کی چھ نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست کی صدارت ڈاکٹر بہار رنجن رے نے فرمائی دوسری نشست کے صدر محترم ڈاکٹر خلیق احمد نظامی فاروقی وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی تھے۔ تیسرے اجلاس کی صدارت ایرانی مہمان محترم ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ آر جلالی نائینی نے فرمائی اور چوتھے جلسے کے چیرمین محترم ڈاکٹر بھائی جودھ سنگھ صاحب تھے۔ پانچویں صدارت سردار خوشونت سنگھ صاحب ایڈیٹر السٹریٹڈ ویکلی کے حصے میں آئی اور آخری اختتامی نشست چیمسفورڈ کلب میں ہوئی اور ڈاکٹر ڈھلون۔ ڈاکٹر نظامی ڈاکٹر بھائی جودھ سنگھ۔ سردار خوشونت سنگھ۔ ڈاکٹر مہدی حسین پروفیسر گوربچن سنگھ طالب اور سردار اندرجیت سنگھ صاحب اور باہر کے ملکوں سے آنے والے مندوبین نے بڑی پرمغز تقریریں فرمائیں۔

اس چھٹی اور آخری نشست کے بعد سردار اندر جیت سنگھ صاحب چیرمین پنجاب اور سندھ بینک نے ایک شاندار ڈنر پارٹی دی۔ اور یہ مناسبت بہت خوب تھی کیونکہ بابا صاحب نے روٹی کو

بتایا بھی تیسرا ہی رکن ہے!

اس ڈنر پارٹی کے علاوہ بھی سیمینار کے دوران مندوبین کے اعزاز میں دہلی کے مختلف اداروں اور افراد کی طرف سے چائے، لنچ اور ڈنر پارٹیاں ہوتی رہیں پروفیسر نورالحسن صاحب وزیر تعلیمات، جناب رادھا رمن صاحب چیف ایگزیکٹو کاونسلر دہلی کے ساتھ راقم الحروف کو بھی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی طرف سے میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور معزز مہمانوں نے جلسہ گاہ سے بہت دور درگاہ شریف تک زحمت فرمائی اور فاتحہ خوانی میں شرکت کی قوالی سنی اور دوپہر کا ماحضر تناول فرمایا۔ میں نے دعوت نامے میں اس لنچ کے لئے

" فریدی لنگر "

کا لفظ استعمال کیا تھا۔ ہندو بھائیوں کے لئے سبزی ترکاری کا بھی تھوڑا سا انتظام تھا۔ اور مسلمانوں اور سکھوں کا کھاجا "گوشت" بھی تھا۔ اس پر بعض بھائیوں نے اعتراض کیا کہ لنگر میں تو صرف دال روٹی اور سبزی ترکاری ہونی چاہیے تھی۔ غالباً سکھ لنگر کی روایت یہی ہے اور ہمارے ہاں خواجہ بزرگ کے دربار اجمیر شریف میں بھی درگاہ کی طرف سے جو لنگر ہوتا ہے۔ وہ جو کے دلیے کا ہوتا ہے جسے ہر فرقے اور مذہب کا آدمی بے جھجک کھا سکتا ہے۔ جو کے اس دلیے کی لذت کے کیا کہنے جس نے چکھا ہے وہ جانتا ہے سبحان اللہ مگر بقول کسے

یہ جانتا ہوں لذت تیرے ستم میں بھی ہے
تونے کرم کے ہمیں عادت بگاڑ دی ہے

حضور محبوب پاکؒ کی شفقتوں اور نوازشوں نے ہمیں بھی کسی قدر لذت گوش اور آرام طلب بنا دیا ہے۔ حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلی کو انھوں نے ایک روٹی جو حضرت مخدوم کے نزدیک "چند روز کی خوراک تھی" ایک نشست میں کھلوا دی تھی۔۔۔ اور بعض

کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ اور نہیں کبھی سات سو برس نے مسلسل تو رہا ہے (بیانی اس طرح مل رہا ہے کہ بظاہر ضرر کوئی نظر نہیں آتا ہیں بے گیوں نہ کھائیں! اللہ تعالیٰ اس دستر خوان کو ہمارے لئے سدا سلامت رکھے۔ کھانے کو بھی ملتا رہے اور پینے کو بھی!

زکام دل وجانِ عشق تو
شرابِ محبت زجام نو باد

خاص خاص ہندوستانی اور بیرونی مندوبین کے نام لکھنے میں بھول گیا تھا۔ وہ بھی سن لیجئے۔

۱۔ ڈاکٹر آئی۔ ڈی سیری بریاکوف (روس)
۲۔ ڈاکٹر ڈبلیو ایچ میکلوڈ (نیوزی لینڈ)
۳۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ آر۔ جلالی نائینی (ایران)
۴۔ پروفیسر نصر الدین شاہ حسینی (ایران)
۵۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم امام الدین (بنگلہ دیش)
۶۔ ڈاکٹر مہدی حسین (بنگلہ دیش)
۷۔ ڈاکٹر۔ اے۔ اے۔ کے۔ سوز۔ نئی دہلی جامعہ اسکول آف سوشل ورک۔
۸۔ پروفیسر پریتم سنگھ۔ امرتسر گورونانک یونی ورسٹی۔
۹۔ ڈاکٹر ستیہ پال۔ حیدرآباد ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم۔
۱۰۔ ڈاکٹر مشیر الحق۔ علی گڑھ۔ مسلم یونی ورسٹی۔
۱۱ ڈاکٹر بھائی جودھ سنگھ۔ لدھیانہ
۱۲۔ ڈاکٹر ایس عالم خوندمیری۔ حیدرآباد عثمانیہ یونی ورسٹی۔
۱۳۔ شری سری رام شرما۔ ادبا۔ کالج
۱۴۔ پروفیسر گوربچن سنگھ طالب۔ پٹیالہ پنجابی یونیورسٹی۔
(۱۵) ڈاکٹر محمد نورنبی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۱۶۔ ڈاکٹر دعطر سنگھ۔ چنڈی گڑھ پنجاب یونیورسٹی
۱۷۔ ڈاکٹر ہربھجن سنگھ دہلی۔ دہلی یونی ورسٹی
۱۸ ڈاکٹر ڈی ایس سینی پٹیالہ پنجابی یونی ورسٹی
۱۹ پروفیسر گل ونت سنگھ پٹیالہ پنجابی یونیورسٹی
۲۰۔ ڈاکٹر اوتار سنگھ پٹیالہ پنجابی یونیورسٹی
۲۱۔ پروفیسر بی آر۔ گروور نئی دہلی جامعہ ملیہ اسلامیہ
۲۲۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نئی دہلی۔ دہلی یونی ورسٹی
۲۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی
۲۴۔ ڈاکٹر ایچ ایل شرما۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی
۲۵۔ مالک رام صاحب نئی دہلی۔
۲۶۔ ڈاکٹر جے بھگوان گوئل رہتک
۲۷۔ ڈاکٹر محمد عمر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۲۸۔ ڈاکٹر شمس الدین سری نگر کشمیر یونیورسٹی
۲۹۔ پروفیسر سید احتشام عابدی دہلی دہلی یونیورسٹی
۳۰۔ ڈاکٹر اتل چندرا
۳۱۔ ڈاکٹر آتم جیت سنگھ
۳۲۔ سید زاہد علی۔
۳۳۔ سردار بلونت سنگھ آنند۔
۳۴۔ سردار پریمندر سنگھ
۳۵۔ حضرت صاحبزادہ سید حلیم چشتی، اجمیر شریف
۳۶۔ ڈاکٹر عبد الودود اظہر۔ نئی دہلی۔ جواہر لال نہرو یونی ورسٹی۔
۳۷۔ ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلون نئی دہلی۔ گورو ہرکشن پبلک اسکول۔
۳۸۔ جناب نثار احمد فاروقی دہلی کالج
۳۹۔ جناب جے۔ سی دوا
۴۰۔ ڈاکٹر پال گوپاولن
۴۱۔ پرنسپل اے۔ ڈبلیو فاروقی
۴۲۔ سردار گوربخش سنگھ
۴۳۔ سردار گورمیل سنگھ
۴۴۔ پروفیسر ہربنس سنگھ
۴۵۔ ڈاکٹر ہرچرن سنگھ

۴۶۔ سردار ہرمہندر سنگھ
۴۷۔ جناب۔ ایس۔ اے۔ کیو۔ ہاشمی
۴۸۔ ڈاکٹر ہربھجن سنگھ
۴۹۔ جناب شہاب جعفری۔ خالصہ کالج
۵۰۔ سردار جسبیر سنگھ
۵۱۔ بھائی جودھ سنگھ
۵۲۔ سردار شمشیر سنگھ کرپا۔
۵۳۔ پروفیسر کرم جیت سنگھ
۵۴۔ ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ کوہلی
۵۵۔ شری بی۔ ایم۔ لال
۵۶۔ ڈاکٹر مہیب سنگھ
۵۷۔ جناب انیس حسن محمود
۵۸۔ ڈاکٹر جی۔ ایس من سکھ نی
۵۹۔ سردار مہندر سنگھ مارکو
۶۰۔ شری جی۔ ایس ماکھڑ
۶۱۔ سردار کرپال سنگھ نارنگ۔ پٹیالہ۔ پنجابی یونیورسٹی
۶۲۔ شری نریندرا موہنا
۶۳۔ سردار تیج سنگھ۔ امرتسر ایڈیٹر پریت لڑی۔
۶۴۔ شری۔ ایس۔ ایف۔ اے نگینہ
۶۵۔ سردار رکھبی سنگھ
۶۶۔ پروفیسر ستیندر سنگھ نور
۶۷۔ سردار پیارا سنگھ۔ امرتسر گورونانک یونیورسٹی
۶۸۔ جناب قمرالدین
۶۹۔ ڈاکٹر حکیم الدین قریشی۔ نئی دہلی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ
۷۰۔ ڈاکٹر جی۔ ایس راہی
۷۱۔ ڈاکٹر۔ ایچ آئی سدارنگانی
۷۲۔ پروفیسر بلونت سنگھ سجاد۔ لدھیانہ کالج
۷۳۔ سردار رشپال سنگھ سمندری۔ امرتسر گورونانک یونیورسٹی
۷۴۔ ڈاکٹر ایس پی ساہنی
۷۵۔ شری ایس۔ پی ایس سندھی
۷۶۔ ڈاکٹر اجیت سنگھ سکہ
۷۷۔ ڈاکٹر ہرنام سنگھ شان
۷۸۔ ڈاکٹر جی ڈی ڈی شرما
۷۹۔ جناب زیڈ۔ ساجد رسول کچھوی
۸۰۔ ڈاکٹر آر کے شرما
۸۱۔ سردار سوہن سنگھ
۸۲۔ شری پی۔ سوری
۸۳۔ شریمتی پشپ سوری
۸۴۔ مس ساوتری دیوی
۸۵۔ ڈاکٹر ترن سنگھ
۸۶۔ سردار۔ تیج پال سنگھ
۸۷۔ ڈاکٹر ڈی این تیواری
۸۸۔ ڈاکٹر ایس۔ ایس ایل
۸۹۔ ڈاکٹر وزیر سنگھ
۹۰۔ ڈاکٹر منظور احمد سید۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی
۹۱۔ جناب ذہین نقوی۔ دہلی۔ غالب اکیڈمی
۹۲۔ جناب محمد یونس خاں
۹۳۔ پروفیسر گورچرن سنگھ۔ پٹیالہ پنجابی یونی ورسٹی
۹۴۔ ڈاکٹر وزیر سنگھ۔ پٹیالہ پنجابی یونی ورسٹی
۹۵۔ سردار اجیر سنگھ جندی گڑھ
۹۶۔ گیانی گورمکھ سنگھ مسافر
۹۷۔ سردار مبارک سنگھ۔ امرتسر
۹۸۔ سردار راجندر سنگھ
۹۹۔ مسٹر جسٹس بھوپندر سنگھ
۱۰۰۔ سردار کنور مہندر سنگھ بیدی
۱۰۱۔ پروفیسر پریتم سنگھ۔ امرتسر پنجابی یونیورسٹی
۱۰۲۔ مولانا اسحٰق سنبھلی ممبر پارلیمنٹ
۱۰۳۔ چودھری طیب حسین ممبر پارلیمنٹ
۱۰۴۔ حضرت صاحبزادہ فی رود چشتی صاحب اجمیر شریف۔
۱۰۵۔ پرنسپل جی ایس رندھاوا۔ دہلی۔ خالصہ کالج
۱۰۶۔ سردار لوٹا سنگھ۔ ایم۔ پی۔ نئی دہلی۔

۱۰۷ - سردار رجیندر سنگھ گل ایم۔ پی۔ نئی دہلی
۱۰۸ - پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی پرنسپل جامعہ کالج۔
۱۰۹ - سردار سنتوکھ سنگھ۔ جونسن۔ نئی دہلی
۱۱۰ - بھائی موہن سنگھ
۱۱۱ - مس امل حیات لوس یالینڈ
۱۱۲ - ہزایکسی لنسی آقائے کاردوش کلچرل کونسلر ایران (۱۱۳) جسٹس ٹیکا جگجیت سنگھ بیدی وغیرہ

بابا صاحب کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں میں تقریبات منعقد کی گئی تھیں۔ ان میں سے دہلی۔ لکھنؤ، جے پور اور اجمیر شریف میں راقم الحروف کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ دہلی کی تقریبات کا مختصر حال بیان کیا جا چکا۔ اب ذرا لکھنؤ کی سیر بھی کر لیجئے۔

لکھنؤ میں سیمینار کی تاریخیں ۲۲ اور ۲۳ ردسمبر مقرر کی گئی تھیں۔ ان تاریخوں میں ریلوے ہڑتال ہو گئی۔ مگر ہڑتال کے باوجود سیمینار ہوا۔ اور پہنچنے والے لکھنؤ پہنچے۔ یو۔ پی کے گورنر آج کل نواب میر اکبر علی خاں صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ موصوف کو بزرگان دین سے بڑی عقیدت ہے۔ اور بزرگان دین کا ان کے حال پر بڑا کرم ہے۔ اور شاید اسی کا ایک اثر ہے کہ گورنر ہونے کے باوجود وہ بے حد منکسر المزاج ہیں اور جاگیردار گھرانے میں ہوش سنبھالنے کے باوجود وہ خالص اور کھرے جنتا کے آدمی ہیں۔ اور ہندو مسلمان سکھ عیسائی سب کے ہاں مقبول ہیں۔ میں نے ان کو راستہ چلتے معمولی معمولی آدمیوں کو نہ صرف سلام کرتے بلکہ سلام میں سبقت کرتے دیکھا ہے۔

بابا صاحبؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں گورنر صاحب نے ذاتی طور پر دلچسپی لی اور اپنے محکمۂ اطلاعات کو خاص طور پر توجہ دلائی کہ وہ اس جشن میں جو سارے ہندوستان اور ساری انسانیت کو ایک دل اور ایک خیال بنانے والا جشن تھا شرکت کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ ٹھاکر پرساد سنگھ صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات نے ایک سیمینار اور ایک محفل قوالی کا اہتمام کیا۔

جشن کا افتتاح ۲۲ ردسمبر کی شام کو لکھنؤ کے مشہور رویندرالیہ ہال میں ہوا۔ حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے خاندانی نسبت اور غلامی کے شرف کی بنا پر ناچیز راقم الحروف کو صدارت کی عزت بخشی گئی۔

ڈاکٹر فریدی صاحب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔ اس اجلاس میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے اس سیمینار میں حصہ لیا تھا اور منتظمین کا ہاتھ بٹایا تھا۔

ہزایکسی لنسی گورنر صاحب کی افتتاحی تقریر اسی شمارے میں کسی اور جگہ درج کی جا رہی ہے۔ گیانی جگدیش سنگھ صاحب نے بابا صاحب کے شبد سنائے اور اردو میں ان کی بہت عمدہ تشریح کی۔ آخر میں میں نے بھی مختصراً کچھ عرض کیا اور راگی کلیان سنگھ صاحب اور راگی پریم سنگھ صاحب نے بابا صاحبؒ کا کلام گا کر اس افتتاحی جلسے کو اختتام تک پہنچایا۔ جلسے کے بعد سکھ بھائیوں کی طرف سے تمام حاضرین کو نہایت عمدہ چائے کے لنگر سے چھکایا گیا۔

دوسرے دن ۲۳ ردسمبر کو فضیلت مآب گورنر صاحب نے ازراہ کرم ہم لوگوں کو لنچ پر مدعو فرمایا اور لنچ سے فارغ ہونے کے بعد مرکزی اطلاعات میں سیمینار کی دوسری نشست ہوئی۔ جس کی صدارت سردار گورچرن سنگھ صاحب سکریٹری بابا فرید میموریل سوسائٹی نے فرمائی۔

وقت چونکہ کم تھا اس لئے مقالے پڑھنے کے بجائے انکے خلاصے سن لئے گئے۔ ٹھاکر پرساد سنگھ صاحب اور پروفیسر بھگوتی سنگھ اور سردار گل ونت سنگھ صاحب اور سردار گورچرن سنگھ صاحب کی تقریریں بہت پرمغز تھیں۔

ٹھاکر پرساد سنگھ صاحب اور پروفیسر بھگوتی سنگھ صاحب ہندی زبان کے آدمی ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں بتایا کہ بابا صاحبؒ صرف پنجابی زبان ہی کے سب سے پہلے ادیب اور شاعر نہیں تھے۔ بلکہ انھوں

نے ہندی زبان اور اس کی روایت کو بھی بہت متاثر کیا ہے۔ بابا صاحبؒ نہ ہوتے تو شاید جائسی بھی نہ ہوتے اور ہندی کو کبیر اور تلسی جیسے شاعر بھی نہ ملتے۔ ہندی کی شاعری کا بیشتر حصہ صوفیا رہیا۔ اور ان صوفیا کے سرگروہ حضرت بابا صاحبؒ ہیں۔

تیسری اور آخری نشست بعد مغرب رو بندرا لیہ ہال میں ہوئی جس کی صدارت یوپی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر شری واسو دیو سنگھ نے کی۔ اور اپنی تقریر میں بڑی پیاری بات کہی کہ بابا صاحبؒ کا یوم ولادت منانا ان اصولوں کا تسلیم کرنا ہے جن سے انسانیت پرورش پاتی ہے۔

اس آخری نشست میں حبیب پینٹر کی قوالی سے قبل محترم گورنر صاحب نے ایک بہت طویل اور پراثر دعا بھی مانگی۔ یہ دعا اس قابل تھی کہ اسے محفوظ رکھا جاتا کیونکہ ایسی پراثر دعا مجمع عام میں شاید آج تک کسی گورنر نے نہ مانگی ہوگی۔ اس کا ایک ایک لفظ دلوں کو متاثر کر رہا تھا اور آمین کی صدائیں پورے خلوص سے اٹھ رہی تھیں مگر یہ دعا شاید بارگاہِ الٰہی میں ریکارڈ اور مقبول ہونے والی تھی اس لئے منتظمین نے اور تقریروں کی طرح نہ اسے ٹیپ کیا اور نہ لکھا۔

اجمیر شریف۔

سب دریا سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب تھا کہ بابا صاحبؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کا آخری شاندار اجتماع چشتیوں کے مرکز اجمیر شریف میں منعقد ہو۔ اور شمال جنوب مشرق مغرب سب طرف سے لوگ جوق جوق اجمیر شریف آئیں اور نہ صرف حضرت باباؒ کی تعلیمات کا عرفان حاصل کریں بلکہ چشتیوں کے اس عظیم مرکز کی طرف سے سکھ بھائیوں کا شکریہ بھی ادا کیا جائے جنھوں نے بابا فرید میموریل سوسائٹی قائم کر کے اور بابا صاحبؒ کے جشن ولادت کی دھوم مچا کر ساری دنیا کو راستہ دکھایا۔ اور بتایا کہ انسانیت کی فلاح اور

نجات کس چیز میں ہے۔ چنانچہ ۲۸ / ۲۹ / اپریل کو حضور خواجۂ خواجگان کی بارگاہ میں ایک طرف سمینار ہوا جس میں بہت اچھے اچھے مقالے پڑھے گئے۔۔ دوسری طرف اسم بامسمیٰ آسمان جاہی محفل خانے میں ایک یادگار کانفرنس منعقد کی گئی جس میں از راہ اظہار تشکر درگاہ شریف کی طرف سے جیانی کی دو چوریاں (مور چھل) دربار صاحب امرتسر اور تخت حضور صاحب ناندیڑ کے لئے پیش کی گئیں۔

سلطنت چشت کی دور دراز ولایتوں سے ادنیٰ چاکروں کا جو قافلہ ۲۷ اپریل کو صبح اجمیر شریف پہنچا اور دیوان شاہی کے جوار میں جس کو ٹھیرنے کی عزت بخشی گئی۔ ان میں ناچیز راقم الحروف بھی تھا۔ جگہ جگہ سے مہمان آرہے تھے۔ اور میزبان خاص حضرت صاحبزادہ سید حلیم میاں چشتی نائب صدر انجمن معینیہ فخریہ چشتیہ خدام ذوی الاحترام حضرت خواجہ غریب نواز اور ان کے ساتھی بنفس نفیس ان کا استقبال کر رہے تھے۔ دہلی سے میرے ساتھ قریبی مخدوم زادے جناب نثار احمد صاحب فاروقی استاد دہلی کالج بھی تشریف لے گئے تھے۔ ریت سے سیدھے صاحبزادہ حبیب احمد صاحب چشتی کے دولت خانے پر حاضری ہوئی اور چشتیوں کے شہرۂ آفاق دسترخوان پر مرغ و ماہی کی لذتیں میسر آئیں۔ پھر حضرت حبیب میاں صاحب کی رہنمائی میں آستانہ عالیہ تک رسائی ہوئی۔ دین و دنیا کی دولت سے سرفراز کیا گیا۔ کسی دنیوی بادشاہ کے ہاں جاؤ تو یہ بہار کہاں ہوتی ہے کہ سروں پیا در ہاتھوں میں پھول ہوں اور پھول بھی گلاب کے اور گلاب بھی اجمیر کے! پھر جو کھٹ چومئے تو صندل مہکے۔ دامن تھامئے تو مشامِ جاں معطر ہو جائے۔ دائیں بائیں اگر اور لوبان کے مرغولے ہوں تلاوت کی صدائیں فردوسِ گوش نہیں۔ تم آنکھ کھولے تو جنت بند کیجئے۔ تو جانِ جہاں کے قرب کا سرور! سبحان اللہ!

کرم کردی الٰہی زندہ باشی۔

ہم لوگ حضرت قبلہ متولی، سرار احمد صاحب مدظلہ العالی کی حویلی میں ٹھیرائے گئے۔ حضرت صاحبزادہ ابرار میاں صاحب اسٹیشن پر بھی زحمت فرما ہوئے تھے

یہاں بھی انھوں نے ہر وقت خبر گیری کی۔ حضرت قبلہ متولی صاحب کی شفقتیں اور نوازشیں بھی لمحہ لمحہ میسر آتی رہیں۔ حکایت بہت لذیذ ہے اور طویل تر بیان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر پھر سیاق سے سباق نہیں ملے گا۔ اب تک جو کچھ لکھا ہے وہ بے جوڑ ہو جائے گا۔ اس لئے جی مار کر مختصر لکھنا ہوگا۔ بہت مختصر۔

۲۸ اپریل کو صبح سویرے ہی سے آستانہ عالیہ کے محفل خانہ کی طرف مخلوق کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ خوشنما فرش۔ صدر میں چھوٹا سا شہ میانہ۔ چاندی کی چوبیں۔ ریشمیں رسیاں۔ اطراف ہندو مسلمان سکھ عیسائی صاف ستھرے کپڑے پہنے قطار اندر قطار بیٹھے تھے۔ باہر شاہی دروازے پر جناب فاروق حسن صاحب وزیر اوقاف و تعلیمات حکومت راجستھان استقبالیہ کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے کھڑے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ حضرات خدام خواجہ غریب نواز زرق برق شیروانیوں میں ملبوس، رنگین دوپٹے گلوں میں ڈالے۔ انتظامات میں مصروف تھے، مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں اسپیکر لوک سبھا اور آنریبل جسٹس بی پی۔ بیری چیف جسٹس راجستھان ہائی کورٹ جو جلسے کی صدارت فرمانے والے تھے میزبانوں کے جھرمٹ میں خراماں خراماں محفل خانے میں تشریف لائے۔ حضرت قبلہ متولی اسرار احمد صاحب مدظلہ اور حضرت صاحبزادہ زبیر صاحب اور حضرت صاحبزادہ فاروق میاں صاحب اور حضرت صاحبزادہ سید معین الدین حسن صاحب صدر انجمن محزریہ معینیہ اور حضرت صاحبزادہ سید حلیم میاں صاحب چشتی نائب صدر انجمن مذکور اور حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مشکور احمد سید صاحب اور حضرت صاحبزادہ سید الیاس مہاراج صاحب اور حضرت صاحبزادہ سید احمد حسین صاحب چشتی اور دیگر صاحبزادگان نے معزز مہمانوں کا استقبال فرمایا۔ تعارف ہوا اور پھر تلاوت قرآن مجید سے جلسے کا آغاز ہوا۔ آیات کا انتخاب خاص اہتمام سے جناب نثار احمد صاحب فاروقی نے کیا تھا۔ راقم الحروف نے ان آیات کا ترجمہ سنایا۔ بہت سے غیر مسلم بھائی قرآن مجید کو ایسی کتاب سمجھتے ہیں جس میں کافروں کے لئے کوڑا گھمایا گیا ہے اور صرف جہاد اور تلوار کی باتیں کہی گئی ہیں۔ لیکن آج جب انھوں نے انسانیت اور مساوات اور انصاف کی اعلیٰ قرآنی تعلیم کو سنا تو بہت متاثر ہوئے اور جلسے کے بعد متعدد آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ اور ہم کو اب تک معلوم ہی نہیں تھا کہ قرآن میں ایسی اچھی تعلیمات ہیں۔

تلاوت کے بعد راگیوں اور قوالوں نے شبد اور منقبتیں گائیں اور صدر مجلس استقبالیہ جناب فاروق حسن صاحب وزیر تعلیمات و اوقاف نے ایک مختصر اور برمحل تقریر میں مہمانوں کا استقبال کیا اور حضرت باباصاحبؒ کے سوانح حیات بیان فرمائے۔ ڈاکٹر مشکور احمد سید صاحب نے پیغامات پڑھ کر سنائے ان پیغامات میں صدر جمہوریہ ہند۔ جناب وی۔ وی گری، نائب صدر جناب جی ایس پاٹھک۔ وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی۔ وزیر خوراک جناب فخرالدین علی احمد وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ۔ وزیر اعلےٰ کشمیر جناب سید میر قاسم وزیر اعلیٰ منی پور جناب علیم الدین۔ سابق صدر جمہوریہ۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن صاحب۔ سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب ہدایت اللہ۔ شیر کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے بہت سے مشاہیر نے حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ اور اس تقریب کے سلسلے میں منتظمین کو مبارکباد دی تھی۔

پیغامات سنانے کے بعد ڈاکٹر مشکور صاحب نے تقریر فرمائی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تعلیمات کا خصوصیت سے ذکر کیا اور اجمیر شریف میں ایک صوفی ریسرچ سنٹر قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔

ان تقریروں کے بعد مہمان خصوصی ڈاکٹر گوردیال سنگھ صاحب ڈھلوں نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں

ٹھنڈی بجلیاں گرائیں اور ایک معرکۃ الآرا تقریر سے سمنار کا افتتاح کیا۔ انھوں نے بابا صاحبؒ اور سکھ گورو صاحبان کی تعلیمات کا ذکر کیا۔ نئے زمانے میں چشتی مشن کی ضرورت اور اہمیت سے سب کو آگاہ کیا۔ انھوں نے یہ دعا بھی مانگی کہ وہ دن جلد آئے جب ہندوستان کے عقیدت مند پاکستان جاکر حضرت بابا صاحبؒ کی زیارت کر سکیں اور بارگاہ فریدی میں ہدیہ نیاز پیش کرنے کا موقعہ انھیں ملے۔

جناب بی۔ پی بیری مشہور وکیل رہے ہیں۔ اور آج کل چیف جسٹس راجستھان ہائی کورٹ ہیں آستانہ عالیہ غریب نوازؒ سے ان کا تعلق بہت قدیم ہے۔ اس لئے ان کی تقریر جو خالص اردو میں تھی دل کو برمانے والی تقریر تھی۔ ان کے ہر فقرے پر داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔

صدارتی تقریر کے بعد حضرت قبلہ متولی اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی اور حضرت صاحبزادہ سید ظہور احمد زیدی صاحب کے مبارک ہاتھوں سے چاندی کی دو خوبصورت چوریاں دربار صاحب امرتسر اور تخت سری حضور صاحب ناندیڑ کے لئے ڈاکٹر ڈھلون کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ یہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ہاں کا تحفہ خلوص تھا۔ شاہی تحفہ بادشاہ کے ہاں جا رہا تھا۔ ڈاکٹر ڈھلون نے نہ صرف سرو قد کھڑے ہو کر بلکہ پھولوں سے لدی ٹہنی کی طرح جھک کر اسے قبول کیا اور بڑے احترام سے سر پر رکھا۔

دوپہر کو ایک بجے یہ تقریب اختتام کو پہنچی اور ڈاکٹر ڈھلون اور آنریبل بیری گنبد مبارک حضرت خواجہ غریب نوازؒ میں حاضر ہو کر آداب بجا لائے۔ حضرت صاحبزادہ سید حلیم میاں صاحب چشتی نے معزز مہمانوں کی دستار بندی فرمائی اور حضرات

خدام نے تبرک عطا فرمایا گنبد شریف کی حاضری کے بعد مہمانوں کو حضرت بابا صاحبؒ کے چلے پر پہنچایا گیا اور وہاں بھی انھیں تبرک دیا گیا۔ درگاہ کمیٹی کے مہمان خانے میں سب نے لنچ کھایا۔ آج کے جلسے کی صدارت دراصل جناب گیانی ذیل سنگھ صاحب وزیر اعلےٰ پنجاب فرمانے والے تھے۔ لیکن وہ علالت کی وجہ سے نہ آسکے۔ ان کی صحت کی دعا کی گئی۔

اسی دن شام کو پانچ بجے بعد نماز عصر دوسری لکشمی پارک کے ہال میں سمنار کی نشست ہوئی۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر کل ونت سنگھ صاحب صدر شعبہ اردو فارسی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ نے فرمائی ڈاکٹر مشکور صاحب نے ریکارڈ کے فرائض انجام دیے اور ڈاکٹر وحید اختر صاحب شعبہ فلسفی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ اور پروفیسر منظر حسین صاحب صدر شعبہ ہسٹری کپل وارڈہ کالج اور راقم الحروف نے مضامین پڑھے۔ ڈاکٹر مشکور احمد صاحب اور ڈاکٹر ریاقت حسین معینی ریسرچ اسکالر علی گڑھ یونیورسٹی کا مشترکہ مقالہ ڈاکٹر مشکور نے سنایا اور مختصر مباحثہ ہوا۔

دوسرے دن ۲۹ اپریل کو صبح ۸ بجے نو بجے اسی جگہ دوسری نشست حضرت قبلہ متولی اسرار احمد مدظلہ العالی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اور جناب سید نثار احمد فاروقی صاحب اور ڈاکٹر وزیر سنگھ صاحب شعبہ تاریخ پنجابی یونیورسٹی اور پروفیسر کرم جیت سنگھ صاحب سگور ہرجیندر، کالج فرید کوٹ اور سردار پریتما سنگھ صاحب چیرمین شری گورو گوبند سنگھ میموریل کمیٹی نے مقالے پڑھے اور مباحثہ ہوا۔

اسی روز شام کو پانچ بجے سمنار کی آخری نشست جناب محمد یعقوب صاحب ممبر راجستھان سروس کمیشن کی صدارت میں ہوئی۔ اس میں پروفیسر گلونت سنگھ صاحب۔ ڈاکٹر وحید اختر صاحب۔ جناب نظامی صاحب

عباسی صاحب نے مقالے سنائے۔ اور ان پر سیر حاصل بحث ہوئی۔

دوپہر کو جناب صاحبزادہ سید جمیل احمد صاحب چشتی نے ازراہ کرم ہمیں اور بعض دوسرے ڈیلی گیٹس کو اپنے دولت خانہ پر مدعو فرمایا تھا۔ حضرت متولی صاحب، دیگر صاحبزادگان اور ممبران اسمبلی کی معیت میں نہایت پرتکلف کھانا میسر آیا۔

رات کو سرکٹ ہاؤس میں منتظمین کی طرف سے ڈاکٹر ڈھلون کے اعزاز میں ایک شاندار مگر "قانونی" ڈنر دیا گیا تھا۔ قانونی اس لحاظ سے کہ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جس سے گیسٹ کنٹرول آرڈر کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ مگر یہ احتیاط ذرا ضرورت سے زیادہ تھی کیونکہ یہ غریب نواز کے ہاں کا لنگر تھا۔ اور لنگر پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ اس کھانے کا ایک ایک ذرہ تبرک سمجھ کر استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اور کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہوتی۔ دعوتوں پر پابندی تو اس لئے ہے کہ اس میں کھانا جھوٹ کی شکل میں ضائع ہوتا ہے۔ اور یہ بربادی موجودہ حالات میں مناسب نہیں سمجھی جاتی۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اجمیر شریف کی ان تقریبات کے منتظمین اور مجلس استقبالیہ کے اراکین کے نام بطور یادگار یہاں درج کئے جائیں۔ اور پوری چشتی برادری کی طرف سے ان سب کا شکریہ ادا کیا جائے۔

ان تقریبات کی سرپرستی حضرت قبلہ متولی سید اسرار احمد صاحب اور فضیلت مآب سردار جوگندر سنگھ صاحب گورنر راجستھان اور نواب امین احمد صاحب آف لوہارو صدر درگاہ کمیٹی اجمیر شریف نے فرمائی۔ کنوینر جناب ڈاکٹر مشکور احمد سید ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی اور ڈپٹی کنوینر حضرت صاحبزادہ سید حلیم میاں چشتی نائب صدر انجمن معینیہ فخریہ چشتیہ خزانچی جناب سید محمد عمر دراز صاحب تھے۔ پبلسٹی انچارج جناب ڈبلو ڈی بیگ صاحب کو بنایا گیا تھا۔ اور ان کی معاونت حضرت سید یونس مہاراج صاحب نے فرمائی تھی۔ ممبران میں جناب کشن موٹوانی ایم ایل اے، حضرت سید ظہور احمد زیدی۔ جناب گیانی برہما سنگھ صدر پشکر گورو گوبند سنگھ میموریل پشکر۔ جناب ایم اے منصوری ناظم درگاہ شریف اجمیر اور حضرت حاجی سید فاروق حسین صاحب چشتی اور حضرت سید احمد حسین صاحب چشتی سابق میونسپل کونسلر اجمیر شریف کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ مجلس استقبالیہ مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھی۔

جناب فاروق حسن صاحب وزیر تعلیمات و اوقاف راجستھان۔ صدر۔ جناب محمد یعقوب صاحب ممبر راجستھان پبلک سروس کمیشن نائب صدر۔ ممبران: جناب بشیشور ناتھ بھارگوا ممبر پارلیمنٹ اور پرمکھ ضلع پریشد اجمیر۔ رانی ارملا دیوی سودا۔ چیئرمین راجستھان اسٹیٹ سوشل ویلفیئر ایڈوائزری بورڈ۔ جناب مانک چند موگالی ایم ایل اے۔ جناب اے۔ ایم شاہ آئی پی ایس ڈپٹی انسپکٹر جنرل سنٹرل ریزرو پولیس جناب ایم کے مختار۔ ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ویسٹرن ریلوے اجمیر جناب رویندر ایل ڈی میلہ ٹب اجمیر جے پور۔ جناب کشن گوپال گارگ۔ جناب دھرم دت بھارگوا۔ جناب سیٹھ بھاگ چند سونی۔ جناب این ایل ماتھر ایڈمنسٹریٹر میونسپل کاونسل اجمیر جناب صوفی سنت ہر پرشاد جی گدی دھاری بابا داما شاہ۔ سردار جسونت سنگھ صدر شری گورو سنگھ سبھا سردار سنتوکھ سنگھ صدر شری گورونانک سبھا اجمیر۔ سردار مہندر سنگھ۔ جناب نانک رام اسرانی صدر آل انڈیا سندھو سیوا سنگھ اجمیر۔ جناب پی کنڈلیا ایڈووکیٹ محترمہ مس ایس پروین قریشی لکچرر اجمیر۔ جناب ڈاکٹر ظہور الحسن صاحب شارب اجمیر شریف۔ جناب معین الدین حسن صدر انجمن معینیہ فخریہ خدام

سیدزادگان۔ اجمیر۔ جناب حاجی سید عبدالرشید غازی سکریٹری انجمن معینیہ فخریہ۔ جناب سید عبدالباقی صاحب ممبر درگاہ کمیٹی سردار شریف۔ جناب سید محمد محسن چشتی صدر درگاہ حضرت میراں صاحب تارا گڑھ جناب ہمیر۔ ایم اسحٰق ہیڈ آف الیکٹرک انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ۔ گورنمنٹ پالی ٹیکنک اجمیر۔ جناب سید الیاس مہاراج صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول اجمیر جناب سید لطافت حسین موتی والا خزانچی انجمن معینیہ فخریہ جناب سید شرف حسین چشتی آڈیٹر انجمن معینیہ فخریہ۔ جناب سید فیض عالم فخری ممبر انجمن معینیہ فخریہ۔ جناب سید غلام معین الدین صاحب۔ ممبر انجمن معینیہ فخریہ۔ جناب سید منظور میاں مولا میاں چشتی جناب حاجی سید محمد جمیل صاحب چشتی۔ جناب سید الطاف حسین صاحب چشتی۔

سمینار کے دوران ایک روز بعد نماز عشاء احاطہ نور میں حضرت قبلہ متولی اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی کی صدارت میں محفل قوالی بھی منعقد ہوئی جس میں تمام بیرونی اور مقامی شرکائے سیمینار نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ حاضری دی۔ اور حضور غریب نوازؒ کے زیر سایہ علم اور عقل کی بخششوں کے ساتھ کچھ نعمتیں عشق کے خزانے سے بھی عطا ہو گئیں۔ اور داداکی چوکھٹ سے ہر نہال اور اقبال مند پوتے کے یوم ولادت کی خوشی میں جو کچھ بٹ سکتا تھا خوب بٹا۔

رجب پور

رجب پور ضلع مرادآباد میں حضرت باباصاحبؒ کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت خواجہ بہاءالدین صاحب عرف بابا فریدی کا مزار پرانوار ہے جہاں ہر سال بڑے تزک و احتشام کے ساتھ عرس کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں اور سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ معین احمد فریدی اور ان کے فرزند ارجمند فرزند اکبر جناب خواجہ راشد فریدی صاحب بڑی تندہی سے سلسلے کی خدمت میں مصروف ہیں اس سال مارچ میں انہوں نے عرس شریف کے ساتھ اپنے جد اعلیٰ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ۸۰۰ سالہ جشن ولادت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ اس جشن کی رپورٹ چونکہ تاخیر سے وصول ہوئی ہے اس لئے آخر میں درج کی جا رہی ہے۔

۱۰ مارچ کو سجادہ نشین صاحب کی طرف سے مقامی اور بیرونی زائرین کی پرتکلف دعوت کی گئی اور نماز ظہر کے بعد جشن ولادت کی تقریبات جناب محمد شفیع قریشی صاحب نائب وزیر ریلوے کی صدارت میں شروع ہوئیں۔ جناب سردار فوجا سنگھ صاحب جنرل سیکرٹری سردار گوربچن سنگھ صاحب رجسٹرار پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ۔ ڈاکٹر گل ونت سنگھ صاحب اور ڈاکٹر آر۔ ڈی ورما صاحب نے حضرت بابا صاحبؒ کے حالات زندگی بیان فرمائے اور جناب ہرکشن شرما بالبرگوتہ نے حضرت بابا صاحب کی شان میں اشلوک پڑھے۔ جناب قادری شفیق احمد صاحب دہلوی اور قادری ظہیر الحسن صاحب میسوری نے منقبت خوانی کی۔

بیرونی شرکاء میں مرکزی وزیر جہاز رانی و ٹرانسپورٹ جناب ایم پی رنا جناب محمد شفیع قریشی نائب وزیر ریلوے مولانا اسحٰق سنبھلی صاحب ایم۔ پی ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب برق ایم ایل اے۔ سردار فوجا سنگھ انچارج سکھ مشن بارڈر سردار گوربچن سنگھ رجسٹرار پنجابی یونیورسٹی ڈاکٹر گل ونت سنگھ۔ خواجہ مہدی نظامی خواجہ حسن ثانی نظامی۔ شاہ امیر عالم چشتی۔ نسیم شاہ جہاں پوری صاحب قمر شاہجہاں پوری صاحب حکیم مسیحائی صاحب جناب نشتر فاروقی فریدی جناب خورشید مصطفیٰ رضوی جناب محمد ابراہیم صاحب فریدی بریلوی ڈاکٹر خلیل احمد خاں صاحب جمیل احمد نظامی وغیرہ بے حد تعریف کے قابل ہیں

(خواجہ حسن ثانی نظامی)

اظہارِ تشکر

بابا فریدؒ اسپتال، بابا فریدؒ زنانہ کالج اور فرید نگر ریلوے اسٹیشن

حکومتِ پنجاب اور اہالیانِ فریدکوٹ کا

مبارک قدم

فریدکوٹ ہندوپاکستان کی سرحد پر ایک مشہور تاریخی قصبہ ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکرؒ اس قصبے سے گذر رہے تھے کہ قصبے کے راجہ موکل ہر کے ملازموں نے حضرت کو بیگار میں پکڑلیا اور راجہ کے زیرِ تعمیر قلعے کے لئے زبردستی کام کرانا چاہا۔ لیکن جب انھوں نے گارے کا تسلہ حضرت کے سر پر رکھا تو وہ سر پر ٹکا نہیں بلکہ معلق رہا۔ اس کرامت کو دیکھ کر راجہ اور اس کے اہلکار حضرت کے قدموں میں گر گئے اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور درخواست کی کہ کچھ عرصے حضرت اسی جگہ قیام فرمائیں۔ چنانچہ حضرت کچھ دن وہاں ٹھیرے اور راجہ کے زیرِ تعمیر قلعے کا نام حضرت کے اسم گرامی پر فریدکوٹ رکھا گیا۔ یہ قلعہ اب بھی موجود ہے۔ اور اس میں حضرت کی چلہ گاہ اور مسجد ابھی محفوظ ہے۔ جنوری ۱۹۷۳ء میں اسی مقام پر سب سے پہلے بابا فرید میموریل سوسائٹی نے ایک یادگار اجتماع کیا تھا۔ جس میں ہمارے موجودہ صدر جمہوریہ فضیلت مآب فخرالدین علی احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے بڑی عقیدت سے حاضری دی تھی۔ اور وزیرِ اعلیٰ پنجاب گیانی ذیل سنگھ صاحب اور اسپیکر لوک سبھا جناب ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں اور دوسرے بہت سے اکابر شریک ہوئے تھے۔ اس اجتماع کا تفصیلی حال منادی میں چھپ چکا ہے اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے تاہم ناظرین منادی کو یاد دلانے کے لئے اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ فریدکوٹ کے اس اجتماع میں جناب گیانی ذیل سنگھ نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ فریدکوٹ میں حضرت بابا صاحبؒ کے نام پر ایک اسپتال تعمیر کیا جائے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے عقیدت مندوں کو یہ سنکر بے انتہا مسرت ہوگی اور وہ حکومت پنجاب کے شکر گذار ہوں گے کہ اس نے اپنے وزیرِ اعلیٰ کے اس ارادے کو عملی شکل دینے کا اخباروں میں اعلان کردیا ہے اور طے پایا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت سے ایک بہت بڑا اسپتال بابا صاحبؒ کے نام پر فریدکوٹ میں قائم کیا جائے۔ اس مستحسن اقدام اور فیصلے پر وزیرِ اعلیٰ پنجاب اور ان کی حکومت کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بابا فرید میموریل اسپتال کے قیام سے نہ صرف بابا صاحبؒ کے عقیدت مند ہی اطمینان پائیں گے بلکہ تمام دنیا میں اخوت اور یکجائی کا چرچا رہے گا ہمارے جذبات کی ...

ایک دوسری خوشخبری یہ ہے کہ فریدکوٹ میں بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی قائم ہوئی ہے جو اس ارادہ ...

نے بہت کم وقت میں بابا صاحبؒ کے نام پر لڑکیوں کا ایک کالج چھ ایکڑ کے رقبے میں تعمیر کر دیا ہے۔ اور جولائی ۱۹۷۲ء سے اس کالج میں تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔ اس کالج میں ان گھرانوں کی بچیاں تعلیم پا سکتی ہیں جو لڑکے اور لڑکیوں کا ایک ساتھ پڑھنا مناسب اور درست نہیں سمجھتے۔

ملت ایجوکیشنل سوسائٹی کا یہ کارنامہ ایسا ہے جس پر ہزار بار مبارکباد دینی چاہیے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے تھے کہ جب جنگل سے شیر نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ نر ہے یا مادہ، سب کی زبان پر یہی ہوتا ہے کہ شیر آیا شیر آیا۔ اسی طرح ہر انسان عورت مرد کے امتیاز کے بغیر کمال حاصل کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی حضرت کا ارشاد تھا کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔ اور نیک انسانوں کا واسطہ دیتے ہیں تو پہلے نیک عورتوں کا نام لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد نیک مردوں کا نام لیتے ہیں۔ اس لئے بابا صاحب کے نام پر زنانہ کالج کا قیام بہت اچھا اور ضروری کام تھا میں اپنی صوفی اور چشتی برادری سے اپیل کروں گا کہ وہ اس کالج کی ہونہار بچیوں کو وظیفے دینے کی کوئی جامع اسکیم بنائے

فرید نگر اسٹیشن

یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آج کل ریلوے کے وزیر جناب ایل این مشرا صاحب ہیں اور نائب وزیر جناب محمد شفیع قریشی صاحب ہیں اور یہ دونوں بزرگان دین سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں بابا فرید میموریل سوسائٹی نے محکمہ ریلوے سے درخواست کی تھی کہ فرید کوٹ کے قریب ایک ریلوے اسٹیشن کا نام فرید نگر ریلوے اسٹیشن رکھا جائے۔ کیونکہ اس جگہ کو بھی حضرت بابا صاحب سے تاریخی مناسبت رکھنے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ یہ درخواست منظور ہو گئی ہے۔ اور محکمہ ریلوے نے اسٹیشن کا نام فرید نگر رکھ دیا ہے۔ ہم سب بھی کے وزیر مشرا صاحب اور محترم محمد شفیع قریشی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بارگاہ فریدی سے نعمتیں عطا فرمائے۔

سردار گورچرن سنگھ صاحب

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے رجسٹرار اور حضرت بابا فرید میموریل سوسائٹی کے اعزازی سکریٹری جناب سردار گورچرن سنگھ صاحب نہایت خاموشی سے خدمت کرنے والے آدمی ہیں، بابا فرید میموریل سوسائٹی کے ہر کام کیلئے اس کے روح رواں رہے ہیں اور انھوں نے ان تھک محنت کی ہے موصوف نام نمود سے اتنے دور ہیں کہ رسالہ منادی کے اس نمبر کے لئے ان سے تصاویر کی جو فرمائش کی تھی اس میں خود ان کی اپنی تصویر بھی شامل تھی مگر انھوں نے دوسری تصویریں تو بھیجدیں مگر اپنی تصویر نہیں بھیجی ہم سب کی دعا ہے کہ خدا ان کی اس بے لوث خدمت کو پسند فرمائے۔ ان کو اپنے گورو صاحبان کے دربار میں مقبولیت حاصل ہو۔ اور ہر طرح کی روحانی اور دنیوی ترقیاں ملیں۔ اور مزید خدمت کی توفیق ہو۔

مخلص

(خواجہ حسن ثانی نظامی)

سلطان شمس الدین التمش کی مدت سے آرزو تھی کہ پانی کی بہم رسانی کرنے کے لئے ایک بڑا تالاب کھدوائے ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہیں اور فرماتے ہیں تالاب یہاں کھدوادو۔ بیدار ہوکر وہ فوراً اس جگہ پہنچا دیکھتا کیا ہے خواجہ قطب الدین وہاں پہلے سے کھڑے ہیں۔ غرض تالاب کھدوا یا گیا۔ یہی شمسی تالاب ہے۔

ماوراءالنہر کا شاعر ناصری خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہم وطنی کے رشتے سے اس کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آئے اور اسے اپنا مہمان بنایا۔ ناصری نے سلطان شمس الدین التمش کی شان میں قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع ہے ؎

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال وقتیل زکفار خواستہ

اس نے خواجہ قطب الدینؒ سے عرض کیا۔ دعا فرمایئے انعام اتنا ملے کہ مالامال ہوجاؤں۔ کہا اتنا ہی ملے گا جتنے قصیدہ میں ترپن اشعار ہیں۔ سلطان نے ترپن ہزار تنگہ نقرئی ناصری کو دیئے تنگہ ہمارے آج کل کے دو تین روپے کے برابر سمجھئے یہ ساری رقم لاکر ناصری نے خواجہ قطب الدین کے قدموں میں ڈال دی اور عرض کیا اس میں سے کچھ آپ قبول کیجئے۔ کہا یہ تمہارا انعام ہے تم ہی اپنے صرف میں لاؤ۔

ایک شخص رئیس احمد خواجہ قطب صاحب الدینؒ کا مرید تھا اس نے خواب میں دیکھا کہ عالیشان مکان ہے۔ اس کے گرد لوگوں کا اژدہام ہے۔ نہایت نورانی شکل کے ایک صاحب مکان میں سے باہر آتے ہیں اور کھڑے ہوئے لوگوں سے بات کرکے چلے جاتے ہیں۔ رئیس احمد نے حاضرین سے پوچھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ مکان میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں یہ صاحب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضورؐ کے مقرب صحابی ہیں۔ حضورؐ کے پیغام لوگوں کو پہنچارہے ہیں۔ رئیس احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے درخواست کی کہ حضور سے کہئے۔ رئیس احمد بھی مشتاق دیدار ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اندر گئے اور جواب لائے۔ تم ابھی ہمارے دیکھنے کے قابل نہیں ہو۔ تم جاؤ اور قطب الدینؒ سے کہو ان کا تحفہ تین روز سے نہیں پہنچا ہے۔ رئیس احمد خواجہ قطب الدینؒ کے پاس آئے اور خواب سنایا حضرت نے کہا واقعی تین روز سے درود شریف کا ورد ناغہ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اسے بہت برا خیال کرتے تھے کہ نفل عبادت کو دکھا کر کیا جائے۔ ایک دفعہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے عرض کیا۔ میں وقت مقرر کرکے اوراد و وظائف پڑھنا چاہتا ہوں۔ منع فرمایا اور کہا ہمارے بزرگوں میں یہ طریقہ نہیں رہا۔ اس سے چرچا ہوتا ہے۔ اور چرچا فقیر کے حق میں آفت ہے۔ بابا صاحبؒ نے پھر عرض کیا میری نیت یہ نہیں ہے کہ چرچا ہو۔ اس کا جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ بابا صاحبؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا۔

خواجہ قطب الدین کے انتقال کا ایک واقعہ عجیب و غریب ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ میرے زمانے میں بھی ہوا تھا۔ مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ نے اجمیر شریف میں ایک شعر سن کر دم دے دیا تھا۔ خواجہ قطب الدینؒ کا واقعہ یہ ہے کہ مخدوم خواجہ [illegible] کی درگاہ میں تشریف لے گئے وہاں محفل سماع گرم تھی اور قوال گا رہا تھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

اس شعر کا کان میں پڑنا تھا کہ خود اسے بیخود اور بے ہوش ہو گئے۔ خواجہ حمیدالدین ناگوری اور بدرالدین غزنوی ساتھ تھے۔ دونوں حضرات لے آئے اور قوالوں کو بلا کر اسی شعر کی تکرار کرائی

دن تین رات وجد طاری رہا۔ پہلا مصرعہ سن کر بے جان ہو جاتے تھے اور دوسرا مصرعہ گایا جاتا تو جان سی پڑ جاتی تھی۔ نماز کے وقت ہوشیار ہو کر نماز ادا کرتے اور پھر وجد طاری ہو جاتا۔

تیسرے دن حالت دگرگوں ہو گئی۔ زندگی کی توقع جاتی رہی۔ حضرت نے فرمایا خرقۂ خلافت جو خواجہ معین الدینؒ نے مجھے عطا کیا تھا اور کھڑاویں اور مصلے اور عصا بابا فریدؒ کو پہنچا دیا جائے۔ یہ وصیت کر کے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

جس جگہ مزار ہے اس جگہ کے متعلق کہا تھا کہ یہاں بوئے وفا آتی ہے۔ اسی خیال سے وہاں دفن کیا گیا۔ سلطان شمس الدین التمش نے خود میت کو غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔

خواجہ قطب الدینؒ کے ملفوظات کی ضخیم کتاب چھپی ہوئی فروخت ہوتی ہے۔ چند ملفوظات اس سے ترجمہ کر کے لکھتا ہوں۔

ایک روز ارشاد ہوا۔ تجھے اگر مرد کامل بننے کی تمنا ہے تو کم بول، کم کھا، کم سو اور لوگوں سے کم مل۔

ایک روز فرمایا۔ فقیر کی شان یہ ہے کہ لالچ دنیا سے اپنے آپ کو پاک رکھے سوا اللہ کے کسی کو دل میں جگہ نہ دے۔ اسرار معرفت بیان کرتا نہ پھرے ایک ہی جگہ میں مست نہ ہو جائے۔

دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو اسلام نہیں لائے وہ بھی حضرت کی نوازشوں سے محروم نہیں رہے۔ اور ان کو بے شمار نعمتیں حضرت کے اہم قدم سے میسر آئیں اور آج تک حضرت کے دربار سے بلا لحاظ مذہب و ملت سب [illegible] سب کی دستگیری ہوتی ہے حضرت معین [illegible] جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں سمجھ لے کہ وہ اللہ کا دوست ہے۔ اول دریا کی سی سخاوت دوم آفتاب کی سی شفقت۔ تیسرے زمین کی سی تواضع۔ یہ بھی حضرت کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس طرح بھی کرو کہ مظلوموں کی فریاد سنو۔ بے چاروں کی حاجت روائی کرو اور بھوکوں کا پیٹ بھرو۔

منقول ہے کہ جس رات شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری قدس اللہ سرہ کا وصال ہونے والا تھا۔ چند بزرگوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست معین الدین حسن سجزی آنے والے ہیں۔ ان کے استقبال کے لئے ہم آئے ہیں۔ نیز یہ کہ جب حضرت نے رحلت فرمائی تو آپ کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔

ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ

(یہ اللہ کے دوست ہیں جنھوں نے اللہ کی محبت میں جان دی)

حضرت امیر خسروؒ نمبر

۱۹۷۳ء میں شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت منایا گیا تھا ۱۹۷۵ء میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کے سب سے چہیتے مرید ادیب شہیر شاعر بے مثال، موسیقار اعظم طوطی ہند سلطان الشعراء ابوالحسن حضرت۔

خواجہ امیر خسروؒ دہلوی

کے سات سو سالہ جشن ولادت کی تیاریاں ہیں۔ جس میں روس ایران اور بعض دوسرے ممالک بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ ہندوستان میں بھی ایک کمیٹی اس سلسلے میں بنی ہے اور انٹرنیشنل سمینار وغیرہ کا پروگرام اس کے پیش نظر ہے۔ اس یادگار موقعے پر انشاء اللہ۔

ادارۂ منادی

اور متوسلین بارگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف سے بھی بارگاہ خسرویؒ میں خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔ اور دوسری چیزوں کے ساتھ خدا نے چاہا منادی کا ایک ضخیم

حضرت امیر خسروؒ نمبر

شائع ہوگا۔ کاغذ کی نایابی اور گرانی کا جو عالم ہے اس سے سب واقف ہیں تاہم تائید ایزدی شامل رہی تو یہ رکاوٹیں [illegible] سدراہ نہیں ہوں گی۔ اہل قلم اور اہل درم حضرات [illegible] سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

مخلص

خواجہ حسن ثانی نظامی

حضرت بابا فریدؒ میموریل سوسائٹی

(۱) سوسائٹی کا رجسٹرڈ دفتر فرید کوٹ میں اور ہیڈ کوارٹر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب میں ہے۔

(۲) اغراض و مقاصد:

(الف) حضرت بابا صاحبؒ کے آٹھ سو سالہ جشن ولادت کی تقریبات کا اہتمام کرنا۔

(ب) حضرت بابا صاحبؒ اور دوسرے صوفی بزرگوں اور پنجاب کے بھگتی شعراء پر لٹریچر تیار کرانا اور شائع کرنا۔

(ج) حضرت بابا صاحبؒ اور دوسرے صوفی بزرگوں اور پنجاب کے بھگتی شعراء کے کلام اور فرمودات کی ترتیب و تدوین علمی تشریح اور اشاعت۔

(د) مذہب، تصوف اور بین فرقہ جاتی مطالعہ کے لئے [illegible] کا قیام اور فلاح و بہبود کے دیگر مستقل مراکز کا [illegible] قیام۔

(ہ) مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے انعامات اور وظائف وغیرہ کی تقسیم۔

۳۔ رکنیت ہر وہ بالغ افراد جن کو سوسائٹی کے اغراض و مقاصد سے اتفاق ہو اس کے ممبر بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ضروری کاغذات اور فارم وغیرہ براہ راست سردار گورچرن سنگھ صاحب آنریری جنرل سکریٹری بابا فرید میموریل سوسائٹی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب ہندوستان سے منگائے جا سکتے ہیں۔ رکنیت متعدد طرح کی ہو سکتی ہے۔

(الف) معطی ممبران:۔ وہ اصحاب جو مبلغ ایک ہزار روپے یکمشت یا دو مساوی قسطوں میں ادا کریں۔

(ب) لائف ممبر:۔ جو ایک سو روپے یکمشت یا دو مساوی قسطوں میں ادا کرے۔

(ج) عام ممبر:۔ جو دس روپے سالانہ ادا کرے۔

(ہ) سوسائٹی کے موجودہ صدر [illegible] گورڈیال سنگھ ڈھلوں اسپیکر لوک سبھا [illegible]

حضرت متولی اسرار احمد صاحب چشتی نے سیمینار جشن فرید اجمیر کی صدارت فرمائی۔

درمیان میں حسن ثانی نظامی اور انکے برابر مشکور احمد سید بیٹھے ہیں۔
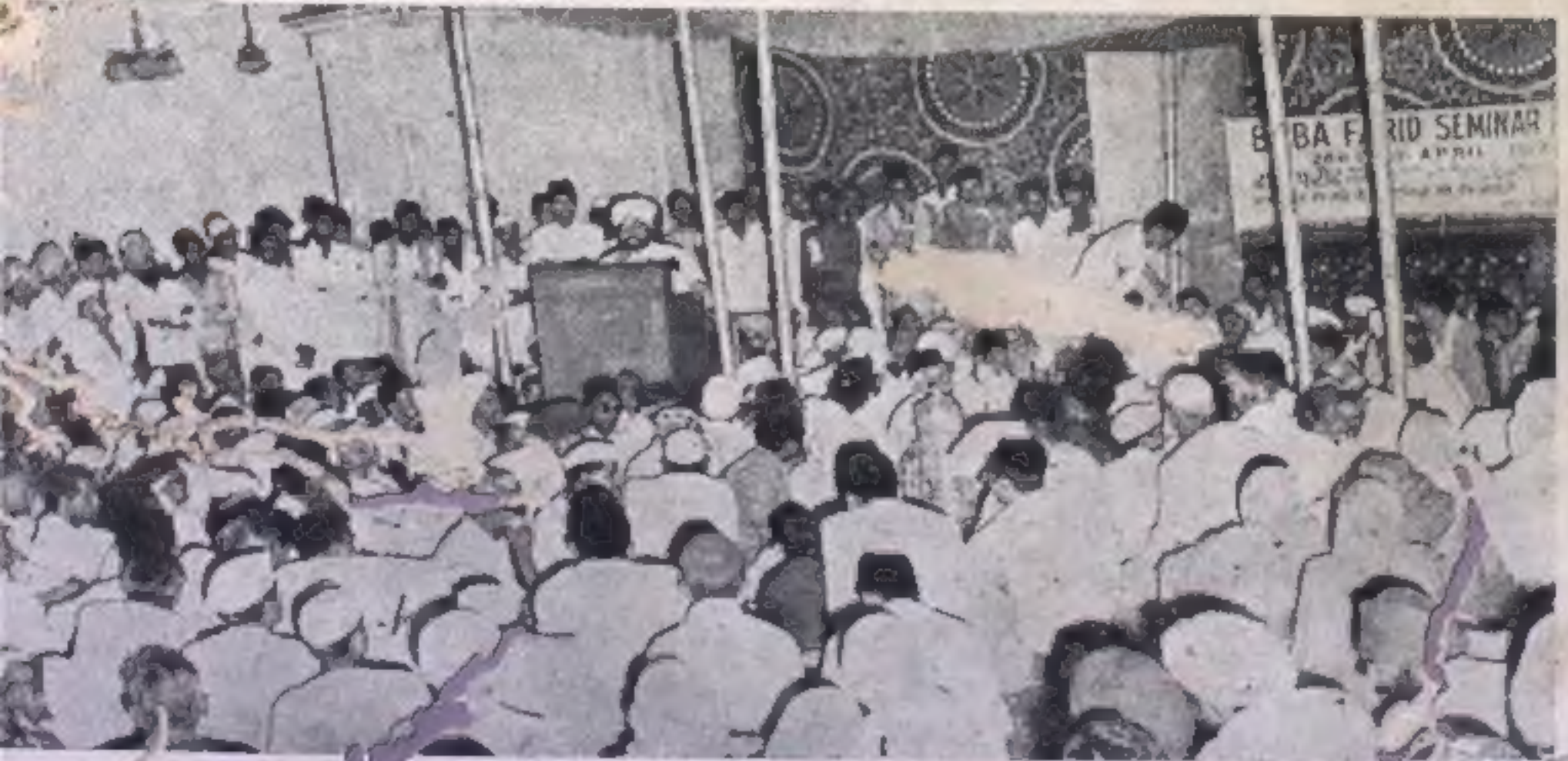
ڈاکٹر گوردیال سنگھ ڈھلوں اسپیکر لوک سبھا اجمیر شریف میں جشن
اجتماع سے مخاطب ہیں۔

یوسف م

Vol. 49 (1974), No. 4-5-6 September Regd. No. D (S) 090

THE MUNADI NEW DELHI

Special issue on

HAZRAT BABA FARID

Telegrams : Khajgan New Delhi Telephone : 619807

جشن فرید دہلی کے معزز شرکاء

(اگلی صف دائیں سے بائیں) جناب نثار احمد فاروقی۔ حضرت حلیم میاں چشتی۔ جناب طیب حسین ایم-پی۔ ہزایکسی للنسی آقائے کاردوش کلچرل کونسلر ایران (دوسری صف) حضرت صدیق میاں چشتی۔ حضرت سلیمان مہاراج چشتی۔ حضرت غلام معین الدین میاں چشتی۔ حضرت فاروق میاں چشتی۔ جناب محمد دین الٹچی والے۔ حضرت عبدالمعبود چشتی۔ آنریبل جسٹس تکا جگجیت سنگھ بیدی

(ٹائٹل کا پچھلا صفحہ روضہ حضرت بابا صاحب پاکپتن شریف اور گولڈن ٹمپل امرتسر)

Title & Photographs printed at Pilot Press, 3762/3, [illegible] riwalan, Delhi-6.